71\_01\_SUNAN-E-ELAHI

سنن الٰہی در قرآن ۱۲۔تقویٰ کی بنیاد پر حیاتِ اجتماعی کی تشکیل

# اجتماعی حیات کے لئے الٰہی قوانین

خداوند تبارک وتعالیٰ نے انسان کی حیات ِاجتماعی کے لئے جو معین قوانین مقرر کیے ہیں ،جن کی اساس پر یہ حیات گزرنی ہے اور اپنے انجام کوپہنچنی ہے اور اس نے مختلف شکلیں اپنانی ہیں۔ جنہیں قرآن میں سننِ الٰہی سے تعبیر کیاگیاہے،اس حیاتِ اجتماعی کی تشکیل میں سننِ خد ا یا معین قوانین موجود ہیں ۔ جس طرح سے ہر مجموعہ جوترکیب کے ذ ریعے سے تشکیل پاتا ہے جیسے افراد کی ترکیب ،اجزاء کی ترکیب اور اعضاء کی ترکیب کے ملنے سے وجودمیں آتاہے اور اس کے معین قوانین ہیں۔ اسی طرح انسان کی حیاتِ اجتماعی کے بھی معین قوانین ہیں چونکہ یہ بھی ایک مجموعی واجتماعی حیات ہے۔

# ضمنی و مجموعی حیات کا رابطہ

جمعی حیات کامطلب یہ ہے کہ انسان کی انفرادی حیات کی طرح ایک اورزندگی ہے جوانسان دوسروں کے ساتھ مل کر اس زندگی کے تحت حیات بسر کررہاہوتاہے۔جس طرح ایک انسان کے جسم میں ہر عضواپنی ضمنی حیات بھی رکھتاہے اور کل کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ سے ،ایک مجموعی حیات کابھی حصہ ہے،پس انسان کاہر عضو ،ہاتھ پائوں اور دیگر اعضاء وجوارح دو حیات رکھتے ہیں۔ ایک ضمنی حیات اس حیثیت سے کہ یہ جزء وعضوہیں اور ایک اپنی مجموعی وترکیبی حیات جو کل پیکر یا بدن کی حیات کا ایک حصہ ہے کہ اگر حیاتِ کل کا خاتمہ ہوجائے توضمنی حیات خود ہی ختم ہے،نابودہوجاتی ہے۔

# ضمنی حیات کا انحصار مجموعی حیات پر:

اگر انسان کے بدن کی مجموعی حیات ختم ہوجائے توہاتھ پائوں کی حیات اس کے ضمن میں خودہی ختم ہوجاتی ہے اور اگر فقط ہاتھ یا ایک عضواپنی حیات کھو بیٹھے تواس سے کل کی حیات متاثرتوہوتی ہے لیکن نابود نہیں ہوتی،پس کل کی حیات ،جزء کے خاتمے کاسبب بنتی ہے لیکن جزء کی حیات ،کل کے خاتمے کاسبب نہیں بنتی بلکہ اس کے اندر نقص کاسبب بنتی ہے۔ اس کا ایک او ر قانون یہ ہے کہ یہ حیات مختلف اجزاء کے ملنے سے وجود میں آتی ہے۔ اس کی خاص ترکیب ہونی چاہیے،اس ترکیب میں جو اس کاڈھانچہ بنناہے،عام زبان میں ہم سٹرکچر کے نام سے جانتے ہیں۔ پس یہ ڈھانچہ یا سٹرکچر کچھ ارکان سے تشکیل پاتاہے۔

# تشکیل ِ عمارت کیلئے ڈ ھانچے کی ضرورت:

جس طرح بلڈنگ کی مثال دی تھی۔ایک مجموعی عمارت جب قائم ہوتی ہے توپہلے اس کاڈھانچہ وجودمیں آتاہے،پھر ڈھانچے کے اندر دوسری چیزیں اضافہ ہوتی ہیں۔ جس سے عمارت کارآمد بن جاتی ہے لیکن جب اس کاڈھانچہ تشکیل پاتاہے تو اس ڈھانچے کے کچھ بنیادی ارکان ہیں جیسے بیم،پلریا دیواروں پر اگرڈھانچہ قائم ہوتودیواریں اوران ارکان کولازمی مواد کی ضرور ت ہے،جس مواد سے یہ ارکان تشکیل پاتے ہیں اور ارکان جب کھڑے ہوجاتے ہیں توان ارکان کے آپس میں ملنے اورایک دوسرے کے ربط سے ڈھانچہ تیارہوتاہے ،اگر ایک ستون ایک جگہ ہو اور دوسراستون کسی اورجگہ ہو،ایک بیم ایک طرف ہو اور دوسری کسی او رجگہ او ران کا آپس میں کوئی ربط بھی نہ ہو،نہ ہی یہ ستون آپس میں کہیں ملتے ہوں ،تواسے ڈھانچہ نہیں کہتے اگرچہ یہ الگ الگ فردی طورپر بہت ساری چیزیں ہیں۔

# تشکیل ڈھانچہ کیلئے ارکان کاوجودی ارتباط

جس طرح درخت جنگل کے اندر ساتھ ساتھ اگے ہوئے ہیں لیکن کسی شئی میں آپس میں نہیں ملتے۔مل کر کوئی درخت،ترکیب ایجادنہیں کرتے،اس وجہ سے جنگل میں کوئی ڈھانچہ نہیں بناتے ،یاکسی جگہ ریوڑ اگر ہو وہ جسمانی طورپر توایک دوسرے کے قریب قریب ہیں لیکن ان کے مابین وجودی ارتباط نہیں ہے اس وجہ سے وہ ریوڑ ڈھانچہ تشکیل نہیں دیتا ،ڈھانچے کے لئے ضروری ہے کہ یہ ارکان آپس میں ملے ہوئے اورمتصل ہوں اور ان کا آپس میں وہ رابطہ نہ ہو جومکینیکل رابطہ ہوتاہے اور مکینکل رابطہ ،وہ رابطہ ہوتاہے جو خود ایجادکیاجاتاہے ،جس طرح مشینوں کے اندران کو مختلف پرزوں اور بلٹس کے ذریعے سے،آپس میں جوڑ دیاجاتاہے اگروہ کھل جائیں تو رابطہ بھی ختم ہوجاتاہے۔

# مکینکل ڈھانچہ حیاتی نشوونما سے خالی:

گاڑی کے مختلف اعضاء و اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ رابطہء وجودی نہیں رکھتے جبکہ ان کا آپس میں مکینکل رابطہ ہے ،اس سے جو ترکیب وجودمیں آتی ہے اس سے ایک مکینکل ڈھانچہ وجودمیں آتاہے کہ جس میں حیات نہیں ہوتی،مکینکل ڈھانچہ فاقدِ حیات ہوتاہے،ا س سے ہم صرف مکینکل کام یا مکینکل فنگشن حاصل کرسکتے ہیں لیکن اس سے اس پرحیاتی اثرات کی نشو ونما نہیں ہوتی ، پس جہاں بھی مکینکل ڈھانچہ ہوگا ا س کے اندرپہلی علامت جومفقود ہے وہ حیات ہے اس میں نشو ونما اوررشد نہیں ہے۔

اگر ایک چھوٹی سی گاڑی بناکر آپ اس کوپانی دیتے رہیں ،کھاد دیتے رہیں تو اس سے بڑی گاڑی نہیں بنتی،ورنہ اگرمکینکل ڈھانچوں میں نشو ونماہوتی ،تویہ چھوٹی چھوٹی گاڑیاں ابھی تک سب بڑے بڑے ٹرالر بنے ہوتے ،جبکہ یہ جتنی بنتی ہے اتنی ہی رہتی ہے بلکہ بوسیدہ ہو کرختم ہوجاتی ہے۔

# وجودی رابطہ باعث حیات و رشد

پس اس جگہ نشوونما ہوتی ہے کہ جہاں پر مختلف اجزائے ترکیبی ا یک دوسرے کے ساتھ وجودی رابطے کے اندر منسلک ہوں ، ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ ہوں اوران کے اندر فقط مکینکل رابطہ نہ ہو بلکہ ان کے درمیان حیاتی یا وجود ی رابطہ ہواور وہ ایک دوسرے کے اوپر اثر انداز ہوں ،ایک دوسرے کے اوپر ان کی تاثیرہو۔

بلڈنگ کی مثال حیاتِ اجتماعی کے لئے درست اور دقیق مثال نہیں ہے بلکہ ذہن کو آمادہ کرنے کے لئے یہ مثال ہے ورنہ درست مثال انسان کے جسم و پیکر کی ہے،جس میں نشو ونما موجود ہے یا ایک درخت کی مثال ہے جو قرآن مجید نے بھی اس کی مثال دی ہے کہ اس کو ہم مشاہدہ کریں لیکن سمجھانے کے لئے عمارتی مثال واضح اور روشن ہے اور مطلب کے سمجھنے کے لئے ذہنی فضا کوہموار کردیتی ہے کہ اگر یہ ستون اور بیم آپس میں متصل نہ ہوں ، تو ان کے مجموعے کوڈھانچہ نہیں کہتے،ڈھانچے کے لئے ضروری ہے کہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوں۔

# آئیڈ یالوجیکل معاشرے کا قیام:

حیات ِاجتماعی کے لئے بھی یہی قانون ہے کہ حیاتِ اجتماعی میں جومجموعہ بنامِ امت ،قوم یا سماج ومعاشرہ وجودمیں آتاہے یہ ایک ڈھانچے کے اوپر استوار ہوتاہے۔ یعنی اجتماعی حیا ت کانظام اس کاایک ڈھانچہ ہے جس کے اوپریہ کھڑاہواہے،وہ ڈھانچہ اپنے ارکان پر استوارہے،اس کادارومدار ان ارکان و ستونوں کے اوپرہے،ستون اجتماعی حیات ایک معین مواد سے بنے ہیں ،یہیں پر سننِ الٰہی مفروض ہے،انسان کی حیاتِ اجتماعی میں یہیں سے سننِ الٰہی لاگو ہوجاتی ہیں۔

ان ارکان کے لئے استعمال ہونے والے مواد میں اگرآئیڈیالوجی ہے ، اور اس آئیڈیالوجی کے نتیجے میں وہ ارکان پیداہوئے ہوں اور ان ارکان کے متصل ہونے سے ایک اجتماعی ڈھانچہ قا ئم ہواور اس کے اندرنظام وجودمیں آیاہوتویہ ایک خاص معاشرہ بنے گا۔

# ایمان کی حقیقت:

قرآن کے بقول کہ یہ انسانی معاشرہ ایک خاص شکل،خاص روپ،خاص حلیے اور خاص شناخت کامعاشرہ بنے گا ،یہ دوسرے معاشروں سے مختلف ہوگا۔اگر اس کے موادمیں توحیدی آئیڈیالوجی وایمان ہو۔جس طرح قرآن مجید تشکیلِ امت کا آغاز ایمان سے کرتا ہے۔ایمان سے مراد ذہنیت نہیں ہے چونکہ ہمارے ذہنوں میں جو ایمان کی شکل بیٹھی ہوئی ہے،ہم اسی کوہی ایمان سمجھتے ہیں۔ نہیں !اس کاایمان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

# ذہنی کیفیت ایمان نہیں ہے

عموماً لوگ جس کوایمان کہتے ہیں ،یہ مختلف ذہنی کیفیات ہیں جس طرح کوئی تلقینات سننے سے،باتیں سننے سے،میڈیا سے کسی کے بارے میں سننے سے انسان کی ایک ذہنی کیفیت بن جاتی ہے۔ یہ ذہنیت ہے جیسے بہت سارے لوگوں کے بارے میں ہماری ذہنیت ہے کہ یہ ہمارے دشمن ہیں۔ جس طرح شیعوں کی یہ ذہنی کیفیت ہے کہ ہر وہ آدمی جس کاپانچہ گٹوں سے اوپر ہے اور اس کی داڑھی لمبی ہے وہ وہابی ہے او روہ شیعوں کا دشمن ہے۔یہ ہماری ایک ذہنی کیفیت بنا دی گئی ہے ورنہ عملاً ایسے نہیں ہے بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن کاپانچہ اوپر اورداڑھی بڑی ہوتی ہے ،جبکہ یہ شیعوں کے دوست ہیں ،چہ بسا خودیہ شیعہ ہی ہوتے ہیں۔ کسی شخص کوبھی جب ہم دیکھتے ہیں تو اس کے بارے میں فورا ً ہماری یہ ذہنیت قائم ہوجاتی ہے۔

یہ ایمان نہیں ہے بلکہ یہ ذہنی کیفیات ہیں۔ جیسے اس وقت ہماری ہر چیزکے بارے میں ایک ذہنی کیفیت ہے،قیامت کے بارے میں ،خداکے بارے میں ،آئمہ کے بارے میں ذہنی کیفیات ہیں پس یہ سب کچھ ایمان نہیں کہلاتا بلکہ ایمان کی تعریف میں یہ چیز شامل ہی نہیں ہوتی بلکہ یہ انسان کی ذہنی کیفیات ونفسیاتی حالتیں ہیں جو مختلف وجوہات اورمختلف عوامل کے تحت انسان پر طاری ہوتی رہتی ہیں۔

# معلومات دینی ایمان نہیں ہے

مختلف معلومات کوبھی ایمان نہیں کہتے،جیسے ہمیں ابھی بہت ساری معلومات ہیں ،اسلام کے بارے میں ،قرآن کے بارے میں ،انبیاء ؑوآئمہ ؑکے بارے میں ،امامت ونبوت کے بارے میں ،حتیٰ معلوماتِ توحیدی بھی ایمان نہیں کہلاتیں ،ایمان ایک الگ چیزہے۔پس ہم ایما ن کو اپنی ذہنیت کیفیت کے ساتھ نہ سمجھیں اوراس کے ساتھ مثال نہ دیں جیسے جب ہم کہتے ہیں ایمانی معاشرہ یعنی اس ذہنی کیفیت والے لوگ جس سرزمین پر رہتے ہوں وہ انسانی معاشرہ کہلاتاہے، ایمانی معاشرہ نہیں کہلاتا۔

# اسلامی و ایمانی معاشرے کی حقیقت

ایمانی معاشرے کی خاص صفت ہے،آئیڈیالوجیکل معاشرہ ،جس معاشرے کے پاس،ایک منظم فکری نظام ہو، جوپوری حیات ِبشرکے بارے میں اس کی راہنمائی کررہاہو اوراس شئی پراس کا ایمان ہو۔اگر وہ توحیدی والٰہی ہو،اس آئیڈیالوجی سے جو اقدار وجودمیں آتی ہیں ،یہ ستون ہیں ،اورجب یہ اقدار آپس میں متصل وجڑجاتی ہیں تو ان سے ایک نظام پیداہوتاہے اس کوہم الٰہی معاشرہ اوراسلامی وایمانی معاشرہ کہتے ہیں لیکن اگربنیا دوڈھانچے میں یہ آئیڈیالوجی شامل نہ ہو بلکہ کلچر ہو اور کلچرکے اندرسے نکلی ہوئی خرافا ت ستون کی حیثیت رکھتی ہوں ،اس سے معاشرہ تو بن جائے گالیکن اس پہلے معاشرے سے یہ معاشرہ ذاتاً بہت ہی مختلف ہوگا۔

# الٰہی و غیر الٰہی معاشرے میں فرق:

انسان اور جانورمیں جتنا فرق ہے،اتناہی فرق الٰہی اورغیر الٰہی معاشرے میں ہے،جیسے بھینس اورانسان میں کتنا فرق ہے!بعض جہات سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان میں مشابہت ہے جیسے یہ دونوں کھاتے ہیں ،دونوں سوتے ہیں ،دونوں تولیدِ نسل کرتے ہیں ،لیکن ذات دونوں کی الگ ہے، دونوں کی نوعیت الگ ہے،ماہیت وحقیقت دونوں کی الگ ہے۔ اسی طرح ا جتماعی حیات کے لئے یا اجتماعی حیات کے ذریعے جو معاشرے وجودمیں آتے ہیں ،ان کی ماہیت مختلف ہوتی ہے، حقیقت مختلف ہوتی ہے،ہر چند بعض شعبوں میں ہمیں ان میں مشابہت نظر آتی ہے،اِس معاشرے میں تولیدِ نسل ہورہی ہے ،اس معاشرے میں بھی تولیدِ نسل ہے،اس معاشرے میں کھانا پیناہے،اس معاشرے میں بھی کھانا پیناہے،اس معاشرے میں کھیتی باڑی ہے،اس معاشرے میں بھی کھیتی باڑی ہے لیکن ذاتاََوحقیقتاً یہ معاشرے مختلف ہوتے ہیں ۔

# معاشرے کی تشکیل میں سنن الٰہی کا کردار

سننِ الٰہی کے مطابق جب معاشرے کاوجود تشکیل پارہاہوتاہے۔جس طرح بچہ رحمِ مادرمیں بن رہاہوتاہے۔پہلے اس کاڈھانچہ بنتاہے،اس ڈھانچے کی تشکیل میں ہی سننِ الٰہی کارفرماہوتی ہیں اوراس کی مختلف شکلیں بن جاتی ہیں۔ بعض بچے پیداہوتے ہیں اپاہج وناقص پیداہوتے ہیں ،بعض بچے صحیح وسالم پیداہوتے ہیں ،رحمِ مادرمیں جب ان کاوجود تشکیل پارہاہوتاہے،تومختلف اجزاء و اعضاء پیداہوکے ا ٓپس میں مل کرایک مجموعہ بنارہے ہوتے ہیں وہیں پر سننِ الٰہی حکم فرماہیں کہ اس ڈھانچے میں اگر ابتداء میں خلل آگیا،اگر یہ کام ہوا تو اس قسم کاڈھانچہ بنے گا،جیسے بچہ ناقص الخلقت ہوگا،ناقص العقل ہوگا،ناقص الایمان یاناقص الاخلاق بچہ ہوگا،بچے اسی طرح کے پیداہورہے ہیں ،جبکہ ہمیں صرف وہ بچے نمایاں نظر آتے ہیں جو پیداہوں تو ہاتھ صحیح نہیں ،پائوں صحیح نہیں ،ناک، کان صحیح نہیں ہے،پھران کے بارے میں چرچاہوجاتاہے کہ یہ ناقص الخلقت ہے۔

# اولاد میں ظاہری و باطنی نقائص

لیکن کتنے بچے پیداہوتے ہیں جوناقص الاخلاق ہیں ،ناقص الایمان وناقص العقل ہیں۔ اس لئے کہ جب یہ بچہ وجودمیں آرہاہوتاہے تو اس کے وجودی ڈھانچے کی تشکیل میں سننِ الٰہی کوچونکہ درست نہیں سمجھتے لہٰذا بچے پیدائشی طورپرہی بعض چیزیں لے کر پیداہوتے ہیں جیساکہ روایات کے اندریہ اشارات موجودہیں کہ اگر ماں باپ اس طرح کی حرکا ت کریں گے تو اس طرح کا بچہ بنے گا،اگر اس طرح کی ذہنیت ہوگی تواس طرح کابچہ بنے گا،اگریہ اعمال انجام دیں گے تو اس طرح کا بچہ ،اگر یہ اعمال انجا م دیں گے تو اس طرح کا بچہ پیداہوگا،جیسے پاگل ہوگا،بہت سارے اثرات ہیں جو بتائے گئے ہیں۔ اجتماعی زندگی بھی اسی طرح سے ہے جس طرح بچہ ماں کے رحم میں بنتاہے،ایک معاشرہ بھی اسی طرح سے وجودمیں آتاہے اور جنم لیتاہے اس سٹرکچرمیں جو چیز کارفرماہے۔

# پاکستانی معاشرے کی بنیاد آبائی کلچر:

بہت سارے معاشرے ہیں جن کی بنیادوں میں آبائی رسم ورواج موجود ہیں ، جیسے پاکستانی معاشرہ جو آبائی کلچر کی بنیاد پروجودمیں آیاہے،اگرچہ اسلام کے شعار سے وجود میں آیا ہے لیکن آئیڈیالوجی اس کی بنیادوں میں کار فرما نہیں ہوئی ، چونکہ کوئی ایسامعمار موجود نہیں تھا جو ایسا مواد فراہم کرتا۔علامہ اقبالؒ اس معاشرے کی تشکیل کیلئے سارا مواد پیش کرکے گئے تھے لیکن اس وقت اس کوسمجھنے والاکوئی نہیں تھااورجو اُس وقت تھے اُنہوں نے سمجھاکہ یہ صرف قوالوں کیلئے شاعری ہے،اس کا معاشرہ، مملکت، نظام یا امت سے کوئی تعلق نہیں !

پاکستانی معاشرے کو تشکیل دینے میں آباء و اجداد ہی کا کرداررہا ہے اور آباء و اجداد بھی مشترک رہے ہیں اگرچہ ان کے اندر بھی مختلف نشیب و فراز رہے ہیں۔ یہاں پرتین چار قوموں کے آباء و اجدادمشترک ہیں جیسے ہندوئوں ،مسلمانوں او رسکھوں کے آباء و اجداد ایک جیسے ہیں لہٰذا رسومات بھی ایک جیسی ہی ہیں ،صرف مندر،ٹیمپل اور مسجدمیں جاتے ہوئے الگ ہوجاتے ہیں باقی سب یکساں ہیں۔ سب کی زندگی، نظام اور اجتماعی حیات ایک جیسی ہے چونکہ کسی کی بنیاد میں آئیڈیالوجی شامل نہیں بلکہ کلچر شامل ہے لہٰذا بنیاد ی طورپریہ معاشرہ نہ ہندوہے،نہ مسلمان ہے اورنہ سکھ ، بلکہ آبائی کلچرکی بنیاد پر وجودمیں آیاہے جبکہ یہ ہمارا کلچر بھی خرافاتی کلچرہے۔

# ہندو کلچر کی خرافات

اس وقت پوری دنیامیں جتنی بھی تہذیبیں ہیں ان سب کا اگر مطالعہ کیاجائے تو سبھی خرافاتی ہیں ،خرافات کاعمل دخل ہے لیکن جتنی خرافات ہندی کلچر کے اندر موجودہیں اتنی کسی اور کلچرمیں نہیں ہیں۔ ان کی پوری حیاتِ اجتماعی خرافات کے اوپرہے، بھوت، پری،بد روحیں ،چڑیل اور اس طرح کے مسائل انسان کی عملی زندگی میں دخیل ہیں ،لہٰذا آج ہندی کلچر کی حیاتِ اجتماعی ان قوتوں کے اختیارمیں ہے اورجوتحولات، تبدیلیاں اورحادثات ہوتے ہیں وہ سب ان کے ذمے ہوتے ہیں کہ انہوں نے کروائے ہیں اور ان کو ہی راضی کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ ہندومذہب میں ابھی بھی ان امور کو باقی رکھنے کیلئے سالانہ کسی انسان کو قربان کیاجاتاہے۔

گذشتہ سال بھی یہ ماجراہواتھاکہ انھوں نے قرعہ نکالا ایک بچی کے نام آیااور پھراس بچی کو ذبح کرنے والے تھے کہ فورسز پہنچ گئیں اور بچی کو بچالیا گیا۔بہرکیف یہ عمل ابھی تک ان کے ہاں جاری ہے۔ جس کے اثرات ساری ذیلی شاخوں پر ہیں یعنی ہندی تہذیب کی جو ذیلی شاخیں ہیں ان سب کے اوپر اس کلچر کے اثرات موجودہیں لہٰذا یہ اجتماعی حیات اس سے متاثر ہے،جیسے بسنت ہے یاہولی کھیلتے ہیں ،ایک دوسرے پررنگ ڈالتے ہیں ،یہ انہی موجوداتِ افسانوی کو راضی کرنے کے لئے ہے،انہی کے فرمان پریہ سب کچھ ہوتاہے،اب ان کی دیکھادیکھی میں مسلمان بھی یہ سارے کام انجام دیتے ہیں۔

# ہر قوم کا اپنا کلچر:

اسی طرح سے ایرانیوں کا بھی اپنا ایک کلچر ہے اوربعض اُس پر اصرار بھی کرتے ہیں بلکہ کچھ تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے اسلام کی بھی ضرورت نہیں بلکہ ہمارے لئے ہماراڈھائی ہزار سالہ پراناپورش مذہب کا کلچر کافی ہے۔اسی طرح سے یونانی کلچرہے یا دیگر اقوام جو زمین پر آبادہیں اسی نظا م کے تحت ان کے معاشرے وجودمیں آئے ہیں۔

# مغربی معاشرے کی نئی بنیاد:

اس زمانے میں ایک نئی سوسائٹی مغربی معاشرے کے نام سے قائم ہوئی ہے،اگرچہ وہ بھی کلچر ل معاشرہ ہے لیکن قدیم خرافاتی بنیاد وں سے اس نے فاصلہ لے لیا،اس میں تبدیلی آئی ہے۔ اگرچہ قدیم مغربی قوموں کی عجیب و غریب تاریخ ہے جبکہ فرانسیسی جوزیادہ قدیمی بھی نہیں ہے یعنی آج سے ڈیڑھ ،دوسوسال پہلے تک یہ اسی وحشیانہ تہذیب کا حصہ تھی اوریورپ کے اندردیگراقوام بھی آبادہیں جبکہ ہماری نظروں میں سب انگریزہیں ،ہر یورپی انگریز نہیں ہوتا۔ برطانیہ میں کئی قومیں رہتی ہیں جن میں سے ایک قوم کانام انگریز ہے جن کی زبان انگریزی ہے ورنہ وہاں پر بہت ساری اور قومیں بھی آباد ہیں ،برطانیہ کئی ریاستوں یا کئی قوموں کامجموعہ ہے جو انگریز نہیں کہلاتے،ہماری نظروں میں جو بھی گوری چمڑی والاہے وہ سارے انگریز کہلاتے ہیں۔

یہ قومیں وہ ہیں کہ جن کے آبائی کلچر خرافاتی تھے لیکن یورپ میں جوتحول آیا،اُس سے یہ بدل گئیں اورایک نئی بنیاد بنائی،مغربی سوسائٹی جو آج موجودہے،انہوں نے سابقہ تہذیب کاڈھانچہ بدلا ،پہلے ڈھانچے کے لئے جو مواد اورنظریہ تھااس کو بدلا ، یعنی پہلے جو آبائی طور طریقے تھے ان کوچھوڑ کرانہوں نے دوسرے امورکواپنی بنیاد قرار دیا۔

# معاشرے کے بارے میں قرآنی نظریہ:

قرآن مجید کی نظریاسنتِ الٰہی یہ ہے کہ جب بھی ایک معاشرہ تشکیل پاتاہے تواس معاشرے کی تشکیل کے عمل ، اس کانظام بننے سے پہلے اس کا ڈھانچہ بنتاہے ،ڈھانچہ اس کے ارکان پر استوارہوتاہے اور ارکان کسی خاص مواد سے تشکیل پاتے ہیں۔ اور وہ موادآئیڈیالوجی ہے یا آبائی طور طریقہ یاکوئی اس کے متبادل انسان کی کوئی نئی فکر ہے،ممکن ہے کوئی فلسفی فکرہو،کوئی اقتصادی فکرہو یا کوئی اورتہذیبی فکریعنی کوئی بھی چیز بنیاد بن سکتی ہے اورجس طرح کی بنیاد ہوگی اسی طرح کا معاشرہ وجودمیں آئے گا،اسی طرح کے اس کے ارکان ہوں گے،ان ارکان کے اوپراسی طرح کانظام وجودمیں آئے گااو ران معاشروں کی ماہیت و حقیقت ایک دوسرے سے مختلف ہوگی چونکہ ان کے ڈھانچے مختلف ہیں۔

# ہر نظام قابل تبدیل ہے!

ہر نظام بدل سکتاہے،یوں نہیں کہ اگر ایک دفعہ نظام بن گیا ہے توپھر قیامت تک یہی رہے گا،نہیں ! انسان اس کوتوڑکر نیا نظام اور نیا معاشرہ قائم کرسکتاہے۔ہم اس کو دو حالتوں میں فرض کرسکتے ہیں۔ ایک قرآنی اور الٰہی معاشرہ جس کی بنیاد توحیدی آئیڈیالوجی پر ہواور ایک غیر توحیدی معاشرہ جس کی بنیاد توحیدی آئیڈیالوجی کے علاوہ کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے۔غیر توحیدی معاشرے کی مختلف شکلیں ہیں ،ہر ایک کو زیرِ بحث نہیں لا سکتے، اس لئے صرف دوعنوانوں کے ساتھ آگے بڑھیں گے۔

الٰہی معاشرہ یا توحیدی اورایمانی معاشرہ وہ معاشرہ کہلاتا ہے جس کی بنیاد میں توحید اور ایمان شامل ہوں ،اب توحید و ایمان اوراِن اُمور سے مراد وہ حالتیں نہ ہوں جو اِس وقت ہمارے ذہنوں میں قائم ہیں۔

# صوفیانہ و خانقاہی دین

شاید اس وقت دنیا میں توحیدی معاشرہ کہیں بھی نہ ہو چونکہ توحیدی معاشرے کی ایک اپنی خاص علامت ہے۔ البتہ کچھ معاشرے ایسے ہیں جو توحیدی بن سکتے ہیں یا توحیدی معاشروں کے قریب ہیں ،ان کووہاں تک پہنچنے کیلئے ایک جہت چاہیے تاکہ وہ توحیدی مرحلے تک آسانی سے پہنچ جائیں۔ چونکہ ہم نے دین کونظامِ حیات کے طورپرنہیں لیا بلکہ ہمارے پاس جو دین ہے وہ صوفیانہ دین ہے، یعنی اس وقت تمام طبقات کے اندر صوفیانہ دین رائج ہے۔ صوفیانہ دین سے مرادیہ ہے کہ دین فقط آپ کی آخرت کے لئے ہے ،اس کا دنیا سے اصلاً کوئی تعلق نہیں ہے اور دین کا فائدہ بھی آپ کے لئے فقط معنویت ہے باقی معیشت ،نظام اورسیاست وغیرہ کادین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کو خانقاہی دین بھی کہتے ہیں جس کاانسانی زندگی سے ذرّہ برابر کوئی ربط نہیں ہے بلکہ اس کے مطابق نظامِ دنیوی دین کی راہ میں مزاحم ہے لہٰذادنیا کوچھوڑ دو تاکہ تمہاری زندگی میں دینی معنویت پیداہوسکے۔

مکتبی دین سے دوری

اس وقت ہم اس صوفیانہ تصورِ دین کے دیندار ہیں۔ دین کو بصورتِ آئیڈیالوجی یا بصورت ِ ڈاکٹرائن اختیار نہیں کیاگیا،ڈاکٹرائن یعنی دین انسان کی حیاتِ اجتماعی کالائحۂ عمل نہیں ہے اور دین نظام نہیں بنا، دین کو نظام کے طورپر نہ علماء نے لیا اورنہ ہی غیر علماء نے لیاجبکہ انبیاءؑ دین کی اس حالت کے مبلغ تھے کہ جو انسان کی حیاتِ اجتماعی کی بنیاد بنے اوراس اساس پریہ نظام وجود میں آئے اور اس حیاتِ اجتماعی کی آغوش میں حیاتِ انفراد ی بھی وجودمیں آئے اور وہ ترقی کرے اور اپنے مقا م تک پہنچے لیکن یہ کام نہیں ہوا ،بلکہ اس پرتوجہ ہی نہیں دی گئی!

# دین و دنیا میں جُدائی:

مسیحیت کے اوپر بھی یہی حالت غالب آگئی،پہلے مسیحیت اس کاشکارہوئی یعنی وہ معنویت اور اس قسم کی چیزوں سے کنارہ کش ہونا اور دور ہوجانا،یہ حالت مسیحیت کے اوپر پہلے بھی تھی لیکن یہ گذشتہ دو سو سالوں میں طاری ہوئی ،جب سے مغربیوں نے اپنا راستہ دین سے جداکیااوراپنی اجتماعی شناخت بدلی اور اپناڈھانچہ تبدیل کیا،اس وقت انھوں نے دین کو زندگی سے اٹھاکرباہرکردیا۔ لہٰذاجتنے بھی چرچ ہیں وہ باہرجنگلوں میں ہیں چونکہ وہ ریاضتوں کے لئے ہیں ،چرچ میں کوئی بھی دنیوی کام نہیں ہونا صرف دعاکرنی ہے اوراپنے گناہوں کا اعتراف کرناہے او ر فقط اتوار کے دن وہاں جاناہے اورپھر واپس آجاناہے جبکہ کوئی اور کام چرچ سے مربوط نہیں۔ جب مسلمانوں نے مسیحیت کویہ کام کرتے ہوئے دیکھاتو وہی حالت اب مسلمانوں کی مساجد کی بھی بن گئی ہے کہ عملی طورپرمسلمانوں نے بھی ایسا ہی صوفیانہ دین یا مسیحی حالت کا دین اپنالیاہے۔

غرض یہ کہ دین کو آسمانی کتابوں اور انبیاءؑ کے حوالے سے جو حیثیت حاصل تھی کہ حیاتِ انسانی کی بنیاد،مجریٰ ،راستہ اور ایک ہموار زمین بنے تاکہ اس کے اوپر حیاتِ بشر ی قائم ہو،وہ حالت دین سے لے لی گئی اور اس کو چھوڑ دیاگیا۔

# فہم قرآن کیلئے شناخت قرآن کی ضرورت

انسان کی اجتماعی حیات کیلئے سننِ الٰہی کو قرآن مجید سے سمجھنے میں جومشکلات در پیش ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے لئے قرآن مجید کوئی متعارف کتاب نہیں ہے، یعنی تعلیماتِ قرآن،مضامینِ قرآن،اصولِ قرآن،زبانِ قرآن اورلہجۂ قرآن سے ہم آشنا نہیں ہیں۔ لہٰذا اس آمادگی کو پیدا کرنے کیلئے پہلے شناختِ قرآن اور آدابِ فہم قرآن جس پر پہلے بحث ہوچکی ہے اور اس کی ڈی وی ڈیز بھی موجود ہیں اور اُن کی کتابیں بھی چھپ چکی ہیں ۔ جنہوں نے شناختِ قرآن کی مکمل بحث سنی ہوئی ہے یا پڑھی ہے ان کے لئے مشکل نہیں ہے چونکہ ابھی قرآن مجید کے بارے میں ایک مناسب ذہن بن گیاہے اوراسی طرح سے آدابِ فہمِ قرآن کی جس نے بحث سنی ہے یا کتاب پڑھی ہے اُس کیلئے آسانی ہوگی کہ اس میں قرآن فہمی کے آداب بیان ہوئے ہیں۔ یہ بحثیں باقاعدہ ایک چَین اورآپس میں مربوط ہیں اورتدریجاً بحث سننِ الٰہی تک پہنچی ہے۔

جب تک قرآن کے بارے میں ہماری نگاہ درست نہ ہوتواس وقت تک ہم قرآن مجید سے یہ ابحاث استخراج نہیں کرسکتے،جب قرآن کوسمجھنے کے اصول ہی معلوم نہ ہوں کہ کن اصولوں کے تحت ہم نے قرآن مجید کوسمجھناہے تو اس وقت تک یہ بحثیں مفید نہیں ہوتیں !

# مسلمانوں کی سوشیالوجی سے دوری

حیاتِ اجتماعی قرآن مجید کا ایک متروک اور فراموش شدہ موضوع ہے اور مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلموں نے اس کو اہمیت دی ہے لہٰذاآپ سوشیالوجی میں دیکھیں تو دوسرے لوگ ہم سے آگے ہیں حالانکہ ابن خلدون جو اس علم کابانی ہے جس نے انسان کی حیاتِ اجتماعی کو زیرِ بحث لایالیکن مسلمانوں نے اتناہی کام کیا جتنا ابن ِ خلدون نے چار سو سال پہلے کیاتھا،مسلمانوں کے پاس وہی میراث ہے، پھر چار سو سالوں میں مسلمانوں نے اس میں کوئی چیز اضافہ نہیں کی کیونکہ مسلمانوں کو کسی اور چیز کے پیچھے لگا دیاگیا! یعنی غیر مسلم خود اصل چیز کی طرف گئے اور کافی حد تک انہوں نے ترقی بھی کی۔ جیسے انھوں نے فرقہ واریت سے متعلق کافی مواد جمع کرلیا کہ ایک دوسرے کو کافر کہنے کے لئے بقدرِکافی مواد ہے۔مسلمان کوانہوں نے دلیلوں سے ثابت کیاکہ یہ کافر ہیں۔

# مسلمانوں میں تکفیری سوچ:

اگرہم تمام مسلمان فرقوں کی کتابیں پڑھیں تو کوئی مسلمان، مسلمان ثابت نہیں ہوتا، جیسے آپ اگر سلفیوں کی کتابیں پڑھیں تو سوائے ان کے کوئی بھی مسلمان نہیں ہے،اسی طرح جتنی بھی فرقہ ورانہ باتیں ہیں ان کو اگر انسان پڑھے توسوائے ان کے کوئی اورمسلمان نہیں ہے اور اگر سب کوپڑھ کے دیکھیں تو آپ اس نتیجے پہ پہنچیں گے کہ روئے زمین پر کوئی بھی مسلمان نہیں ہے۔صدیوں سے مسلمان یہی کام کر رہے ہیں

# سوشل سائنسز اسلامی معاشرے کی ضرورت

بہت سارے شعبے ہیں کہ جن کے اندر مسلمانوں نے کافی کام کیاہے اور بقدرِکافی مواد ہے۔ حتیٰ ٹیکنالوجی میں کافی ترقی کی ہے لیکن سوشیالوجی میں مسلمان کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں ہیں ،اتناہی مواد ہے جتنا ابن خلدون نے بیان کیاہے لیکن آج جتنے ماہرین صاحبِ نظرہیں ، یعنی جو سوسائٹی اورامت سازی کے معمار ہیں وہ صرف مغر بی ہیں ،مسلمانوں کے پاس صرف مغربی کتابوں کے ترجمے موجودہیں۔

ایران میں جتنی سوشل سائنسز رائج تھی اُس کومعطل کردیاگیاہے اور رہبرِمعظم نے حکم دیاہے کہ مغربی کتابیں ترجمہ کر کے مت پڑھائوبلکہ خود بیٹھ کرسوشل سائنسز ڈیزائن کرو تاکہ اس کی بنیاد پرمعاشرہ سازی ہواور اسلامی سوسائٹی قائم ہو۔ابھی کانفرنسیں ہورہی ہیں اوران کانفرنسوں میں لوگوں کوبلاتے ہیں لیکن وہ فقط چلوکباب کھاکر چلے جاتے ہیں ،حالانکہ ان کانفرنسوں میں کسی مقصد کیلئے بلایاجاتاہے لیکن عملاً باہر سے جانے والے وہاں جاکر اپنا کوئی رول ادا نہیں کرتے۔بہرکیف یہ ایک کوشش ہے جس کا ابھی آغازہوا ہے چونکہ اسلامی حکومت ابھی بنی ہے اوراسلامی حکومت کویہ احساس ہواہے کہ معاشرے کی بنیاد اسلامی ہونا ضروری ہے اورمعاشرے کی بنیا دکے لئے ہمارے پاس معاشرتی فکری نظام کا ڈھانچہ ہوناضروری ہے،ہم اس ڈھانچے میں کہاں سے شروع کریں ؟جو کچھ راہنمائی تھی وہ مغربیوں نے کی ہوئی تھی کہ یہ معاشرہ اس طرح سے بنتاہے۔

# غلط راہوں پر نیکیاں

ایک عادت جس کے ہم خوگر ہوچکے ہیں اور وہ یہ کہ ہم کسی بھی ماحول میں بس نیک کام کریں ۔ یعنی آپ ماحو ل،معاشرہ، نظام اوربنیادی ڈھانچے کو نہ دیکھیں بلکہ جیسا بھی معاشرہ ہو اُس میں نیک کام کریں۔ جیسے بت کدہ ہو، مسجد ہو یا شراب خانہ ہو ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بس لوٹا اور مصلیٰ لو اور نماز پڑھنا شروع کر دو۔ احکامِ دین میں یہ ہے کہ جہاں پر شراب پی جارہی ہو وہاں پر آپ اپنا حلال کاکھانابھی نہیں کھاسکتے،عبادت تو دورکی بات ہے اس محفل میں آپ حلال کھانابھی نہیں کھا سکتے۔ یہ بطور ِ نمونہ ہے کہ آپ شراب خوار سوسائٹی میں نہیں رہ سکتے لیکن ہم جو شراب خانوں میں نیکی کرنے کے عادی ہیں کہ جہاں بھی ہو بس نیکی کرو!اگر کوئی قاتل قتل کررہاہے اور اس کی چھری کند ہوگئی ہے تو آپ یہاں بھی نیکی کرو کہ چھری لاکراس کے ہاتھ میں دو تاکہ وہ یہ کام جلدی کرے،ہم ایسی نیکیاں انجام دینے کے عادی ہوگئے ہیں یعنی اس سے قطعِ نظرکہ سوسائٹی کیسی ہونی چاہیے؟اورہمارے فرائض کیا ہیں ؟ جبکہ ہم فقط نیکیوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ۔

# ظاہری زینت سے دھوکہ نہ کھائیں :

ہمیں جب یہ پتہ ہے کہ بلڈنگ ڈھانچے کے لحاظ سے بوسیدہ ہے لیکن ہم اس پرجھنڈیاں لگاکے اور اس پررنگ کراکے اُسی کواچھا ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بوسیدہ عمارتوں کو تزئینات کے ذریعے خوبصورت بنانا ایک عملی پیچیدگی ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے راہنمائی کی ہے کہ یہ بھی ایک تباہ کن عمل ہے۔ایسی بوسیدہ عمارتیں جن کے ستون گلے ہوئے ہوں انہیں پر رنگ وروغن کرنا اورجھنڈیاں لگاکے خوبصورت کرتے رہنابھی تباہی کی طرف جاناہے۔ ہم اجتماعی طور پر اس کے بھی خوگر ہیں کہ بوسیدہ معاشرے کی تزئینات کرتے رہیں اوریہ قرآن مجید نے بتادیا ہے کہ کچھ لوگ اجتماعی زندگی کے بوسیدہ ڈھانچے کو خوبصورت کرنے میں مشغول ہیں ،جب اس طرح تزئین کرتے ہیں تو اس سے ایک پوری نسل دھوکے میں آجاتی ہے،وہ یہ سمجھتی ہے کہ یہ ٹھیک ٹھاک عمارت ہے اوررہنے کے قابل ہے او راس میں رہائش اختیارکرلیتے ہیں جبکہ وہ اس سے بے خبر ہیں کہ ان زینتوں کے نیچے بوسیدگی ہے اور ان زینتوں کے نیچے ناپائیداری ہے

اب ان چیزوں کومدنظررکھنا ہے کہ ہم قرآن مجید سے کتنے اجنبی ہیں ! حیاتِ اجتماعی کے موضوع سے نا آشنا ہیں ،بغیر الٰہی نظام کے نیکیاں کرنے کے عادی ہیں اور فقط اصلاحات کے ذریعے بوسیدہ نظام کی تزئین کرکے اُس میں زندگی بسر کرنے کے خوگر ہوگئے ہیں۔

# غلط راہ پر نیکیاں کرنے والوں کی صفت

اصل میں سبیل سب سے مہم ہے۔غلط راہوں پرنیکیاں کرنے والے عموماً ان لوگوں کی جو اللہ کی راہ میں ہیں اور جب وہ غلطیاں کرتے ہیں توان کے عیب نکالتے رہتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کی راہ پر ہیں ، ان سے غلطیاں بھی ہوتی رہتی ہیں ،وہ کوئی معصوم تونہیں ہیں اورمعصوم نہ ہونے کی وجہ سے ہی غلطیاں سرزدہوجاتی ہیں جبکہ یہ جا ن بوجھ کرغلطی نہیں کرتے اوروہ لوگ جوخداکی راہ میں نہیں ہیں بلکہ غیر اللہ کی راہ پر نیکیاں کررہے ہیں یہ متکبرلوگ ہوتے ہیں ،یہ لوگوں کوبتاناچاہتے ہیں کہ د یکھوہمارے جیسا نیک کوئی بھی نہیں ہے اورآپ کی راہ درست نہیں ہے، اور یہ لوگ اللہ کی راہ میں جانے والوں کے اشتباہات اور غلطیاں ڈھونڈتے ہیں اور پھر دنیاکے سامنے برملاکرتے ہیں۔ جیسے اس وقت یہی کام ہورہاہے کہ وہ تمام لوگ جو انقلابی راہ سے دور ہیں ،جوخطِ ولایتِ فقیہ سے الگ،کسی اور خط پر جارہے ہیں ،ان کا سارا وقت انقلابیوں اورنظامِ ولایتِ فقیہ میں غلطیاں نکالنے میں گزر جاتا ہے۔

# باتقویٰ افراد سے راہ خدا پر غلطی کا امکان

اللہ تعالیٰ کی راہ کو اختیارکرنے والے غلطیاں کرتے ہیں ،امام خمینی ؒخود فرماتے تھے کہ ہم غلطیاں کرتے ہیں ،ہم کوئی معصوم تونہیں ہیں لہٰذاآپ بجائے اعتراض کرنے کے آکرتعاون کرواوران کی نشاندہی کرو تاکہ ان غلطیوں کودورکیاجاسکے۔اسی طرح رہبرِ معظم دام ظلہ العالیٰ نے بارہااس چیز کی نشاندہی کی ہے کہ غلطیاں سرز د ہوتی ہیں ، یوں نہیں کہ جو بھی سبیلِ خداپر ہیں ا ن سے غلطیاں سرز د نہیں ہوتیں لیکن راہ راہِ خداہے۔کیاآپ یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺکے زمانے میں ساری امت میں سے کوئی بھی غلطی نہیں کرتاتھا ؟ایسی بات نہیں ہے ، وہ بھی غلطیاں کرتے تھے،اس لئے پھررسول اللہ ﷺسے ڈانٹ پڑتی تھی۔

# امیر المومنین ؑ کی اپنے اصحاب کو سرزنش

امیرالمومنینؑ کے زمانے میں کیالوگ غلطیاں نہیں کرتے تھے؟کرتے تھے۔ اسی لئے امیرالمومنینؑ سے ڈانٹ بھی کھاتے تھے ،کتنے ایسے گورنرتھے جو امیرالمومنینؑ نے برخاست کیے اوران کی سخت سرزنش کی۔نہج البلاغہ میں خطوط موجودہیں ،انہیں سست اوربے کا رعنصرکہا،ہرطرح سے ان کوسمجھایا جوکچھ آپ ؑفرماسکتے تھے ،پس غلطیاں ہوتی ہیں ،یوں نہیں کہ راہِ خدا میں کوئی لغزش نہیں کھاتا اورگرتا نہیں ہے،گرتاہے لیکن خدا اس کواٹھالیتاہے۔یہ ہمارا کلچر بن چکاہے کہ راہ مت دیکھو بلکہ نیکی دیکھوکہ کہیں بھی بیٹھ کر میں نیکی انجا م دوں !

# مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی سازش:

خدا وندتعالیٰ نے قرآن مجید میں سورہ مبارکۂ توبہ میں ایک بہت ہی اہم ماجرا بیان کیا ہے جس کے ضمن میں ایک بہت ہی اہم موضوع چھیڑا ہے،اور خدا وندتبارک وتعالیٰ نے قیامت تک کے لئے اس ماجرا کوچھیڑاہے۔ وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے میں کچھ مسجدیں مدینہ میں بنائی تھیں لیکن ایک مسجد ان لوگوں نے بنائی جوبظاہرتو مسلمان تھے لیکن آپؐ نے اس مسجد کانام مسجدِضرار رکھا یعنی مضر ، نقصان دہ اورتباہ کن مسجد۔سورہ مبارکہ توبہ آیت نمبر ۱۰۷ میں ہے کہ

’’ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَکُفْرًا وَتَفْرِیقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِینَ۔۔۔‘‘

یعنی مومنین کے درمیان ضرر ،کفر،فرقہ واریت،گروہ بندی،تقسیم اورجھگڑا ڈالنے کے لئے کچھ لوگوں نے مسجد بنائی۔

’’وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اﷲَ وَرَسُولَہٗ مِنْ قَبْلُ وَلَیَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلاَّ الْحُسْنَی۔۔۔‘‘

یہ کیوں کیا؟اس لئے کہ وہ لوگ جو دشمنِ خدا ہیں ان کی مدد کے لئے انہوں نے ایک جگہ بنائی جبکہ قسمیں کھاکرکہتے تھے کہ ہمارا مقصد بہت نیک ہے،ہمار ابہت ہی اچھامقصد ہے،یہ مسجد ہم نے اسلام کی تقویت اوررسول اللہ ﷺکی مضبوطی کے لئے بنائی ہے۔

’’۔۔۔وَاﷲُ یَشْہَدُ إِنَّہُمْ لَکَاذِبُوْنَ ‘‘

اورخداگواہی دیتاہے کہ یہ مسجد بنانے والے جھوٹے ہیں۔

# مسجد ضرار کے مقابلے میں اللّٰہ کا رد عمل:

یہ قابلِ غور نکتہ ہے کہ کیوں ایک مسجد کے لئے خدا وندتعالیٰ کوردِ عمل دکھانے کی ضرورت پڑی؟پہلے خداوندتعالیٰ نے ردِ عمل دکھایااور پھر رسول اللہ ﷺکویہ حکم دیا کہ اب آپ بھی میدان میں اتریں ،اس مسجد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کیوں اتنا شدید ردِ عمل دکھایا؟اس لئے کہ یہ کام پوری تاریخ میں ہوں گے،یہ اسلام کے خلاف بننے والی پہلی مسجد تھی اور اس کے بعداسلام کے خلاف بننے والی مسجدیں بہت زیادہ ہوں گی۔اس لئے اس موضوع کواہمیت دے کے قرآن مجید میں یہ ذکرکیاگیاکہ آپ ایسی مساجد کی طرف متوجہ رہو!چونکہ اس وقت مدرسے نہیں تھے،رسول اللہ ﷺ اور آئمہ ؑ کے ادوارمیں مدرسے نہیں تھے بلکہ فقط تبلیغ تھی ،مدرسے بعد میں قائم ہوناشروع ہوئے ورنہ مدرسے کابھی نام آجاتا۔

# مسجد ضرار نمونہ ہے،ہر دینی مرکز کیلئے!

پس یہ مسجدِ ضرار بعنوانِ نمونہ ہے۔ قیامت تک مساجدِ ضرار،مدارسِ ضرار،احزابِ ضرار،انجمنِ ضرار،حسینیہ ٔ ضرار ،امام بارگاہِ ضراراورنمازِ باجماعتِ ضرار،نماز ِ جمعۂ ضرار،مجالسِ ضرار اور عزاداریٔ ضرارہو سکتے ہیں۔ یعنی دین کے نام پراور دینی عناوین سے ہی دین کونقصان پہنچانے کے لئے یہ سارے کام ہوں گے۔پس علمائے ضرارپیدا ہوں گے۔ اصل میں قرآن مجید تعارف کروانا چاہ رہاتھا اورفقط یہ نہیں بتاناچاہ رہاتھا کہ مدینے میں ایک سنٹر قائم ہواہے اور وہ اگرختم ہوگیا تو سارے مسئلے حل ہوجائیں گے۔یہ ایک ذہنیت کی پیداوارہے اور وہ ذہنیت ہمیشہ رہنی ہیں ،جہاں بھی اسلامی معاشرہ ہوگا وہاں یہ اذہان رہیں گے اور وہ دین کے خلاف دین ہی کے مراکز قائم کرکے ان مراکز کے ذریعے سے پھر دین کوہی تباہ کریں گے۔

# آج کا ضرار چینل!

یہ سارا کچھ دین کے نام پرہی ہوگا،جیسے دینی کتاب لکھیں گے،دینی ویب سائٹ بنائیں گے ،دینی چینل یا مدرسہ قائم کریں گے لیکن یہ سارے ادارے ضرور ہوں گے۔ آج بھی بہت سارے ایسے ضرارچینل ہیں جو دین کے نام پرہی ہیں ،جیسے یہی چینل جس پر ذاکر نائیک آتاہے ،یہ امت کے اندر تفرقہ ڈالنے کے لئے بنایا گیا ضرار چینل ہے اور اس کے مشابہ جتنے بھی چینلزہیں وہ سب ایسے ہی اذہان کے قائم کردہ ہیں۔ یوں نہیں کہ شیعوں میں نہیں ہیں ،شیعوں نے بھی ایسے ضرار چینل بنائے ہوئے ہیں اور لوگوں کو درست راہ سے منحرف کررہے ہیں۔ پس قرآن مجید اس اہم موضوع کی طرف توجہ دلارہاہے کہ آپ نے ہوشیار رہناہے، یعنی ایسا نہ ہو کہ جو بھی چیز دین کے نام پر بناکر دی جائے اُس کو چومتے رہو۔

# دین کے مقابلے میں رسم و رواج کو اپنانا:

چندسال قبل صوبہ سرحد کے ایک علاقے میں جارہے تھے تو وہاں کا ایک مقامی ڈرائیور بار بار دائیں بائیں کی عمارتوں کو دیکھتا اورآداب بجالاتا،جس طرح پاکستانیوں کاطریقہ ہوتاہے اس طرح سے وہ آداب بجالاتا۔ ہرامت کا طریقۂ کارمختلف ہوتاہے،ہندیوں کا الگ ہے ،ہندی ہاتھ جوڑ کر جھک جاتے ہیں ،جاپانی بالکل نیچے جھک جاتے ہیں ، مغربی سر سے ٹوپی اتارتے ہیں اور اسی طرح ہر ایک قوم کا آداب بجالانے کا اپناایک طریقہ ہے لیکن پاکستانی مسلمان جب مقدسات کاآداب بجالاتے ہیں توچہرے کے تین چار حصوں کومس کرتے ہیں۔ اب اس کے اندرکیامعنویت ہے ، اس کابھی اپناایک خاص مفہوم ہے۔ بہر کیف وہ گزرتے ہوئے کئی عمارتوں کے آداب بجا لاتے اورپھر مجھے کہتے کہ آپ یہ کام کیوں نہیں کرتے ؟میرے ذہن میں سوال تھاکہ ان سے پوچھوں کہ یہ کون سے متبرک مقاما ت ہیں جن کا اتنا احترا م بجالارہے ہو؟ چونکہ میں وہاں پہلی مرتبہ جارہاتھا وہاں کسی سے زیادہ آشنائی نہیں تھی۔

اس سے پہلے کہ میں ان سے پوچھتاکہ آپ یہ کام کیوں کررہے ہیں ؟انہوں نے پہل کرکے مجھ سے پوچھ لیاکہ آپ ان کا احترام کیوں نہیں بجالاتے؟تب میں نے ان سے پوچھا ان مقامات کے بارے میں مجھے کچھ بتائو تاکہ میں بھی ان کااحترام بجالائوں ،انہوں نے بتایا کہ یہ زیارتیں ہیں جو راستے میں بنی ہوئی ہیں اور ان کااحترام بجالانا ضروری ہے،اس کے بعد ہم نے بھی ویسے ہی احترام کرنا شروع کردیا جہاں وہ احترام کرتے وہاں پر ہم بھی کردیتے۔اب چند جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں پر ہم احترام بجالائے مگر انہوں نے یہ کام نہیں کیا،میں نے ان سے پوچھاکہ یہاں پر آپ نے کیوں نہیں کیا؟وہ کہنے لگے کہ یہ توکسی کی کوٹھی ہے،یہ زیارت نہیں ہے اگرچہ شکل اس کی بھی ایسے بنی ہوئی ہے لیکن یہ زیارت نہیں ہے۔اب ظاہر ہے کہ جس انسان کو پتہ نہ ہواوروہ اجنبی علاقے میں چلاجائے اورہر چیز کاظاہراسلام ہو تووہ ہرایک کااحترام بجالائے گا۔

# نام نہاد اسلامی مراکز سے دور رہنے کا حکم!

قرآن مجید نے اس موضوع کی طرف ہماری توجہ دلائی ہے کہ مسجدِ ضراربہت ہی مہم موضوع ہے چونکہ اسلام پر سخت ترین ضربیں نام نہاد اسلامی مراکز سے ہی لگ جاتی ہیں۔ منافقین کاگروہ جو اسلام کے نام پرہوتاہے وہی اسلام پر سب سے کاری ضرب لگاتاہے۔اس وقت شاید دشمنانِ دین نے تاریخ میں اتنامسلمانوں کانقصان نہیں کیاجتنا ان ضرا ر گروپوں ، حزبوں اور پارٹیوں نے کیاہے۔اگلی آیت میں رسول اللہ ﷺکویہ حکم ہے کہ

’’لاَتَقُمْ فِیہِ أَبَدًا۔۔۔‘‘

اے رسول !آپ نے اس مسجدمیں ہرگزقدم نہیں رکھنا، یعنی ابدی ممانعت ہے کہ کبھی بھی اس میں قدم نہ رکھنا۔جبکہ وہ رسول اللہ ﷺکویہ کہتے تھے کہ آپؐ آئیں ،اتحاد کامظاہرہ ہوگا،آپؐ ہمارے پاس آئیں اورہم آپؐ کے پاس،اس رفت و آمد سے لوگ بہت خوش ہوں گے کہ رسول ﷺاور ان کے پیروان سب ایک ہیں ،اتحا دکی خاطر آپ ہماری مسجد میں آئیں اورہم آپ کی مسجد میں آئیں گے لیکن خداوندتعالیٰ نے فرمایاکہ خبردار ! اس مسجدِ ضرار میں قدم نہیں رکھنا۔

# مسجد کی بنیاد تقویٰ پر ہونی چاہیے!

’’ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَی التَّقْوَی مِنْ أَوَّلِ یَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِیہِ۔۔۔‘‘

وہ مسجد جوتقویٰ کی بنیاد پر روزِ اول سے قائم ہوئی ہے وہ زیادہ سزاوارہے کہ اس کے اندر جاکر آپ عبادت کریں اور اس کو اپنا مرکز قرار دیں۔

’’۔۔۔فِیہِ رِجَالٌ یُحِبُّوْنَ أَنْ یَتَطَہَّرُوْا وَاﷲُ یُحِبُّ الْمُطَّہِّرِینَ (۱۰۸)

وہ مسجد جو تقویٰ کی بنیاد پر ہے اور جودین کی بنیاد پر ہے،آپؐ اس کو مرکز بنائیں اورجو ضرارہے اورجوناپاک نیت کی بناء پرمسلمانوں میں تفرقہ پھیلانے کیلئے بنائی گئی ہے اس میں قدم نہ رکھیں۔ یعنی اُس چینل، اس ویب سائیٹ اوراس کتاب کو اصلاً نہ کھولیں جو تفرقے کیلئے بنائی گئی ہو۔

یہ موضوع اس کی بنیادوں میں سے ایک ہے،مسجد کی تعمیر ہوئی اور وہ تعمیر تقویٰء الٰہی پر نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے رسول اللہ ﷺسے کہہ دیاگیاکہ آپؐ نے اس کے قریب نہیں جانااورآخر کار مسمار کردی گئی۔

# ایک عام سنّتِ الٰہی:

اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک عام قانون بیان فرمایاہے جوہر جگہ لاگوہے ،خواہ وہ کوئی مرکز بنایاجائے ،کوئی سیرت قائم کی جائے ،کوئی نظام بنایاجائے،کوئی معاشرہ بنایا جائے یاکوئی حزب بنائی جائے، ہر جگہ یہ قانون لاگو ہے۔یہ ایک عام قانون ہے، یعنی اس کے اندر کسی قسم کی قید نہیں ہے۔اہلِ علم کی اصطلاح میں یہ مطلق ہے،یعنی آزاد اور عمومی قانون ہے۔ سورہ مبارکہ ’’التوبۃ‘‘ آیت نمبر ۱۰۹اور۱۱۰ میں ہے کہ

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْیَانَہٗ عَلٰی تَقْویٰ مِنَ اﷲِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْیَانَہٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ ہَارٍ فَانْہَارَ بِہٖ فِی نَارِ جَہَنَّمَ وَاﷲُ لاَیَہْدِی الْقَوْمَ الظَّالِمِیْنَ (۱۰۹) لاَیَزَالُ بُنْیَانُہُمْ الَّذِیْ بَنَوْا رِیبَۃً فِی قُلُوبِہِمْ إِلاَّ أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُہُمْ وَاﷲُ عَلِیمٌ حَکِیمٌ (۱۱۰)

مسجدِ ضرار کا ماجرا بھی بہت اہم ہے اور وہ لوگ جو غلط راہوں پر چل کر نیک کام کرتے ہیں ان کے لئے مہم نہیں ہے، کہ مسجدِ ضرار ہو یامسجدِ نبوی ہو،انہوں نے بس نیک کام کرناہے۔اگریہ نیک لوگ رسول اللہ ﷺکے زمانے میں ہوتے اور آپؐمسجد گراتے تویہ سب آپؐ کے خلاف جلوس نکالتے کہ دیکھو آپؐنے مسجد کوشہیدکردیا ہے! یقینا یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہوجاتے،چونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو غلط راہو ں پر نیک کام کرنے کے عادی ہوچکے ہیں۔

# فاسق کے دربار میں نیکی:

یزید کے ساتھ رہ کر نیک کام کرنے والے امام حسینؑ پر اعتراض کرتے تھے کہ آپؑ نے قیام کیوں کیاہے؟ ہم نیک کام کررہے ہیں ،حج اداکر رہے ہیں ،نمازیں پڑھ رہے ہیں اوربہت ساری نیکیاں کررہے ہیں پھر آپؑ حالات کیوں خراب کررہے ہیں ؟ اسی طرح غلط راہوں پر نیک کام کرنے والے ہی امام خمینی ؒپر اعتراض کرتے تھے کہ ٹھیک ٹھا ک سسٹم چل رہاتھا ،ہر کام اچھے طریقے سے ہورہاتھا،کیوں خواہ مخواہ بیچ میں سے اٹھ کے شور ڈال دیاہے،چونکہ یہ لوگ شاہ کے ساتھ مل کر دربار میں نیک کام کرتے تھے،شاہی دربار میں افطار ہوتاتھاتوعلماء و غیر علماء سب شریک ہوتے تھے۔جیسے آج پاکستان میں امریکی سفیرتمام علماء کو بلاکر افطار دیتا ہے اورشیعہ سنی سب جاتے ہیں اورایک دوسرے کو وہاں پر روزے کے قبول ہونے کی دعابھی دیتے ہیں ،امریکی سفیر کوبھی کہتے ہیں کہ اللہ آپ کی دعوت کو قبول فرمائے،آپ نے یہ احسن قدم اٹھایا۔

قرآن مجید کہہ رہاہے کہ نیکی کے لئے جگہ بھی دیکھو،روزے کی افطار کی جگہ ضرارنہیں ہونی چاہیے ، تعلیم ایسے مدرسے سے حاصل کرو جو ضرار نہ ہو اورایسی مجلس میں جائو جو ضرارنہ ہو بلکہ پاک ہو۔یہ موضوع اپنی جگہ مہم ہے لیکن اس سے زیادہ اہم موضوع یہ مطلق قانو ن ہے۔

# دو بنیادوں میں موازنہ:

سورۂ توبہ آیت نمبر۱۰۹ میں ہے کہ

’’أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْیَانَہٗ۔۔۔‘‘

قرآن مجیددو کاموں میں تقابل و موازنہ کررہاہے۔أسَّسَ بنانے اور تعمیرکرنے کوکہتے ہیں ، مؤسس بنیاد رکھنے والے کو کہتے ہیں اساس بنیاد کوکہتے ہیں۔ اس آیت میں ’’ہ‘‘ کی ضمیر من کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی جو بھی اپنی بنیاد کھڑی کرے

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْیَانَہٗ عَلٰی تَقْویٰ مِنَ اﷲِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ۔۔۔

جو بھی اپنی بنیادتقویٰ اوررضائے خداکی بناء پر رکھے،یعنی جو بھی اپنی عمارت کی بنیادتقویٰ اور رضائے خدا وندتعالیٰ پر رکھے وہ بہتر ہے۔

۔۔۔أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْیَانَہٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ۔۔۔

یا وہ جواپنی عمارت کی بنیادکنارے پر رکھے! یعنی اس کنارے پر رکھے جو گررہاہے، اگراس کامنظر دیکھناہے تو دریائوں کے کنارے پر ہوتا ہے کہ دریا کناروں کو مسلسل کاٹتا ہے، یعنی وہ ایسی جگہ عمارت بنا رہا ہے جو مسلسل کٹ کٹ کے گر رہی ہے ،اب یہ زمین جب گرے گی تویہ زمین کہاں جائے گی ؟

۔۔۔عَلٰی شَفَا جُرُفٍ ہَارٍ فَانْہَارَ بِہٖ فِی نَارِ جَہَنَّمَ۔ ۔۔

یہ دریا جو زمین کاٹ کے لے کے جارہاہے،اس کے اوپر اس نے عمارت بنائی ہے اورجب یہ گرے گی تو عمارت بھی ساتھ جائے گی۔یعنی جب یہ گرے گی تو جہنم میں جائے گا،یہ تباہی اورہلاکت میں چلاجائے گا۔

’’۔۔۔وَاﷲُ لاَیَہْدِی الْقَوْمَ الظَّالِمِیْنَ (۱۰۹)

اورخداوندتعالیٰ نے یہ بتادیا کہ خداظالمین کی ہدایت نہیں کرتا۔

اب یہ ایک موازنہ ہے کہ دوقسم کی تعمیر کاذکرہے ، جو اپنی بنیادتقویٰ اور رضائے الٰہی پر بناتاہے وہ بہترہے؟ یاجواپنی عمارت کی بنیاد ایسی زمین پر بناتا ہے جو ناہموار اور مسلسل پھسل رہی ہے وہ بہترہے ؟یعنی وہ جو بننے سے پہلے ہی گرجائے گی اور وہ جہنم میں چلی جائے گی وہ بہتر ہے ؟ یا وہ جو تقویٰ کی بنیاد پر ہے وہ بہتر ہے؟اب ہم اس کیلئے تین مصداق فرض کرسکتے ہیں اگرچہ تین سے زیادہ بھی ہیں۔

# پہلا مصداق:

## کسی ادارے یا نظام کی بنیاد:

ایک وہ جو اپنے عمل کی بنیادبناتاہے جس طرح آیت کے اندر بھی یہی مثال آرہی ہے۔ایک عمل انجام دیتاہے، جیسے مسجد یامدرسہ بناتاہے لیکن اس کی بنیاد تقویٰ پر نہیں رکھتا اور اس کی بنیادالٰہی آئیڈیالوجی نہیں ہے۔آج دنیا میں جتنے بھی دینی مراکزبنے ہوئے ہیں وہ مختلف نیتوں سے بنے ہوئے ہیں ،کچھ ایسے ہیں جو ضدمیں بنے ہیں چونکہ انہوں نے بنایاہے لہٰذا ہم بھی بنائیں گے،کتنی ایسی مساجد اور مراکز ہیں جو ایک دوسرے کی ضد میں بنے ہوئے ہیں۔ جیسے پورا گروپ ایک ہی مسجدمیں نمازتو پڑھتاتھالیکن ان میں سے ایک گروہ الگ مزاج رکھتاہے اور دوسرا گروہ کچھ اورمزاج رکھتا ہے، لہٰذا انھوں نے اپنی الگ الگ انجمنیں بنائی ہیں ،جبکہ دونوں شیعہ ہیں لیکن اب ایک دوسرے کی ضدمیں آکر بنارہے ہیں۔

## انانیت و ضد کی بنیاد پر د ینی مراکز کا قیام

جو مراکز ضدمیں آکر بناتے ہیں ان کی بنیاد تقویٰ اورآئیڈیالوجی پرنہیں ہے اوریہ دین کی ترویج کے لئے نہیں ہیں بلکہ وہ اپنی انا کے لئے ہیں۔ اسی پاکستان کی سر زمین پر ایک ایسا مدرسہ موجودہے جس کو دویا چندآدمیوں نے مل کر شروع کیا بعد میں ان میں کسی وجہ سے اختلاف ہوا،ایک نے مدرسہ چھوڑ دیا اور جا کر اس کی ضد میں دوسرامدرسہ بنایاکہ میں نے اُس کے مدرسے کو نیچا دکھاناہے۔ ایسا ہوتا ہے مدرسے کے مقابلے میں مدرسہ،مسجد کے مقابلے میں مسجد اوراما م بارگاہ کے مقابلے میں امام بارگاہ بناتے ہیں۔

بالفرض ایک آبادی میں سو شیعہ افرادرہتے ہیں ،اب وہاں پر سو افراد کے لئے ایک ہی امام بارگاہ کافی ہے لیکن اسی گائوں میں اگر پانچ چھ امام بارگاہیں موجودہوں تو معلوم ہوگا کہ یہ سب کچھ ضد میں ہواہے،ایک گروہ کو ذاکر پسندہے اور دوسرے گروہ کو علماء ،بعض کو شہادتِ ثالثہ والے پسندہیں اور بعض فقط دو شہادت والوں کو پسند کرتے ہیں ،اب بیچ میں دین کدھرجائے گا َ؟جبکہ یہ تو دینی مرکز تھا،امام بارگاہ دینی مرکز ہے لیکن چونکہ اس کی بنیادتقویٰ نہیں ہے ،لہٰذاان سے کبھی بھی دین نہیں پھیلے گا بلکہ ان سے فقط تضاد اور دشمنی پھیلے گی۔

# دوسرا مصداق:

## شخصیت کی بنیاد:

دوسرا مصداق جوا س سے برتر مصداق ہے وہ انسان کی اپنی شخصیت کی بنیاد ہے۔ چونکہ ہم میں سے ہر ایک کی اپنی ایک شخصیت ہے جوہم نے خود سے بنانی ہے،شخصیت اللہ نہیں بناتا بلکہ شخصیت کامعمارخود انسان ہے۔خداوندتعالیٰ نے ہماری روح بنادی،ہماراجسم بنادیااور باقی سارے کام ہمار ے حوالے کردیے کہ یہ آپ نے خود بنانے ہیں ، یعنی شخصیت سازی ہمارا اپنا کام ہے۔

شخصیت سے مراد وہ صفات ہیں جو آپ کی شناخت بنیں گی اورجو آپ کا حقیقی روپ بنے گا،الحمدللہ ہم میں سے ہر ایک کی شخصیت بنی ہوئی ہے،ہم نے اس کی طرف توجہ ہی نہیں کی ہے کہ یہ کیسے بن گئی اور یہ بہت ہی خطرناک تصویرہے۔ہم آئینہ دیکھتے ہیں لیکن آئینہ ہمیں ہماری شخصیت نہیں دکھاتا بلکہ صر ف ہمیں ا پنی جلد دکھاتاہے لہٰذاہم چمڑی کے د ھوکے میں آجاتے ہیں ،جبکہ ہم نے چمڑی کے دھوکے میں نہیں آنا چونکہ چمڑی شخصیت کی عکاس و ترجمان نہیں ہوتی،کتنی خوبصورت جلدوں اور چمڑیوں کے نیچے خوفناک شخصیات موجودہوتی ہیں اورکتنی نامرغوب جلدوں کے پیچھے بہت ہی حسین شخصیات موجود ہوتی ہیں۔

## معیاری و غیر معیاری شخصیت کی بنیاد

شخصیت سازی ایک اہم ذمہ داری ہے اور ہدایت کاایک حصہ اس شعبے کے متعلق ہے،انسا ن کو مواددیاگیاہے تاکہ وہ اپنی شخصیت کی بنیاد رکھے۔ نظریہ ،اعتقاد،ایمان ،عملِ صالح،اخلاق ،اقدار، عادتیں اورصفات ،یہ سب انسان کی شخصیت کے حصے ہیں۔ اس وقت ہمار ی شخصیت ایک کلچر نے بنائی ہے اورکلچر کے پاس جومیٹریل ہے وہ کوئی اعلیٰ مواد نہیں ہے،کلچر جس دوکان سے میٹریل خریدتاہے وہ رسومات ،خرافات اور عادات ہیں۔ پس ہماری شخصیت عادتوں سے بنی ہوئی ہے،ہم عادتوں کے مرکب ہیں اورعادتیں ہی ہماری شناخت ہیں۔ جیسے ہمیں کسی چیز سے جانا جاتاہے ؟کہتے ہیں کہ وہ آدمی جو بات بات پہ گالی دیتاہے،جس کی عادت گالی دیناہے،یہ شناخت ہے!یا جیسے کہتے ہیں کہ وہ فلاں گستاخ ،ہٹ دھرم اورزبان دراز آدمی۔یہ عادتیں ہماری شناخت بنی ہوئی ہیں۔ پس عادتیں بھی انسان کی شخصیت بناتی ہیں او ر اقدار، اخلاقی صفات اور ملکاتِ حسنہ بھی انسان کی شخصیت بناتی ہیں۔

## تقویٰ ،شخصیت سازی کا دینی مواد:

شخصیت سازی کیلئے دین بھی مواد رکھتاہے اورکلچر بھی مواد رکھتاہے۔ ابھی ہماری شخصیات کلچرل ہیں ،یعنی ہمارے وجود کی عمارت گھٹیامیٹریل سے بنی ہوئی ہے چونکہ ہمارے والدین دین کی مارکیٹ میں کبھی گئے ہی نہیں ،ان کی رسائی کلچر تک ہی ہوتی تھی،چونکہ خود بھی کلچرل تھے،لہٰذاہمیں بھی کلچرل بنایا،یعنی ہمیں بھی رسوماتی،خرافاتی اورعادات پر مشتمل شخصیت کا مالک انسان بنایا۔جبکہ دین انسان کوایک الگ شخصیت بناتاہے اورتقویٰ جس کانام اس آیت کے اندر رکھاگیاہے کہ تقویٰ بھی اس سارے مواد کا عنوان ہے جسے ہم دینی آئیڈیالوجی کہتے ہیں ،چونکہ آئیڈیالوجی خود ایک شخصیت بناتی ہے۔دینی آئیڈیالوجی یعنی تقویٰ ،پس تقویٰ کی بنیادپر بننے والی شخصیت بہترہے یا وہ شخصیت بہترہے جس نے اپنے آپ کوناپائیدار جہنم کے کنارے پر بنایاہے، جومسلسل کٹ رہاہے اور عنقریب اس میدان سمیت گرے گا اور جہنم کی طرف جائے گا؟یہ بھی ایک مصداق ہے۔

# تیسرا مصداق:

## سوسائٹی یا معاشرے کی بنیاد:

تیسرا مصداق جو مذکورہ دونوں مصادیق سے اہم ہے۔یعنی جس نے اپنی حیاتِ اجتماعی،اپنامعاشرہ ،اپنی سوسائٹی اور ایک امت کی بنیاد تقویٰ پر رکھی ہو۔جب امت کاڈھانچہ بن رہاتھا تو اس کے اندر اس نے تقویٰ کامواد استعمال کیا۔ وہ امت جس کی بنیاد میں تقویٰ ہو وہ بہتر ہے یا وہ پارٹی بہتر ہے جس کی بنیاد میں کوئی اور مواد ہو؟یعنی جس نے ایسی جگہ پارٹی کی بنیاد رکھی ہو جو ناپائیدار ہو اور جو عنقریب اپنے باسیوں سمیت گرنے والی ہے؟وہ بہتر ہے یا وہ امت بہتر ہے جس کی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی پر قائم ہوئی ہو؟ علامہ اقبالؒ کے بقول کہ

شاخِ نازک پہ بنا ہوا آشیاں

قرآن مجیدکے بقول ناپائیدار زمین پر بنی ہوئی امت وقوم کی عمارت جو عنقریب زوال پذیرہوجائے گی اورجب زوال پذیرہوگی تواب یوں نہیں کہ دوبارہ پھر اس کوکھڑاکیاجاسکتاہے بلکہ اس کے ساتھ ہی تباہی وہلاکت ہے اور اس کے بعدجہنم۔ پس قرآن مجید پہلے مرحلے میں موازنہ کرکے دوطریقے بتارہاہے۔ایک یہ کہ اگر تم نے اپنی حیات فردی یااجتماعی حیات کی بنیاد تقویٰ ورضوانِ خداپر قائم کی تویہ ایک انجام ہوگا اور دوّم یہ کہ اگرناپائیدار اساس پرآپ نے اس کی بنیاد قائم کی تویہ عمارت ہمیشہ کے لئے ناپائیدار رہے گی،اس کے اندر کبھی بھی ثبات ،سکون اوراطمینان نہیں آئے گا اوریہ مسلسل دریا کے کنارے کی طرح کٹتاہوا جہنم میں چلاجائے گااور اس کا یہ انجام ہے۔

# فردی و اجتماعی حیات کی دو بنیاد یں

پس حیاتِ اجتماعی اور حیاتِ فردی کی دو تصویریں ہیں ، یعنی تقویٰ اور رضائے الٰہی پر بنیاد قائم کرنا یا ناپائیداربنیاد رکھ کر ہلاک ہونا۔انسان کویہ بتادیاکہ یہ آپ کے اختیارمیں ہے کہ آپ جس اساس پر اپنی انفرادی واجتماعی شخصیت یا مساجد اور مدارس کی بنیاد بنانا چاہتے ہو بنالو، اگرچہ ان کے علاوہ بھی اس آیت کے مصادیق قابلِ فرض ہیں۔

# حیاتِ طیّبہ کا وعدہ:

قرآن مجید نے پھر آگے بڑھ کرتھوڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیاہے کہ توحیدی وایمانی آئیڈیالوجی کی اساس پر جومعاشرہ وجودمیں آتاہے اس کی شکل کیاہوتی ہے؟سورہِ نحل آیت ۹۷ میں اس کاایک اور مرحلہ ذکر ہواہے کہ

’’ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَکَرٍ أَوْ أُنثٰی وَہُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیَاۃً طَیِّبَۃً وَلَنَجْزِیَنَّہُمْ أَجْرَہُمْ بِأَحْسَنِ مَا کَانُوا یَعْمَلُونَ‘‘ (النحل، ۹۶)

یہ سنت ِ خداہے کہ جو ایمان کاراستہ اختیارکرے گا اُسے حیاتِ طیبہ عطا کریں گے۔اگرچہ بہت ساری آیات کے اندر ہے کہ انھیں جنت ملے گی، جس میں حوریں ہوں گی، ہر طرح کے درخت اور دودھ کی نہریں ہوں گی لیکن اس آیت میں ایک اور چیز بتائی جارہی ہے کہ

’’فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیَاۃً طَیِّبَۃً ‘‘

ہم انہیں ہدیۂ حیاتِ طیبہ عطاکریں گے جوکہ سب سے بڑا ہدیہ ہے۔پاکستانیوں کولشکرِ طیبہ ملاہے لیکن حیاتِ طیبہ کاابھی تک مزہ نہیں چکھا کہ حیاتِ طیبہ کیاہوتی ہے ؟حیاتِ طیبہ یعنی پاکیزہ زندگی عطا کریں گے یعنی وہی مدینۂ فاضلہ ملے گی۔

پہلے ذکر ہوا ہے کہ سننِ الٰہی خاص شرائط کے ساتھ ہے کہ اگر تم یہ شرائط ایجاد کرو گے تو تمہیں یہ نتائج نصیب ہوں گے،ان میں سے ایک یہ جملۂ شرطیہ ہے کہ تم میں جو بھی عملِ صالح اپنائے ہم اُسے ہدیہ کے طور پرحیاتِ طیبہ عطاکریں گے۔البتہ بعض نے اس کے لئے کوشش کی ہے کہ اس کوآخرت پہ جا کرمنتہی کردیں ،جبکہ ایسا نہیں ہے یہ موت سے پہلے کا ہدیہ ہے۔یعنی یہ قرآنی مدینۂ فاضلہ کا وعدہ ہے کہ ہم تمہیں حیاتِ طیبہ عطاکریں گے۔

’’۔۔۔ وَلَنَجْزِیَنَّہُمْ أَجْرَہُمْ بِأَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ‘‘

پھر عطف کے ساتھ کہا گیا ہے کہ ہم اس کا اخروی جزا ء بھی دیں گے۔یعنی حیات طیبہ کے ساتھ بونس میں اخروی جزاء بھی ملیگی۔

# حیاتِ طیّبہ یعنی مدینۂ فاضلہ:

قرآ ن مجید نے سورہ ء اعراف آیت نمبر ۵۸میں پھر اسی مدینہ ء فاضلہ اورحیاتِ طیبہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ

’’وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُہٗ بِإِذْنِ رَبِّہٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لاَیَخْرُجُ إِلاَّ نَکِدًا کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الْآیَاتِ لِقَوْمٍ یَشْکُرُوْنَ‘‘

قرآ ن مجید کہہ رہاہے کہ ہم مثال دے کر بات کرتے ہیں۔ بارہاکہا کہ قرآن مجید بہت ہی آسان ہے چونکہ قرآن میں اللہ کا فرماناہے کہ

’’لَقَدْ یَسرْنَا الْقُرْآن‘‘

ہم نے قرآن مجید کو آسان اورقابلِ فہم بنا دیاہے ،پھر تم نے خودہی اس کومشکل بنادیاہے۔جیسے ابھی اتنے قواعد وتجوید بنادیے ہیں کہ عام آدمی قرآن مجید کا تلفظ ہی ادا نہیں کر سکتاقرآن مجید پڑھنے کے لئے بھی اسے پانچ سال تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اپنا تلفظ درست کرسکے۔ اس کو تم نے خود مشکل بنالیاہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن مجیدکوبہت آسان بنایاتھا اور وہ اس لئے کہ قرآن مجید نے جتنے مطالب بیان کیے ہیں وہ کئی لہجوں میں بیان کیے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سب سے آسان کام جو کیاہے وہ یہ کہ آسان مثالیں دے کربیان کیاہے۔

# پاک اور خبیث زمین کی مثال:

اس آیت میں بھی ایک مثال ہے کہ

’’وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُہٗ بِإِذْنِ رَبِّہٖ۔ ۔۔(سورہ اعراف:۵۸)

اورپاک شہر ،پاک ملک یاپاک سوسائٹی جس میں اذنِ پروردگار سے ہر دم فصل اگتی ہے،

وَالَّذِیْ خَبُثَ لاَیَخْرُجُ إِلاَّ نَکِدًا۔۔۔

اور خبیث شہر، خبیث ملک یا خبیث معاشرہ جس میں بہت کم چیزنکلتی ہے۔ خبیث زمین سے جب کوئی چیز اگتی ہے توبہت کم اگتی ہے اور جتنی اگتی ہے وہ بھی بے فائدہ ہوتی ہے۔قرآن مجید نے یہ مثال اس لئے دی ہے تاکہ کسان، شہر، پڑھے لکھے اور ان پڑھ سب کو سمجھ میں آجائے کہ ایک وہ زمین جو ہموار ہے جس میں اذنِ خدا سے اعلیٰ قسم کی فصل اگتی ہے اور ایک وہ خبیث زمین ہے جس میں بہت کم مقدارمیں فصل اگتی ہے اور وہ بھی بے فائدہ ہوتی ہے۔ درحقیقت قرآن مجید یہ بتانا چاہتا ہے کہ ایک وہ معاشرہ ہے جس کی بنیاد میں تقویٰ اور رضائے الٰہی ہے جو مدینۂ فاضلہ ہے اور ایک وہ معاشرہ ہے جس کی بنیاد غیر الٰہی آئیڈیالوجی ہے ، وہ بلادِ خبیث ہے، جس میں دہشت گرداگتے ہیں۔

# کلمۃ طیبہ وشجرۂ طیّبہ:

سورۂ مبارکۂ ابراہیم آیت نمبر ۲۴ میں پھر اسی پہلے نکتے کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ پہلے وہی ہدایت کی باتیں ہیں کہ شیطانی راہ یہ ہے اور الٰہی را ہ یہ ہے،یہ دونوں راہیں بتاکرپھر اس کے بعد قرآن مجید نے آخرمیں یہ مثال پیش کی ہے:

’’ أَلَمْ تَرَی کَیْفَ ضَرَبَ اﷲُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً۔۔۔‘‘

کیانہیں دیکھتے کہ خداوندتعالیٰ نے کلمۂ طیبہ کی کیسی مثال دی اور کیاعمدہ ، واضح اور روشن مثا ل دی؟قرآن مجیدمیں کلمہ کا معنٰی بھی خاص ہے اور اس کے مصادیق معین ہیں ،اگرچہ کلمہ گفتگوکے لئے بھی استعما ل ہواہے،جبکہ موجوداتِ تکوینی اور اصولوں وسنن کے لئے بھی استعمال ہواہے۔پس کلمہ کے بہت سارے مصادیق ہیں۔ یہاں پر خدا وندتعالیٰ کا فرمانا ہے :

أَلَمْ تَرَی کَیْفَ ضَرَبَ اﷲُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ۔ ۔۔‘‘

کیاتم نے نہیں دیکھا کہ خدانے کیسی مثال دی ؟اور کیا خوبصورت بات بتائی ہے کہ کلمۂ طیبہ اور شجرۂ طیبہ’’پاک درخت‘‘ کی مثال دی ہے۔ اس شجرہ کی خصوصیت کیا ہے ؟

# انقلاب اسلامی ، شجرہ طیبہ کی بہترین مثال:

’’ أَصْلُہَا ثَابِتٌ وَفَرْعُہَا فِی السَّمَائِ‘‘

اصل یعنی بنیاد بہت پائیدار ہے اور اس کی شاخیں آسمانوں میں ہیں ،یعنی اس کی جڑیں زمین میں ثابت اور پائیدار ہیں اور اس کی شاخیں آسمانوں میں ہیں ۔ اس کی اور خوبی کیاہے؟

تُؤْتِی أُکُلَہَا کُلَّ حِینٍ بِإِذْنِ رَبِّہَا۔ ۔۔‘‘

یہ پائیدار، مستحکم اور استوارشجرۂ طیبہ اذنِ پروردگار سے اپنا پھل ہر دم اور ہر زمانے میں دے رہاہے،پورے عالم کے اوپرسایہ فگن ہے اور ہر دم اپناپھل عطاکررہاہے۔ آج کے دور میں اس کی مثال انقلابِ اسلامی ہے کہ وہ ہر لمحہ پوری دنیا کو پھل دے رہا ہے ، اسی طرح حوزاتِ علمیہ، جیسے حوزۂ علمیہ قم ، حوزۂ علمیہ نجف اور دیگر علمی مراکز بھی اس کی مثالیں ہیں اور اس طرح کے اور مصادیق و مثالیں بھی بنائی جا سکتی ہیں ۔

’’۔۔۔وَیَضْرِبُ اﷲُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّہُمْ یَتَذَکَّرُونَ (ابراہیم۔۲۵)

اور خداوندتعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں دیتاہے کہ شاید لوگ اب سمجھ جائیں !

معاشرتی زندگی کی دو حالتیں

اس کے بعد قرآن مجید پھر شجرۂ خبیثہ کی مثال دیتا ہے کہ

وَمَثَلُ کَلِمَۃٍ خَبِیثَۃٍ کَشَجَرَۃٍ خَبِیثَۃٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَہَا مِنْ قَرَارٍ (ابراہیم۔۲۶)

شجرئہ خبیثہ کی مثال یہ کیاہے کہ وہ زمین میں گہرانہیں ہوتا ،اس کی بنیادیں محکم ،ثابت اورپائیدار نہیں ہوتیں اوریہ شجرہ زمین کی اوپر والی تہہ سے ہی باہر نکل آتاہے۔جس کوکوئی قرار ، استقرار اور استحکام حاصل نہیں ہے بلکہ ایک ہوا کے جھونکے سے ہی اکھڑ جاتاہے۔

اس کیلئے وضاحت اور قرینہ موجودہے کہ اس سے مراد انسان کی اجتماعی حیات ہے۔انسان کی معاشرتی زندگی یا شجرۂ طیبہ کی مانند ہے یاپھر شجرۂ خبیثہ کی مانند۔ اگر استوار ،محکم اور پائیداربنیادوں پر ہو تویہ شجرۂ طیبہ ہے اورہمیشہ آباد ہے لیکن اگر اس کی بنیاد ان بنیادوں پر نہ ہو تویہ شجرۂ خبیثہ کی طر ح ہے۔شجرہِ خبیثہ کی علامت یہ ہے کہ یہ ناپائیدار ہے اور اس کو قرار حاصل نہیں ہے۔

# ایمانی معاشرہ نا قابل شکست:

قرآن مجیدکی اگلی آیت میں بیان ہواہے کہ

’’ یُثَبِّتُ اﷲُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْآخِرَۃِ۔ ۔۔‘‘

جولوگ ایمان لائے ہیں ،جنہوں نے اپنی بنیاد ایمان پر رکھی ہے،انہیں خداوندتعالیٰ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ثبات عطاکرتاہے، یعنی ثباتِ قدم،استحکام اورپائیداری عطاکرتاہے۔ اب اس وضاحت سے ثابت ہوا کہ مرنے سے پہلے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اجر ملتا ہے۔ بعض جگہ پرہے کہ

’’۔۔۔کَأَنَّہُمْ بُنیَانٌ مَرْصُوصٌ‘‘ (صف۔۴)

وہ معاشرہ جوسنتِ الٰہی کے مطابق اورتوحیدی آئیڈیالوجی کی بنیاد پر قائم ہوا ہوناقابل تسخیر و ناقابل شکست ہے لیکن وہ ناپائیدارمعاشرہ ہو ،جس کی بنیادمیں یہ نہ ہو،اس کوکوئی ثبات نہیں ہے بلکہ ایک ہوا کاجھونکا بھی اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔ آج حیاتِ دنیوی میں ہمارے قدم اکھڑے ہوئے ہیں اوراس میں پائیداری نہیں ہے۔ کیوں کہ یہی توسنتِ خداہے !

مومنین کیلئے دنیا وآخرت میں ثبات

’’۔۔۔ وَلاَتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْہَبَ رِیحُکُمْ۔ ۔۔‘‘ (الانفال۔۴۶)

تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تمہاری عزت جاتی رہے گی۔ جبکہ ہم نے ذہن میں ایک غلط تصویررکھی ہوئی ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل یہ سمجھتے تھے کہ ہم اللہ کے لاڈلے ہیں لہٰذاہم جو چاہے کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اللہ کا کوئی لاڈلانہیں ہے ،اللہ نے قوانین بنائے ہیں اور تمہارا بھی ان قوانین کے اوپرانجام ہوگا،بنی اسرائیل کے بعد اب ہم خود کو اللہ کے لاڈلے سمجھتے ہیں ۔ لیکن ہم غلط چلیں گے اورناپائیدار زندگی بنائیں گے تو ہمارا انجام بھی اسی قانون کے مطابق ہوگا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کافرماناہے کہ میں دنیا میں مومنین کو ثبات عطاکروں گا اورثباتِ دنیوی دلیل و علامت ہے کہ آخرت میں بھی ان کو ثبات عطا ہوگا، ابھی دنیا میں توہمارا سب کچھ اکھڑاہواہے ،قدم اکھڑے ہوئے ہیں ،سانس اکھڑی ہوئی ہے اورعزت وآبرو چلی گئی ہے پھر کس طرح ہم آخرت کی تمنا لے کر بیٹھے ہوئے ہیں کہ جنت میں پہنچ جا ئیں گے!

’’۔۔۔وَیُضِلُّ اﷲُ الظَّالِمِیْنَ وَیَفْعَلُ اﷲُ مَا یَشَائُ‘‘(ابراہیم۔۲۷)

او رخدا ظالمین کو گمراہ کرتاہے۔۔

# قوانینِ خدا کے مطابق انجام:

نتیجہ یہ نکلا کہ خدا وند تبارک وتعالیٰ نے انسان کی اجتماعی حیات کیلئے سنتیں مقرر کی ہیں کہ اگر ایک نظام یا ایک معاشرہ تقویٰ اور رضائے الٰہی کی بنیاد پر قائم ہوگا تو پائیدارمعاشرہ بنے گا اور اگر ایسا نہ ہوتوپھراُس صورت میں یہ ناپائیدار معاشرہ ہوگا اور معمولی حوادث بھی اس کو جڑسے اکھاڑ پھینکیں گے چونکہ اس کے اندرکوئی پائیداری نہیں ہے یہ سنت ِ خدا ہے اور سنتِ خدا ہمیشہ ثابت ہے۔

’’۔۔۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اﷲِ تَبْدِیلًا‘‘ (الاحزاب۔۶۲)

بے شک اپنے لئے حوالے دو کہ ہم بڑی لاڈلی اور استثنائی قوم ہیں اورخاص قسم کے لوگ ہیں ، سنتِ خدا یہ ہے کہ کسی کو استثناء حاصل نہیں ہے۔

71\_02\_HIKMAT-E-ALI\_FINAL

حکمت ۳۱؍حصہ ۱۔ ارکان کفر

# ایمان کے چار ستون:

امیرالمومنین ؑ نے نہج البلاغہ حکمت ۳۰ کے پہلے حصے میں ایمان کے ارکان بیان کئے ہیں کہ ایمان کے چار رکن ہیں۔ ایمان کا پہلا رکن صبر، دوسرا یقین، تیسرا عدل اور چوتھا جہاد ہے اور اسکی تشریح و تفسیر میں پھر ان میں سے ہر رکن کے چار چار شعبے بیان فرمائے ہیں۔

جس انسان کے اندر صبر کے چار شعبے وجود میں آئیں تو اُسکے اندر ایمان کا پہلا رکن قائم ہوجاتا ہے، اگر یقین کے بھی چار شعبے وجود میں آئیں تو اسکے اندر ایمان کا دوسرا رکن قائم ہوجاتا ہے، پھر اسکے اندر عدالت کے بھی چار شعبے وجود میں آئیں تو ایمان کا تیسرا رکن قائم ہوجاتا ہے اور اسی طرح اگر جہاد کے چار شعبے بھی قائم ہوجائیں تو اسکے اندر ایمان کا چوتھا رکن قائم ہوجاتا ہے اور ایمان ایک ایسی حقیقت ہے جو اِن مضبوط ستونوں پر قائم ہے۔

# ستونوں کے بغیر سست ایمان :

اگر ایمان کو مذکورہ مضبوط ستون میسر نہ آئیں ، یعنی کسی شخص کی زندگی یا کسی قوم و ملت کے اندر یہ چار مضبوط ستون پیدا نہ ہوں تو اس میں کبھی ایمان قائم نہیں ہوسکتا، اس صورت میں ایمان کی بنیاد سست ہوگی اور سست بنیاد معمولی حادثات سے ہی منہدم ہوجاتی ہے اور جب کسی چیز کی بنیاد منہدم ہوجائے تو اس پر بنی ہوئی عمارت بھی منہدم ہوجاتی ہے۔

آئے دن ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ بظاہر ایمان کے دائرے میں تو آجاتے ہیں لیکن معمولی سا حادثہ انکو ایمان سے باہر لے جاتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انکے ایمان کی بنیاد مضبوط نہیں ہوتی بلکہ بہت ہی سست اور کمزور ہوتی ہے۔ یہ اس حکمت کا پہلا حصہ ہے۔

# کفر کے چار ارکان:

اس حکمت کے دوسرے حصے میں امیرالمومنین ؑ نے کفر کے بھی چار ارکان بیان فرمائے ہیں کہ ایمان کے مقابلے میں کفر ہے اور کفر کے بھی چار ارکان ہیں۔ کفر کا پہلا رکن تعمق، دوسرا تنازع، تیسرا زیغ اور چوتھا شقاق ہے۔

یعنی کفر بھی چار ستونوں کے اوپر قائم ہے، اگر کسی قوم و ملت یا کسی شخص کے دل، روح اور زندگی کے اندر یہ چار ستون قائم ہوجائیں تو اسکے اندر کفر پیدا ہوجائیگا اور وہ کفر ان ستونوں کے اوپر استوار ہوگا اور یہ ستون جتنے انسان کے اندر راسخ ہونگے انسان بھی کفر کے اندر اتنا ہی راسخ ہوگا۔

# کمزور ایمان کی علامات:

سست بنیاد پر قائم ہونیوالے ایمان اور قوی بنیادوں پر قائم ہونیوالے ایمان کے بارے میں متعدد آیات اور روایات موجود ہیں ، از جملہ سید الشہداءؑ کا کلامِ نورانی جو آپؑ نے اس موقع پر بیان فرمایا کہ جب جنابِ حُر، عبیداللہ کے حکم پر ایک ہزار سپاہ کا دستہ لیکر آپ ؑکا راستہ روکنے کیلئے آئے اور میدانِ کربلا سے باہر ایک منزل پر آکر اس نے کوشش کی کہ آپ ؑکو وہیں پر اُس وقت تک روکے جب تک عبیداللہ کی طرف سے دوسرا حکم نہیں آتا۔ اس موقع پر امام حسین ؑ نے حُر کی اس حرکت کے جواب میں خطبہ بیان فرمایا، جسکے چند جملے یہ ہیں کہ

’’ان الدنیا قد تغیرت و تنکرت و أدبر معروفھا‘‘ (بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۱۱۶، باب ۲۰)

دنیا الٹی ہوگئی ہے اور اس سے معروف نکل گیا ہے۔

’’و لم یبق منھا الا صبابۃ کصبابۃ الاناء‘‘

معروف، خیر، بھلائی، نیکی اور اقدار اس الٹی دنیا کے اندر اس مقدار میں رہ گئی ہیں جتنا کہ الٹے برتن کی تہہ میں تری رہ جاتی ہے اور دوسری تشبیہ یہ بیان فرمائی کہ

’’و خسیس عیش کالمرعی الوبیل‘‘

اور اس دنیا کے اندر اقدار اور ویلیوز اس طرح رہ گئی ہیں کہ جس طرح ایک روندی ہوئی چراگاہ کے اندر سبزہ بھوسے میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ آپ ؑ نے فرمایا کہ یہ دنیا جسکے اندر ہم ہیں اور اُس زمانے میں جو دنیا تھی، جسکی زمام ظالموں کے اختیار میں تھی اور اسی نظامِ ظلم کا نتیجہ کہ یزید جیسے ناسور کا برسرِ اقتدار آنا تھا۔ اسی خطبے کے اندر آپؑ کا فرمانا ہے کہ

’’ألا ترون الی الحق لا یعمل بہ و الی الباطل لا یتناہی عنہ‘‘

اس طرح سے دنیا الٹی ہوگئی ہے کہ ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے حق پائمال ہوتا ہے اور باطل سے کوئی نہیں رکتا، یہ کوئی ردِعمل نہیں دکھاتے۔

’’لیرغب المومن فی لقاء اللہ‘‘

جبکہ یہ وہ موقع ہے کہ جب ایک مومن اس درد و رنج میں اتنا آگے جائے کہ شہادت کی حد تک آگے بڑھ جائے۔

# لوگ دنیا کے بندے ہیں !

آخر میں آپؑ نے یہ جملہ بھی بیان فرمایا کہ

’’الناس عبید الدنیا‘‘

لوگ دنیا کے بندے ہیں ، یعنی لوگ زبان سے تو خداوند تعالیٰ کے بندے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً دنیا کے بندے ہیں۔

’’و الدین لعق علی ألسنتھم‘‘

اور دین انکی زبانوں پر چڑھا ہوا ایک ذائقہ ہے۔

’’یحوطونہ ما درت معایشھم‘‘

جب تک دین کے ذریعے سے انکی معیشت پوری ہوتی رہتی ہے اور انکا نظامِ معیشت چلتا ہے اس وقت تک یہ دین کا مزہ اپنی زبان پر رکھتے ہیں اور اسے ہلاتے رہتے ہیں۔

’’فاذا محصوا بالبلاء قل الدیانون‘‘

لیکن جب امتحانوں کا وقت آتا ہے اور یہ امتحانوں اور آزمائشوں میں ڈالے جاتے ہیں تو دیندار بہت کم رہ جاتے ہیں۔ ایسا اسلئے ہوتا ہے کہ

’’الناس عبید الدنیا‘‘

چونکہ وہ دنیا کے بندے ہیں۔ انکی زبانوں پر تو دین ہوتا ہے لیکن آزمائشوں کے وقت دین کے دائرے سے باہر چلے جاتے ہیں۔

# اصلی مومن کی علامت:

مومن وہ ہے جو امتحانوں اور آزمائشوں کے دوران بھی دیندار رہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب دین زبان سے ذرا نیچے دل و روح میں چلا جائے اور انسان کے ایمان کے اندر راسخ ہوجائے۔ آزمائشوں میں یہ ایمان نہ انسان سے دور ہوتا ہے اور نہ انسان اس ایمان سے دور ہوتا ہے۔ یہ وہ ایمان ہے جسے آندھیاں اور طوفان بھی نہیں ہلاسکتیں اور وہ اسلئے کہ اسکے ستون بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ امیرالمومنین ؑ کے فرمانِ نورانی کے مطابق جب ایک مومن ان چار ستونوں پر اپنے ایمان کو قائم کرلیتا ہے تو پھر پہاڑ اپنی جگہ سے ہل سکتا ہے مگر یہ انسان نہیں ہلتا۔

# ایمان کے مقابلے میں کفر،فسق اور فجور:

قرآن مجید میں ایمان کے مقابلے میں چند حالتیں بیان کی گئی ہیں کہ ایمان کے مقابلے میں ایک حالت کفر ہے، دوسری حالت فسق اور تیسری حالت فجور ہے۔ البتہ ان سے زیادہ بھی ہیں لیکن یہ تین حالتیں ہیں جو نہج البلاغہ میں بھی بیان کی گئی ہیں کہ اگر انسان اپنے اندر ایمان کے ستون قائم کرلے تو یہ مومن کہلاتا ہے اور اگر ایمان کے ستون اپنے وجود کے اندر قائم نہ کرسکے اور اسکے اندر ایمان مضبوط نہ ہو تو پھر اسکی تین حالتیں ہوسکتی ہیں کہ یا یہ کافر ہوجائیگا یا فاسق ہوگا یا فاجر۔ البتہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسان کے اندر ایک ہی وقت میں یہ تینوں حالتیں اکٹھی ہوں۔

قرآن مجید نے ایسے ہی بیان کیا ہے کہ بعض جگہ پر کفار کو فاسق کہا ہے، بعض جگہ پر ظالموں کو فاسق کہا ہے، بعض جگہ پر فاسقوں کو ظالم کہا ہے یا بعض جگہ فساق کو کفار کہا ہے۔ پس یہ تینوں حالتیں اکٹھی بھی ہوسکتی ہیں لیکن قرآن مجید میں ایمان کے مقابلے میں عموماً تین حالتیں ذکر کی جاتی ہیں ، لہٰذا مومن کا موازنہ و تقابل جب کیا جاتا ہے تو ان تین حالتوں کو بیان کرکے موازنہ کیا جاتا ہے۔

# مومن کا فاسق و فاجر سے تقابل :

قرآن مجید میں صراحت کیساتھ مومن کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ

’’اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا…‘‘ (سورہ السجدۃ، آیت ۱۸)

مومن فاسق کی مانند نہیں ہے اور یہ اس وجہ سے صراحت کرنا پڑی چونکہ ہمارے اندر اس قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہوجاتی ہیں کہ ہم عملاً مومن اور فاسق و فاجر میں کوئی فرق نہیں رکھتے، دونوں کیساتھ ایک جیسی ڈیل (Deal) اور ایک جیسا رویہ رکھتے ہیں اور ایک جیسے تعلقات رکھتے ہیں بلکہ بعض اوقات اپنے رویوں اور تعلقات کے اندر فاسقوں اور فاجروں کو مومنوں پر ترجیح دیتے ہیں جبکہ قرآن مجید فرما رہا ہے کہ مومن فاسق اور فاجر سے برتر ہے۔ کسی جگہ پر بھی آپ کافر، فاسق اور فاجر کو مومن پر ترجیح نہیں دے سکتے۔

# فسق و فجور میں فرق:

فسق و فجور دو الگ حالتیں ہیں لیکن یہ دونوں فردِ واحد میں اکٹھی ہوسکتی ہیں۔ انسان کسی خاص کام کی وجہ سے فاجر بنتا ہے اور فاسق کسی اور کام کی وجہ سے بنتا ہے۔ جس کام کے نتیجے میں انسان فاجر ہوتا ہے، اسی کی وجہ سے فاسق نہیں ہوتا بلکہ فاسق ہونے کا سبب کچھ اور ہے۔

# فاجر کا لغوی معنی:

فجر عربی زبان میں پھاڑنے اور پھٹنے کو کہتے ہیں ، جیسے کاغذ پھاڑنا فجر کہلاتا ہے البتہ ہر کاغذ پھاڑنا فجر نہیں کہلاتا بلکہ وہ کاغذ جس میں کچھ لپٹا ہوا ہو، ایسی تہہ کو پھاڑنا جسکے اندر کچھ لپٹا ہوا ہو، جیسے پانی کی تہہ ہے اور پانی کے نیچے کچھ ہے اور آپ نے پانی کو اوپر سے ہٹایا تاکہ پانی کے نیچے جو چیز موجود ہے وہ آپکو مل جائے تو اسی کو فجر کہتے ہیں۔ یعنی ایک ایسی تہہ بنی ہوئی ہو جسکے نیچے کچھ اور موجود ہو، اس دوسری چیز تک پہنچنے کیلئے اوپر کی تہہ کو پھاڑنا فجر کہلاتا ہے اور اسی مناسبت سے صبح جب طلوع ہوتی ہے تو اسکو فجر کہتے ہیں۔

# طلوع فجر:

مطلع الفجر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ زمین کے افق کے اوپر ظلمت و تاریکی کا ایک پردہ چھایا ہوتا ہے لیکن جب سورج طلوع ہونے لگتا ہے تو یہ پردہ پھٹ جاتا ہے، البتہ یہ زمین کی حرکت کی وجہ سے ہے لیکن ہمیں ایسا نظر آتا ہے کہ سورج حرکت کرکے طلوع ہورہا ہے، اگرچہ حقیقت میں زمین ہے جو سورج کے گرد چکر لگا رہی ہے لیکن ہمیں ایسے لگتا ہے کہ سورج ہے جو نکل رہا ہے اور ڈوب رہا ہے، سورج جب مطلع سے نکلتا ہے تو یہ ناگہان نہیں آجاتا بلکہ آہستہ آہستہ اس نکتے کی طرف بڑھتا ہے۔ پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ روشنی کا ایک ستون صبح کے وقت افق پر نمودار ہوتا ہے اور پردۂ ظلمت کو پھاڑ دیتا ہے اور یہ ایک ستون کی طرح ورٹیکل شعاع میں اوپر کی طرف آتا ہے اسکو صبحِ کاذب کہتے ہیں۔ یعنی یہ فجر ہوگئی ہے لیکن حقیقی فجر نہیں ہوئی چونکہ یہ نور ابھی ستون کی صورت میں آسمان کی طرف بڑھ رہا ہے، اسکے بعد پھر یہ شعاع آہستہ آہستہ افق پر پھیل جاتی ہے اور جب افق پر پھیل جاتی ہے تو اسکو صبحِ صادق کہتے ہیں اور وہ بیداری، اذان اور نماز کا وقت ہوتا ہے۔

# تاریکی سے نور کا سفر:

کٹی ہے رات تو ہنگامہ گستری میں تری

سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی

شب تو ساری ہنگامہ گستری میں بسر ہوجاتی ہے، یہ اللہ کو یاد کرنے کا وقت ہوتا ہے، لہٰذا انسان اٹھے اور خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوجائے چونکہ فجر ہوچکی ہے یعنی ظلمت پھٹ گئی ہے، تم بھی اٹھو تاکہ تیرے دل میں بھی یہی کام ہوجائے، یعنی جو افق پر ہورہا ہے اور زمین کی تاریکی ایک نور کے ذریعے سے ختم ہورہی ہے، تیرے دل کے اندر موجود تاریکی بھی اس نورِ عبادت کی وجہ سے ختم ہوجائے۔

# اوقات کی حکمتیں :

عبادات کیلئے جو اوقات مقرر کیے گئے ہیں انکی حکمت ہے، ہر عبادت کا ایک وقت ہے، روزے کا ایک وقت ہے، حج کا ایک وقت ہے اور نماز کا اپنا ایک وقت ہے، ان اوقات کے اندر ایک حکمت ہے اسی طرح فجر کی بھی ایک حکمت ہے۔ ہمیں بہت ساری حکمتوں کے بارے میں علم نہیں ہے بلکہ سب ہی معلوم نہیں ہیں۔ ہمیں سب چیزوں کی حکمت معلوم نہیں لیکن اتنا ضرور یقین ہے کہ جو حکم شریعت کا مقرر ہوتا ہے اسکے اندر کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے اور وہ حکمت بھی انفرادی نہیں ہوتی بلکہ اس حکمت میں سب کی مصلحت کو نظر میں رکھا جاتا ہے، اب جو جاگا ہے اور جو نہیں جاگا، سب کو دیکھا جاتا ہے کہ یہ فجر کا موقع ہے یعنی اس وقت ظلمتوں اور تاریکیوں کے پھٹنے کا وقت ہے اور نور کے طلوع ہونے کا وقت ہے اسی وقت کیلئے کہا گیا ہے کہ ’’بین الطلوعین‘‘ یعنی فجر سے لیکر سورج کے طلوع ہونے کے درمیان۔

# رزق پانے کے اوقات:

روایات میں کہا گیا ہے کہ یہ اوقات رزق کے تقسیم ہونے کے اوقات ہیں۔ اب اسکے کیا معانی ہیں ؟ یقینا انکی کوئی حکمت ہے علماء جانتے ہیں لیکن یہ تعبیریں انکے اندر موجود ہیں ، اگرچہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت کے اندر کوئی رزق نہیں ہے چونکہ مارکیٹ گیارہ بجے کھلتی ہے اور اگر گیارہ بجے اٹھ کر مارکیٹ میں جائیں تو رزق اس وقت ہی انسان کو ملتا ہے لیکن ہم جب رزق کا نام سنتے ہیں تو ہمارے ذہن میں نوٹ اور غلہ ہی آتا ہے۔ اس سے آگے ہم کسی چیز کو رزق سمجھتے ہی نہیں ہیں جبکہ خداوند تبارک وتعالیٰ کا فرمانا ہے کہ رزق سے مراد ہر وہ عطیۂ خدا ہے جو تیری بقاء کیلئے ضروری ہے۔

جب رزق کی بات آئے تو فوراً ہمارا ذہن غلے اور نوٹوں کی طرف چلا نہ جائے چونکہ اس سے زیادہ ضروری رزق بھی موجود ہے، جیسے آکسیجن گیس غلے سے بھی زیادہ ضروری ہے، غلہ اگر چند دن نہ بھی ملا تو انسان نہیں مرتا لیکن آکسیجن اگر چند سیکنڈ بھی نہ ملے تو انسان مرجائیگا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ رزقِ مادی بھی ہے اور ایک رزقِ معنوی بھی ہے، جیسے رزق علم کی شکل میں بھی ہے، رزق معرفت کی شکل میں بھی ہے، رزق ایمان کی شکل میں بھی ہے اور رزق نعمتوں کی شکل میں بھی ہے، یہ جو کچھ خداوند تعالیٰ نے دیا ہے یہ سب اللہ کا رزق ہے، اسلئے ہم دعائوں میں اللہ سے رزق طلب کرتے ہیں کہ

’’اللھم ارزقنا توفیق الطاعۃ‘‘

اے پروردگار! مجھے اطاعت کی توفیق کا رزق عطا فرما۔

پس صرف غلہ اور نوٹ ہی رزق نہیں بلکہ یہ سب کچھ بھی رزق ہے، خداوند تعالیٰ نے جو اولاد دی ہے یہ بھی رزق ہے چونکہ خداوند تعالیٰ کا عطیہ ہے، اسکے ذریعے سے انسان باقی ہے۔ پس ہم اس رزق کے تمام ادنیٰ ترین مصادیق سے مانوس ہیں جبکہ خداوند تعالیٰ نے ہمیں اعلیٰ ترین درجے سے لیکر ادنیٰ ترین درجے تک رزق دیا اب جبکہ کہا جاتا ہے کہ رزق کی تقسیم کا وقت بین الطلوعین ہے۔

# بین الطلوعین کی حکمت:

کیوں رزق کا وقت بین الطلوعین ہے؟ اسلئے کہ دو پردے پھٹتے ہیں اور ان دو پردوں کو پھاڑ کر نور طلوع ہوتا ہے۔ پہلے پردے میں تاریکی و ظلمت پھٹتی ہے اور صبح کا نور طلوع ہوتا ہے اور دوسرے پردے میں سایہ ہٹ جاتا ہے اور دھوپ آجاتی ہے، یعنی صبح کے وقت زمین روشن ہوجاتی ہے لیکن نورِ خالص نہیں ہوتا بلکہ نور کا سایہ نصیب ہوتا ہے۔ فجر سے طلوعِ خورشید تک ہم سائے میں ہوتے ہیں اور طلوعِ شمس دوسرا طلوع، طلوعِ شمس ہے، یعنی انسان کو سائے سے بھی ہٹاکر نورِ محض کے نیچے لایا جائے۔ اسلئے ان دو اوقات کے درمیان انسان کو بہت کچھ توفیقات نصیب ہوتی ہیں۔ اٹھ کر دیکھیں اور تجربہ کریں۔ اور کچھ ملے نہ ملے، صحت کا رزق ضرور نصیب ہوجائیگا۔

# فجور کا قرآن میں ذکر:

پس فجر پھٹنے یا پھاڑنے کوکہتے ہیں۔ اسی سے فجور بھی بنا ہے۔ فجور قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، سورہ مبارکہ شمس میں اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ ہم نے نفسِ انسان کو بہت خوبصورت ڈیزائن کیا ہے

’’…سَوّٰئھَا‘‘ (سورہ شمس، آیت ۷)

اور اس نفس کے اندر ایک حسن اور زیبائی یہ ہے کہ اسکو ہم نے دو پہلو بنایا ہے

’’فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰئھَا‘‘

ہم نے تقویٰ کا رجحان بھی اسکے اندر رکھا ہے اور ہم نے فجور کا رجحان بھی اسکے اندر رکھا ہے۔ یعنی اگر چاہیں تو فاجر ہوجائیں اور چاہیں تو متقی ہوجائیں۔ یہ فجور اسی فجر سے ہے۔

# عرب تہذیب میں الفاظ کی پیدائش :

فسق و فجور کو عربوں نے جہاں سے استعمال کرنا شروع کیا ہے اور جو اہلِ لغت بیان کرتے ہیں اس کیلئے خوبصورت مثال ہے۔ کھجور ایک پسندیدہ پھل ہے جسے سب شوق سے کھاتے ہیں لیکن عربوں کے نزدیک یہ بہت ہی مرغوب چیز ہے، عرب صحرائوں میں صرف کھجور ہی ہوتی ہے، باقی چیزیں باہر سے منگواتے ہیں ، عموماً جو عربی الفاظ ہیں وہ اونٹ، کھجور، تلوار، گھوڑا یا ریت کے کسی ڈھیر کی حالت سے لئے گئے ہیں ، چونکہ اُنکی یہی زندگی تھی، اسلئے ان معانی کو سمجھنے کیلئے بعض اوقات ان چیزوں کی طرف جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

# کھجور کی بہترین مثال!

لفظِ فجور استعمال کرتے تھے کہ کھجور کے اوپر ایک تہہ ہوتی ہے اور وہ تہہ کبھی اتری ہوتی ہے اور کبھی چڑھی ہوتی ہے، اس تہہ کے نیچے وہ حصہ ہوتا ہے جسے کھایا جاتا ہے اور جس میں غذائیت ہوتی ہے اور غذائیت کے اندر ایک گٹھلی بھی ہوتی ہے جو اگرچہ تول میں آتی ہے لیکن کھانے کی نہیں ہوتی۔ بعض اوقات یہ کھجور درخت کے اوپر لگی ہوتی ہے اور یہ تہہ یا کور کسی بھی وجہ سے پھٹ جاتا ہے، اس حالت کو عرب فجر کہتے ہیں ، کھجور کے اوپر جو تہہ ہوتی ہے اُسے قشرہ کہتے ہیں ، پس قشر یعنی چھلکا۔ ’’فجرۃ القشرہ‘‘ یعنی اسکا چھلکا پھٹ گیا، جب چھلکا پھٹ جائے تو اسکے نیچے جو حصہ ہوتا ہے اسکو تمر کہتے ہیں ، اگرچہ ہم پورے کھجور کو تمر کہہ دیتے ہیں لیکن عرب اس نیچے والے کو تمر کہتے ہیں ، یعنی گٹھلی، کھانے کا حصہ اور جس میں کھانیوالا حصہ لپٹا ہوا ہوتا ہے ان تینوں حصوں کے الگ الگ نام ہیں ، سب کو ملاکر ہم کھجور یا تمر کہتے ہیں۔

# فسق و فجور کے حقیقی معانی:

ایک قشرہ ہے اسکے نیچے تمر ہے اور اسکے نیچے ایک گٹھلی ہے۔ تمر کا پھٹ جانا فجرہ، انفجار یا فجور کہلاتا ہے اور پھٹے ہوئے پردے سے اس غذائی حصے کا باہر نکلنا فسق ہے۔ پہلے ’’فجرت القشرۃ‘‘ کہتے ہیں یعنی چھلکا پھٹا اور پھر فسقت التمرۃ کہتے ہیں یعنی کھجور باہر آگئی۔ پس اس حد کے پھٹنے کو فجور کہتے ہیں اور پھٹی ہوئی حد سے باہر چلے جانے کو فسوق کہتے ہیں۔

عرب چونکہ اتنا ہی جانتے تھے اور انکا دماغ اس سے آگے کام نہیں کرتا تھا، اونٹ دیکھ کر انکو سمجھ آجاتا تھا کہ یہ اونٹ ہے، باقی اونٹ کے اندر جتنی ظرافتیں ، لطافتیں اور خوبصورتیاں ہیں ، یہ اس قوم کو معلوم نہیں تھا، لہٰذا قرآن مجید نے انکو متوجہ کرایا کہ

’’اَفَلاَ یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ‘‘ (سورہ غاشیہ، آیت ۱۷)

اونٹ سے فائدے اٹھا لیتے ہو لیکن یہ غور نہیں کرتے کہ یہ اونٹ خلق کیسے ہوا ہے؟ اسکو بنایا کیسے گیا ہے؟ اسکے اندر اللہ کی کتنی نشانیاں ہیں ؟ اسکو تم نہیں دیکھتے۔ بہرکیف وہ موٹی موٹی چیزیں ہی سمجھتے تھے اور فجرہ و فسقہ کھجوروں کیلئے ہی استعمال کرتے تھے، انسانوں اور انسانی حالتوں کیلئے استعمال نہیں کرتے تھے۔ جبکہ قرآن مجید میں خداوند تبارک و تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے منشور میں ان دونوں الفاظ کو استعمال کیا ہے۔

# فاسق و فاجر انسان میں فرق:

فاجر انسان اسکو کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے اسکی ہدایت کیلئے جو حدود قائم کردی ہیں وہ پھٹ جائیں۔ ہم میں سے ہر ایک کی زندگی کیلئے دائرہ کھینچ دیا گیا ہے اور حدود قائم کردی گئی ہیں ، جس طرح کھجور کی باہر حد قائم کردی گئی ہے اور اسے پابند کردیا گیا ہے کہ اس اپنی حد کے اندر رہے، اگر اسکو پھاڑ دے تو فجور ہے اور اس پھٹی ہوئی حد سے باہر آجائے تو فسق ہے۔ اسی طرح انسان اگر دینِ خدا کی کسی حد کو توڑ دے تو یہ فجور ہے اور اسکو توڑ کر باہر آجائے تو اسکو فسوق کہتے ہیں کہ یہ فاسق انسان ہے۔

پس فاجر یعنی حدود توڑنیوالا اور فاسق یعنی ٹوٹی ہوئی حدود سے چھلانگ لگاکر باہر آنیوالا۔ انکے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ مومن کی طرح نہیں ہیں ، آخر یہ کیسے مومن ہوسکتے ہیں ؟ مومن تو وہ ہوتا ہے جو امن میں ہے۔

# ایمان سے مراد:

ایمان امن سے نکلا ہے، مومن وہ ہے جو امن میں ہے اور امن ہر جگہ نہیں ہوتا، امن اس وقت ہوتا ہے جب انسان حصار کے اندر ہو۔ اگر حصار سے باہر چلا جائے تو وہ امن میں نہیں ہوتا۔ جب تک بچہ والدین کے پاس کمرے میں موجود ہے، اس وقت تک امن میں ہے لیکن اگر کمرے سے نکل کر باہر سڑک پر چلا گیا تو اب محفوظ نہیں ہے۔ پس انسان کب تک مومن رہتا ہے؟ جب تک وہ دیوار امن میں رہے۔ یعنی جو حدیں خداوند تعالیٰ نے اسکے گرد قائم کی ہیں انکے اندر رہتا ہے تو یہ مومن ہوتا ہے لیکن جب اسکو توڑ دیتا ہے تو فاجر ہوجاتا ہے اور توڑ کر جب اس سے باہر چلا جاتا ہے تو فاسق ہوجاتا ہے۔ اسلئے کہا گیا ہے کہ مومن فاسق کی طرح نہیں ہے۔

’’اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا…‘‘ (سورہ السجدۃ، آیت ۱۸)

آیا وہ مومن جو امن میں ہے، جس نے ابھی کوئی حد نہیں توڑی، کیا وہ اس شخص کی طرح ہے جو ساری حدیں توڑ گیا ہو یا حدوں کو توڑ کر باہر چلا گیا ہو؟ یہ برابر نہیں ہیں اور ہو بھی نہیں سکتے۔

وہ چیزیں جو اپنی جلد سے باہر آئی ہوں اور وہ چیزیں جو اپنے جلد میں موجود ہوں ، یہ دونوں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ جیسے ایک کینو جسکا چھلکا پھٹا ہوا ہو اور اندر جتنے وٹامن ہیں وہ سارے باہر نکل رہے ہوں اور ایک کینو جو بالکل صحیح اور سالم ہو، یہ دونوں ایک جیسے نہیں ہوسکتے۔ یہ بہت زیادہ آسان ہے لیکن خداوند تعالیٰ نے انسانوں سے پوچھ لیا کہ

’’اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا…‘‘

یہ جو حدود پائمال کرکے باہر آگیا ہے اور وہ جو اَب تک حدود کے اندر موجود ہے، کیا آپ سمجھتے ہو کہ یہ دونوں برابر ہیں ؟ یہ دونوں کبھی بھی برابر نہیں ہوسکتے۔

# ہر قیمتی چیز کو امن کی ضرورت:

امانت، ایمان اور امن تینوں ایک ہی خاندان سے ہیں ، انکا سٹرکچر ایک ہی ہے، یعنی تینوں ایک ہی مادہ سے مشتق ہیں۔ امانت اس چیز کو کہتے ہیں جسے امن دینے کی ضرورت ہوتی ہے، اگر اسکو امن فراہم نہ کریں تو یہ ضائع ہوجاتی ہے۔ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کو امن فراہم کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اگر وہ باہر بھی پڑی رہیں تو انکو کوئی بھی نہیں اٹھاتا۔ جیسے اگر ایک پتھر کئی سالوں سے کسی راستے پر پڑا رہے تو اسے کوئی نہیں اٹھاتا کیونکہ اسکا کوئی دشمن یا چور نہیں ہے، چور اور دشمن ایسی چیز کے ہوتے ہیں جسکی کوئی قیمت ہوتی ہے، جس چیز کی کوئی قیمت نہ ہو اسکا کوئی چور، ڈاکو یا دشمن نہیں ہوتا، لہٰذا اسکو امن میں رکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص اینٹوں اور پتھروں کو صندوقوں میں بند کرکے رکھے تو لوگ شک کریں گے کہ شاید اسکا دماغ درست کام نہیں کررہا، ایسی چیز کو امن دے رہا ہے جو امن کی محتاج نہیں۔

ایمان درحقیقت اسی حفاظتی حصار کے اندر آنے کا نام ہے، یعنی امن کے دائرے کے اندر آنا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے امن کا دائرہ مقرر کیا ہے، جسکے اندر اگر انسان آجائے تو وہ دنیا میں بھی محفوظ ہے اور آخرت میں بھی۔ وہ دنیا میں رسوائی، شیاطین اور دشمنوں سے محفوظ ہے جبکہ آخرت میں عذابِ جہنم سے محفوظ ہے۔

# انسان کی گستاخانہ طبیعت:

ہم اکثر اوقات غیر محفوظ زندگیاں بسر کرتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے جو امن کا دائرہ مقرر کیا ہے، ہم اس سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چونکہ انسان کا مزاج گستاخانہ اور ہتاکانہ ہے۔

ہتک یعنی حد پائمال کرنا، ہتاکی انسان کی فطرت میں تو نہیں ہے لیکن طبیعت کے اندر موجود ہے، انسان کی فطرت امن کی طرف مائل ہے جبکہ طبیعت ہتاکی کی طرف مائل ہے اور طبیعت ہمیشہ ناامنی چاہتی ہے چونکہ انسان دو چیزوں کی حقیقت سے ملکر بنا ہے۔ ایک روح اور ایک بدن۔

# فطرت اور طبیعت میں فرق:

روح کے رجحانات کا نام فطرت ہے اور بدن کے رجحانات کا نام طبیعت ہے، وہی جو کبھی ٹھیک ہوتی ہے اور کبھی خراب، جسکا ہم بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں پھر بھی وہ خراب ہوجاتی ہے اور وہ چیز جسکا سخت خیال رکھنا چاہیے ہم اسکا حال بھی نہیں پوچھتے، کبھی ہم نے بھول کر بھی کسی سے نہیں پوچھا کہ بھائی جان آپکی فطرت ٹھیک یا ناساز؟ جبکہ صرف طبیعت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

قرآن مجید کے مطابق فطرت کے رجحانات کسی اور جانب ہیں جبکہ طبیعت کے رجحانات کسی اور جانب، فطرت و طبیعت الگ الگ راہوں پر ہیں اور الگ الگ جگہ پر انسان کو لے جانے کی کوشش کررہی ہیں۔ یہ انسان کی کشمکش ہے کہ فطرت ایک طرف کھینچتی ہے اور طبیعت ایک اور طرف کھینچتی ہے۔

ملائے رومیؒ نے اس کیلئے بہترین مثال ذکر کی ہے جوکہ ایک فرضی قصہ ہے، فرضی قصہ پیمانہ ہوتا ہے، پیمانہ یعنی وہ چیز جسکے اندر کوئی دوسری چیز ڈالی جائے، جسکے ذریعے دوسری چیز کا اندازہ لیا جائے اسکو پیمانہ کہتے ہیں۔ جیسے گلاس پیمانہ ہے چونکہ گلاس ظرف ہے، جبکہ عقلمند ہمیشہ یہ دیکھتے ہیں کہ اسکے اندر کیا ہے؟ جیسے اگر کوئی خوبصورت پیالے کے اندر بد مزہ چائے دے اور چائے پینے والا خوش ہو کہ پیالہ تو بہت خوبصورت ہے لیکن اسکے اندر جو چائے ہے وہ بہت ہی بدمزہ ہے، اب اسکے برعکس اگر پیالہ اتنا اچھا نہ ہو لیکن چائے بہت اچھی ہو تو انسان کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اسکے اندر مظروف کیا ہے؟

# گذشتہ علماء کی خوبصورت تعلیمی روش:

پرانے علماء کا تعلیم دینے کا بہت ہی خوبصورت طریقہ تھا کہ وہ مثالوں ، قصوں ، کہانیوں اور فرضی باتوں سے تعلیم دیتے تھے، فرضی باتیں یعنی ایسے فرضی قصے بنا لیتے تھے جن کے اندر حکمت ہوتی تھی، جیسے شیخ سعدیؒ کا بہت ہی خوبصورت طریقہ تھا، انکا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کسی بادشاہ، وزیر، دہقان یا کسی عام آدمی کی ایک حکایت نقل کرتے تھے پھر وہ حکایت و مختصر سا قصہ بیان کرنے کے بعد اس سے عبرت لیتے تھے اور اس نصیحت کو شعر کی زبان میں پیش کرتے تھے اور یہ کام بہت سارے علماء نے کیا ہے۔ ایک فرید الدین عطار نیشاپوری کی مشہور کتاب منطق الطائر ہے، یعنی پرندوں کی بولیاں۔ اس میں مثالیں اور حکایتیں موجود ہیں جیسے چین کا طوطا جو ایک فرضی قصہ ہے لیکن اس میں ایک بڑی حکمت ہے۔

# چین کا طوطا:

چین کے طوطے کا قصہ کچھ یوں ہے کہ ایک ہندوستانی تاجر جو تجارت کیلئے چین جانا چاہ رہا تھا، اُس نے اپنے گھر والوں سے پوچھا کہ میں آپ کیلئے چین سے کیاکیا تحفے لائوں ؟ ہر ایک نے اپنی خواہش بتائی۔ اِس شخص نے طوطا بھی پال رکھا تھا جو بولتا تھا۔ اس نے طوطے سے بھی پوچھا کہ تیرے لیے کیا تحفہ لیکر آئوں ؟ اس نے کہا میرے لئے کوئی تحفہ نہ لائو بلکہ وہاں پر میری نسل کے جو طوطے ہیں انکو جاکر میرا سلام کہنا اور انہیں کہنا کہ آپ آزاد فضائوں میں گھوم پھر رہے ہو اور میں پنجرے میں بند ہوں۔ یہ وہاں گیا اور جاکر گھر والوں کیلئے تحفے خریدے، واپسی پر اس نے جنگل میں طوطے دیکھے، طوطے دیکھ کر اسے اپنے طوطے کا سلام یاد آگیا اور اُن طوطوں کو اپنے طوطے کا پیغام سنایا کہ ہندوستان میں ایک طوطا ہے جو آپکو سلام کہتا ہے اور ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ تم سب آزاد ہو اور میں ادھر اکیلا اسیر ہوں۔

جونہی چین کے طوطے نے یہ پیغام سنا تو اس نے اپنے آپ کو درخت سے نیچے گرا دیا، تاجر کو بہت افسوس ہوا کہ کتنا نحس سلام پہنچایا جسے سن کر یہ طوطا ہی مرگیا۔ جب وہ واپس آیا تو اُس نے تمام گھر والوں کو تحفے دئیے، طوطے نے کہا میرا سلام پہنچایا یا نہیں ؟ اس نے کہا کہ میرے ساتھ ایک افسوسناک واقعہ پیش آیا، جب میں نے تیرا سلام و پیغام پہنچایا تو ایک طوطا درخت سے نیچے گرا اور گرتے ہی وہ مرگیا، یہ خبر جب ہندوستانی طوطے نے سنی جوکہ پنجرے میں اسیر تھا، یہ بھی گرا اور مرگیا۔

تاجر کو بہت افسوس ہوا کہ ایک سلام اُدھر پہنچایا تو وہ مرگیا اور اب ایک سلام اِدھر پہنچایا تو یہ مرگیا۔ اس نے پنجرہ کھول کر مردہ طوطے کو باہر پھینکا جونہی اسکو باہر پھینکا تو وہ اڑ کر دیوار پر جا بیٹھا۔ تاجر کو بہت تعجب ہوا کہ یہ کیا مکر ہے؟ اس طوطے نے کہا کہ میں نے جو سلام بھیجا تھا وہ سلام نہیں تھا وہ دراصل اس اسارت سے آزادی کا نسخہ مانگا تھا، لہٰذا اُس طوطے نے اپنے آپ کو گرا کر مجھے پیغام دیا کہ تم اس طرح سے اسارت سے آزاد ہوسکتے ہو، اُس نے میرا پیغام سمجھ لیا اور میں نے اسکا پیغام سمجھ لیا۔ بیچ میں تو بیوقوف تھا تجھے نہ اُسکی بات سمجھ میں آئی اور نہ ہی میری بات۔

# کربلا کا پیغامِ آزادی:

اگر غور کریں تو اس فرضی قصے کے اندر بہت بڑی حکمت ہے۔ یہ تو طوطوں کی بات تھی لیکن اگر انسان غور کرے کہ ہمارے سامنے روزانہ یہ کام ہوتے ہیں ، ہم ہر روز یہ قصے سنتے ہیں اور سب سے بڑھ کر قصۂ کربلا جو افسانہ نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے اگرچہ بہت سارے اسکو افسانہ بنانے میں مصروف ہیں لیکن یہ وہ زندہ حقیقت ہے جسے کوئی بھی افسانہ نہیں بنا سکتا۔ ہمیں کیوں کہا گیا کہ آپ سید الشہداء ؑ کے مصائب پڑھو؟ اسلئے نہیں کہ دو چار آنسو بہاکر حضرت زہراء = پر احسان کردو اور ان آنسوئوں سے جنت پہنچ جائو بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ آپ اسیر لوگ ہو اور وہ آزاد لوگ تھے۔

# عزت کی موت، اسارت سے آزادی کا نسخہ:

تمہاری آزادی کا نسخہ کربلا میں ہے۔ جس طرح وہ شہید ہوگئے اسی طرح شہادتیں اسیر قوموں کو آزادی کا راستہ دکھاتی ہیں لیکن اگر کوئی قوم چودہ سو سال سے ان شہادتوں کے قصے سن کر پھر بھی غلامی کی زندگی بسر کررہی ہو تو اسکا مطلب ہے کہ اس نے کربلا کے شہیدوں کا پیغام نہیں سنا۔ ہر شہید جو گرتا ہے وہ اسیروں کو اسارت، غلامی اور ذلت سے نکلنے کا ایک پیغام دیتا ہے کہ اگر تم گھروں سے نہیں نکلو گے تو وہ تمہیں گھروں میں آکر ماریں گے، چونکہ موت سے تو تم نہیں بھاگ سکتے۔ یوں تو نہیں کہ اگر تم گھروں سے نہ نکلے تو تمہیں چھوڑ دیا جائیگا، اگر تم اپنے گھروں سے نہ نکلے تو بہت برے طریقے سے مرو گے اور اگر نکلے تو تھوڑے اور عزت سے مرو گے۔ اس عزت سے مرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم سب کو عزت نصیب ہوجائیگی۔

# کربلا کے دو سال بعد کی ویرانی:

اکسٹھ ہجری میں کربلا کا واقعہ پیش آیا اور مسلمانوں کی اکثریت کربلا میں نہیں گئی اور تریسٹھ ہجری میں یزیدی فوج نے مدینہ میں اتنا زیادہ قتلِ عام کیا کہ گلیوں میں خون بہتا تھا، یہ وہ لوگ تھے جو دو سال پہلے امام ؑکیساتھ نہیں گئے تھے۔ اسکے بعد پھر یزیدیوں نے مکہ پر سنگ باری کی اور مکہ ویران کردیا جبکہ چند سال پہلے ہی مکہ کے حاجی امام ؑکیساتھ جانے کیلئے تیار نہیں ہوئے تھے، حاجی بھی مارے گئے اور کعبہ بھی ویران کردیا گیا۔

# عزت اور ذلت کی موت:

پس یوں نہیں کہ اگر ہم آئمہ % کا راستہ چھوڑ کر کعبہ میں جا بیٹھیں تو بچ جائیں گے! اگر ہم مدینہ اور کوفہ میں جا بیٹھیں تو بچ جائیں گے! مرنا تو ہے ہی مگر یہ انتخاب ہمیں خود کرنا ہے کہ عزت سے مرنا ہے یا ذلت سے۔ یعنی موت ہماری تلاش میں آئے یا ہم موت کی تلاش میں جائیں۔

’’…وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ…‘‘ (سورہ نساء، آیت ۷۸)

اگر آہنی اور مضبوط قلعوں کے اندر بند ہوجائیں گے تو موت وہاں بھی آجائیگی۔ موت تو انسان کو نہیں چھوڑ سکتی۔ بالآخر کسی ہسپتال میں شوگر، ہارٹ اٹیک، بدہضمی یا کسی بلاء و آفت کے ذریعے بھی انسان مرسکتا ہے۔ اس سے پہلے کہ موت آکر انسان کو دبوچ لے، انسان خود جاکر موت کو مار دے۔

# اذانِ علی اکبرؑ:

جیسے اقبالؒ کہتے ہیں کہ

رہ گئی رسمِ اذاں روح بلالی نہ رہی

رسمِ اذاں رہ گئی ہے روحِ بلالی نہیں رہی۔ بلال ؑ کی روح ختم ہوگئی ہے۔ ہم حضرت علی اکبر ؑ کی اذان دیتے ہیں اور یہ رسمِ اذاں ہے۔ صبحِ عاشور ہمارے عزادار اذانِ حضرت علی اکبر ؑ دیتے ہیں لیکن نماز علی اکبر نہیں پڑھتے اب سوال یہکہ آیا حضرت علی اکبر ؑ نے اذان کے بعد نماز بھی پڑھی تھی یا نہیں پڑھی؟جواب یہ ہے کہ پڑھی تھی اور باجماعت پڑھی تھی۔ علی اکبر ؑ کی روح اس اذانِ حضرت علی اکبر ؑ میں کیسے آئیگی؟ اس سوچ سے آئیگی جو جناب علی اکبر ؑ کی تھی کہ جب سیدالشہداء ؑ نے آیتِ استرجاع کی تلاوت فرمائی کہ

’’…اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ‘‘ (سورہ بقرہ، آیت ۱۵۶)

حضرت علی اکبر ؑ نے پوچھا کہ بابا اس جگہ پر آپ نے آیتِ استرجاع کیوں پڑھی؟ امام حسین ؑ نے فرمایا کہ مجھے کاشفہ کی حالت میں ایک غیبی آواز آئی کہ یہ کاروان موت کی طرف جارہا ہے اور موت اسکی طرف آرہی ہے۔ حضرت علی اکبر ؑ نے اسکے بعد عرض کیا کہ

’’اولسنا علی الحق‘‘

کیا ہم حق پر نہیں ہیں ؟ امام حسین ؑ نے فرمایا! کیوں نہیں بیٹا! ہم حق پر ہیں۔ اس وقت حضرت علی اکبر ؑ نے فرمایا! پھر فرق نہیں پڑتا کہ ہم موت پر جاپڑیں یا موت ہم پر آپڑے۔ یہ روحِ علی اکبر ؑ ہے۔

# ذکرِ کربلا پر تاکید:

کربلا کا واقعہ پڑھنے پر اتنی تاکید کیوں کی گئی ہے؟ کیوں اسکو فراموش نہ کرنے کا حکم ہے؟ اسلئے کہ نجات کا راستہ یہی ہے۔ بشرطیکہ کوئی اسکا پیغام سمجھ لے، ورنہ ہندوستان کے تاجر کی طرح پیغام لے بھی گیا اور پیغام لے بھی آیا لیکن معنی نہیں سمجھا۔ اسی طرح علماء منبر پر بیٹھ کر کربلا کا واقعہ بیان کریں اور سامعین فقط سنیں۔ اس سے ممکن ہے کہ پڑھنے والا اپنے مادی مقصد کو پہنچ جائے لیکن روحِ کربلا کو نہ سمجھ سکے، دوسروں کو بتا رہا ہو کہ یہ کربلا ہے اور یہ شہادتیں ہیں لیکن خود اسکا معنی ہی نہ سمجھ سکے۔

قصوں میں ایک پیمانہ ہوتا ہے اور اسکے اندر معنی ہوتا ہے۔ پیمانے کی طرف زیادہ توجہ نہیں دینا چاہئے بلکہ معنی کی طرف زیادہ توجہ رکھنی چاہئے کہ یہ بزرگوں کا طریقہ کار تھا۔ ملائے رومیؒ نے ایک قصہ بیان کیا ہے، درحقیقت انہوں نے طبیعت و فطرت کا مسئلہ یوں ذکر کیا، کہتے ہیں کہ جس طرح لیلیٰ و مجنوں ہے، یہ بھی دو افراد کے بارے میں ایک فرضی قصہ ہے جو ایک دوسرے کی محبت میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ البتہ یہ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ عورت اور مرد میں کبھی عشق نہیں ہوتا، محبت تو ہوتی ہے لیکن عشق نہیں ہوتا۔

# عشق و شہوت میں فرق:

نر و مادہ میں ایک دوسرے کی طرف جو رجحان ہوتا ہے اُسے شہوت کہتے ہیں۔ شہوت اور چیز ہے جبکہ عشق اور چیز ہے۔ شہوت وہ ہوتی ہے جو ابھرتی بھی ہے اور دب بھی جاتی ہے لیکن عشق ایک دفعہ اگر پیدا ہوجائے تو پھر وہ دبتا نہیں۔ شہوت تسکین مانگتی ہے جبکہ عشق تسکین نہیں مانگتا، اس سے بڑھ کر یہ کہ شہوت ناپاک ہے جبکہ عشق پاک ہے اور پاک دل کے اندر پاک ہستی سے عشق پیدا ہوتا ہے لیکن یہ جو عاشقانہ اور فرضی قصے رائج ہوچکے ہیں ، ہم انکو فرض کی حد تک رکھ سکتے ہیں۔

# فطرت اور طبیعت کے درمیان کشمکش:

ملائے رومیؒ نے یہ مثال دی ہے کہ مجنوں ایک شہر میں رہتا تھا اور لیلیٰ کسی اور شہر میں رہتی تھی، مجنوں نے لیلیٰ سے ملنے کا ارادہ کیا۔ مجنوں کے پاس ایک اونٹنی تھی اور اُس اونٹنی کا ایک بچہ بھی تھا، مجنوں نے لیلیٰ کے شہر کی طرف سفر کا ارادہ بنایا اور اونٹنی لیکر چل پڑا لیکن اونٹنی کا بچہ ساتھ لیکر نہیں گیا تاکہ یہ بچہ راستے میں تنگ نہ کرے۔ کچھ جانور کچھ چیزوں کو سمجھتے ہیں ، جیسے گھوڑے اور اونٹ وغیرہ اپنے سوار کی حرکتوں سے سمجھ جاتے ہیں کہ اب یہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ مجنوں صاحب اونٹنی پر بیٹھ کر جب تک جاگتے رہے اونٹنی سمجھ رہی تھی کہ جاگ رہا ہے لہٰذا اونٹنی اُدھر چلتی رہی جدھر مجنوں لے جانا چاہ رہا تھا اور پھر جب مجنوں تھک کر سوگیا تو اونٹنی کو پتہ چل گیا کہ اب یہ سوگیا ہے اور جونہی اسکو محسوس ہوا کہ یہ سوگیا ہے وہ اپنا رخ تبدیل کرکے اُس طرف چل پڑی جہاں سے یہ نکلے تھے چونکہ اسکا بچہ گھر میں تھا، یعنی اسکا محبوب گھر میں تھا، جتنا عرصہ یہ سویا تھا اونٹنی اُس دوران اُسے واپس گھر کی طرف لے آئی اور جہاں سے نکلے تھے وہاں پہنچا دیا، جب وہاں پر پہنچے تو مجنوں کی آنکھ کھل گئی اور دیکھا کہ ہم تو وہیں کھڑے ہیں جہاں سے نکلے تھے۔ پھر اُس نے اونٹنی کو موڑا اور لیلیٰ کے شہر کی طرف روانہ کیا، پھر اسکے ساتھ دوبارہ یہی حادثہ ہوا اور وہی کام تکرار ہوا۔ اب اس نے اپنے آپ سے عہد کیا کہ اب نہیں سوئوں گا چونکہ میرے سونے سے اونٹنی فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اونٹنی بیتاب تھی کہ اپنے محبوب کی طرف جائے جبکہ مجنوں بیتاب تھا کہ اپنے محبوب کی طرف جائے۔

# فطرت اور طبیعت کے رجحانات:

ملائے رومیؒ نے یہ فرضی قصہ کیوں بیان کیا؟ انسان کی روح اور بدن کو سمجھانے کیلئے یہ فرضی قصہ بیان کیا ہے کہ یہ اونٹنی بدنِ انسان ہے اور مجنوں نفسِ انسان ہے۔ فطرت، طبیعت کے اوپر سواری لیتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ سوار کہیں اور جانا چاہتا ہے جبکہ سواری کہیں اور جانا چاہتی ہے۔ سوار کا رخ خدا کی طرف ہے اور سواری کا رخ خاک کی طرف چونکہ طبیعت خاک سے اٹھی ہے اور خاک کی طرف جانا چاہتی ہے جبکہ سوار خدا کی طرف جانا چاہتا ہے۔ لہٰذا اگر فطرت سوجائے تو طبیعت انسان کو لوٹا کر پھر واپس خاک میں لے آتی ہے اور اگر فطرت بیدار رہے تو اسی طبیعت پر سوار ہوکر اپنے پروردگار تک جاپہنچتی ہے۔

’’فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰئھَا‘‘ (سورہ شمس، آیت ۸)

خداوند تعالیٰ نے انسان کے اندر فجور کا رجحان بھی رکھ دیا ہے اور تقویٰ کا بھی۔ تقویٰ کا رجحان فطرت میں ہے اور وجود کا رجحان طبیعت کے اندر ہے۔ طبیعت فسق و فجور میں رہتی ہے اور ہتاکی چاہتی ہے، طبیعت کسی کا احترام اور قدر و منزلت کی قائل نہیں ہے اسکو نہیں پتہ ہوتا کہ یہ میری ناموس ہے یا کسی اور کی جبکہ فطرت ناموس شناس ہے، یعنی فطرت خدا پرست اور خدا شناس ہے لیکن اس صورت میں کہ جب یہ زندہ ہو۔ یعنی جب انسان ایمان کی حد توڑتا ہے تو یہ فجور ہے اور جب باہر نکلتا ہے تو فاسق ہوجاتا ہے۔

# کافر کو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں !

ایمان کے مقابلے میں تیسری حالت کا نام کفر ہے۔ انسان جب امن سے باہر آتا ہے تو پھر کفر کی حالت پر آجاتا ہے۔ ہم جب کافر کا لفظ سنتے ہیں تو نگاہیں فوراً انڈیا، چائنہ اور یورپ کی طرف دوڑنا شروع ہوجاتی ہیں کہ پاکستان میں تو الحمدللہ کوئی کافر نہیں ہے۔ یعنی کافر ڈھونڈنے کیلئے ہمیں فوراً ویزا لگوانا پڑتا ہے۔

قرآن مجید نے ایمان کے مقابلے میں کفر کی جو حالت بیان کی ہے اس کیلئے ہمیں ملک سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے، اپنے اردگرد بہت ساری مثالیں نظر آجاتی ہیں اور بعض اوقات تو اردگرد دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اپنے گریبان میں ہی بہت کچھ نظر آجاتا ہے، معلوم ہوجاتا ہے کہ ایمان کیا ہے؟ فسق و فجور کیا ہے اور کفر کیا ہے؟

# بیالوجیکل مؤمن اور آئیڈیالوجیکل مؤمن:

ایمان، امن کے دائرے کے اندر محفوظ ہوکر رہنا ہے اور جو اس امن کے دائرے میں رہے وہ مومن ہے۔ مومن ایک ارتقاء کا عمل ہے۔ مومن ایسے نہیں ہوتا جیسے انسان کا فیملی نام ہوتا ہے، جیسے کوئی زیدیوں کے ہاں پیدا ہوا ہو تو وہ زیدی ہوجاتا ہے، جو کاظمیوں کے ہاں پیدا ہوا ہو تو کاظمی ہوجاتا ہے۔ زیدی، کاظمی اور نقوی ہونے کیلئے انسان کو کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا، صرف کسی فیملی میں پیدا ہونا پڑتا ہے لیکن مومن ہونے کیلئے کسی مومن کے ہاں پیدا ہونا کافی نہیں ہے۔ انسان بیالوجیکل مومن نہیں ہوسکتا چونکہ ایمان آئیڈیالوجی کا نام ہے۔

# سفرِ ایمانی:

انسان کو ایمان تک پہنچنا ہوتا ہے اور ایمان کا سفر بلوغ سے شروع ہوتا ہے۔ انسان کو ماں باپ سے جو کچھ لینا ہوتا ہے وہ بلوغ سے پہلے ہی لے لیتا ہے اور انسان بلوغ کے بعد ایمان کی سیڑھی چڑھنا شروع کرتا ہے اور اس حقیقت پر جاکر فائز ہوتا ہے جسکی حقیقت امیرالمومنین ؑ نے بیان کی ہے۔ یعنی جب چار ستون اپنے اندر قائم کرلیتا ہے تو انسان مومن کے درجے پر فائز ہوتا ہے اور ہر ایک کے چار چار شعبوں سے اپنی ہستی بنا لیتا ہے اور پھر انسان مومن ہوجاتا ہے اور یہ ارتقاء یافتہ اور نشوونما یافتہ مومن ہے۔

انسان بیالوجیکلی سفر کے ذریعے ایمان تک نہیں پہنچ سکتا۔ جیسے اپنا تخلّص مومن رکھنے سے انسان مومن نہیں بنتا۔ بہت سارے ایسے لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنا تخلّص مومن رکھا ہوا ہے۔ ایک اردو شاعر ہے جسکا نام حکیم مومن خان مومن ہے اور جن کا اپنے بارے میں کہنا ہے کہ

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومنؔ

آخری عمر میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

ساری عمر بتکدے میں گزار کر ریٹائرمنٹ کے بعد لوٹا خرید کر مومن بن گئے۔

مومن تو ارتقاء کا نام ہے لیکن اگر یہ حالت چھوٹ جائے اور امن سے باہر آجائے تو انسان فسق و فجور کا مرتکب ہوتا ہے اور پھر اسکے بعد مرتکب ہو تو ایمان سے باہر آجاتا ہے۔

# امیر المومنینؑ کی امام حسن ؑ کو نصیحت:

جس طرح ایمان ایک حالت کا نام ہے اسی طرح کفر بھی ایک حالت کا نام ہے اور کفر ضدِ ایمان ہے۔ امیر المومنین ؑ کے فرمان کا محور بھی یہ ہے۔ قرآن مجید نے ایمان کے مقابلے میں تین حالتیں ذکر کی ہیں اور نہج البلاغہ میں امیرالمومنین ؑ اپنے فرزند امام حسن ؑ کو فرماتے ہیں کہ

’’یا بنی ایاک و مصادقۃ الأحمق‘‘ (نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۳۸)

اے میرے پیارے فرزند! خبردار! زندگی میں کسی بیوقوف کو دوست نہ بنانا۔ یعنی کسی بیوقوف کو نہ زندگی کا ساتھی، نہ کاروبار کا ساتھی، نہ مذہب کا ساتھی اور نہ دنیا کا ساتھی بنانا ہے۔ پھر آپ ؑنے فرمایا کہ

’’و ایاک و مصادقۃ البخیل‘‘

اور کبھی زندگی میں کسی کنجوس و بخیل کو اپنا ساتھی نہ بنانا ورنہ وہ تجھے اسی چیز سے محروم کردیگا جسکا تو سب سے زیادہ محتاج ہوتا ہے اور پھر اسکے بعد فرمایا کہ

’’و ایاک و مصادقۃ الفاجر‘‘

خبردار! زندگی میں کبھی کسی فاسق و فاجر کو اپنا ساتھی نہ بنانا، کیونکہ وہ تجھے کوڑیوں کے بھائو بیچ دیگا۔ چونکہ وہ فاسق و فاجر ہے اور اسے کوئی پرواہ نہیں ہے، وہ کسی تقدس کا قائل نہیں ہے، وہ چھوٹے سے فائدے کیلئے بڑے بڑے کام کرجاتا ہے۔ چھوٹے سے فائدے کیلئے دین، وطن، قوم اور غیرت کو بھی بیچ دیتا ہے۔

# ایک سچے مومن کا قصہ:

ایران کے ایک شہید کے بارے میں ہے کہ قم کے اندر ایک عام رسمی مجلس ہورہی تھی اور وہ مجاہد بھی وہاں بیٹھ کر سن رہا تھا، اتنے میں پولیس آگئی اور اسکو پکڑ کر لے گئے اور پولیس نے پہلا سوال یہی کیا کہ بتا مجلس کون پڑھ رہا تھا؟ ایک عام ذاکر تھا جسکو وہاں پر سب جانتے تھے اور پولیس بھی جانتی تھی لیکن پولیس نے اس سے پوچھا کہ بتائو مجلس کون پڑھ رہا تھا؟ اُس نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ کون مجلس پڑھ رہا تھا؟ انہوں نے مارنا شروع کردیا۔ اس جوان کو پتہ تھا کہ اگر میں نام لے بھی لوں تو کوئی نقصان نہیں ہے لیکن اسکے باوجود نام نہیں بتایا۔ انھوں نے اسے مار مار کو بے ہوش کردیا، اس پر پانی چھڑکا، دوبارہ اسکو ہوش میں لائے اور پھر اس سے پوچھا کہ بتائو کس نے مجلس پڑھی ہے؟ تو اس نے کہا مجھے نہیں معلوم۔

اس مجاہد کیساتھ ساتھی بھی تھے وہ اس مجاہد کو سمجھانے کیلئے گئے کہ تو کیسا آدمی ہے؟ تو کیوں نہیں بتاتا کہ کس نے پڑھی ہے تاکہ اس مار پیٹ سے تیری جان چھوٹ جائے اور تیرے بتا دینے سے کوئی نقصان بھی نہیں ہوگا چونکہ یہ کوئی سیاسی مجلس تو نہیں تھی بلکہ یہ عام مجلس تھی اور اس آدمی کو سب جانتے بھی ہیں اس نے بھی مجلس میں کوئی ایسی سیاسی بات نہیں کی لہٰذا تم اسکا نام بتا دو۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے بھی معلوم ہے کہ نام بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن حرج سارا یہ ہے کہ یہ جو کچھ مجھ سے پوچھنا اور اگلوانا چاہتا ہے، ایک عام سی بات کہ جسکو چھپانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، نہ چھپانے میں کوئی فائدہ ہے اور نہ بتانے میں کوئی نقصان ہے لیکن اگر میں نے اسکو یہ بات بتا دی تو اسکی طمع میرے بارے میں بڑھ جائیگی، پھر یہ توقع رکھے گا کہ میں اپنے راز بھی اسکو بتا دونگا۔ یہ تو راز نہیں ہے جو میں نہیں بتا رہا، یہاں سے اسکو سمجھ جانا چاہئے کہ راز کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرے۔ میری جان تو جاسکتی ہے لیکن میں راز نہیں بتا سکتا۔

# فاجر کے اعمال:

’’ایاک و مصادقۃ الفاجر‘‘

امیرالمومنین ؑ فرماتے ہیں کہ فاجر کو ساتھی مت بنائو کیونکہ یہ تجھے کوڑیوں کے بھائو بیچ دیگا۔ فاجر لوگ دین کو بھی کوڑیوں کے دام بیچ دیتے ہیں۔ کربلا میں جو قاتل بن کر آئے تھے، یہ سب فاسق و فاجر تھے، کسی نے حکومتِ رَی کے بدلے دین بیچا، کسی نے فوجی عہدے کے عوض دین بیچا اور کسی نے کسی اور عہدے کی لالچ میں آکر دین بیچا اور کسی نے مفت دین بیچ دیا۔

جو لوگ کوڑیوں کے بھائو قیمتی چیزیں بیچنا جانتے ہوں وہ فاسق و فاجر ہیں اور جو فاسقوں و فاجروں کیساتھ ہوگا وہ اسے بھی ضرور بیچیں گے، ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ بیچیں گے۔ بعض اوقات ہم بک چکے ہوتے ہیں لیکن ہمیں خود خبر نہیں ہوتی۔ جیسے بعض گھر ایسے ہیں جو باہر باہر بک چکے ہوتے ہیں لیکن مالک کو دو سال بعد پتہ چلتا ہے کہ میں جس گھر میں رہ رہا تھا وہ تو بک چکا ہے۔ اسی طرح فاسق و فاجر قوموں ، ملتوں اور امتوں کو کوڑیوں کے بھائو بیچ دیتے ہیں لیکن ان امتوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ جب بھی فاسد حکمران بنیں گے یہ آکر قوم کو بیچ دیں گے۔ جیسے آج ہم فروختہ شدہ ہیں ، ہمیں بیچ دیا گیا ہے اور کئی مرتبہ بیچا گیا ہے، جیسے چند سال پہلے یہ آفر ہوئی تھی کہ ایران کیساتھ گیس کا سودا نہ کرو ہم آپکو سات سو ملین ڈالر دیتے ہیں لیکن ہمیں اسکی خبر نہیں ہے اور وہ اسلئے کہ ہم جب بھی فاسقوں اور فاجروں کو ووٹ دینگے تو ایسا ہی ہوگا۔

# فروخت شدہ ملک و ملت:

امیرالمومنین ؑ فرماتے ہیں کہ فاسق کی ذات میں ہی فائدہ پہنچانا نہیں ہے وہ تجھے فروخت کردیگا اور تجھے اسکی خبر تک نہیں ہوگی۔ یہ امامت کی وہ راہنمایاں ہیں کہ جن کو ہم قبول نہیں کرتے اور اسی وجہ سے فروخت ہوچکے ہیں ، ورنہ امیرالمومنین ؑ کی راہنمایوں پر کان دھرتے اور جاگے ہوتے تو کوئی ایک دفعہ بھی ہمارا سودا نہیں کر پاتا۔ ان اڑسٹھ سالوں میں ہم شاید ایک سو بیس دفعہ بک چکے ہیں اور ہمیں اسکی خبر نہیں ہے۔ ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ دین، دنیا میں نجات کیلئے ہے۔

دہقان و کشت و جوی و خیابان فروختند

قومی فروختند و چہ ارزان فروختند

# مومن کی غلط فہمی:

ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ مومن کی مولا علی ؑ سے پہلی ملاقات قبر میں ہوگی اور وہ بھی اسلئے کہ چونکہ سارے مومن وہاں پر پھنسے ہوئے ہونگے۔ یعنی قبر میں اترنے کے بعد فرشتے آئینگے، انہوں نے دو فائلیں اٹھائی ہوئی ہونگی، جن میں مومن کے سارے اعمال درج ہونگے اور وہ کہیں گے کہ ادھر کیوں آرام سے لیٹے ہوئے ہو! اُس وقت مومن گھبرا کر اٹھے گا، دائیں بائیں دیکھے گا لیکن اُسے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ اتنی دیر میں مولا علی ؑ آجائینگے اور ملائکہ % سے کہیں گے کہ اس نے کچھ بھی کیا ہو اسکو چھوڑ دو اور ان فائلوں کو بھی بند کرو کیونکہ یہ ہمارا ہے اور فرشتے وہاں سے فوراً بھاگ جائینگے۔

مومن کو دیکھیں کہ کتنا چالاک ہے، اپنے امام ؑکو قبر کا ایڈریس دیا ہوا ہے۔ قبر تو زندگی کے اختتام پر ہوگی، پھر تم زندگی کس کیساتھ گزارو گے؟ خداوند تعالیٰ نے حضرت علی ؑ کو اسلئے امام بنایا ہے کہ وہ ہماری زندگیاں بنائیں۔ ہم نے زندگی علی ؑ کیساتھ بسر کرنی ہے۔ یہ نہیں کہنا کہ زندگی ان کیساتھ بسر کرینگے جن کو ووٹ دیا ہے۔

# امیرالمومنینؑ کا اصلی کام:

یہ ہماری بہت بڑی غلط فہمی ہے اور اسکو دور کرنا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت علی ؑ کو مجرم چھڑانے کیلئے نہیں بھیجا بلکہ جرم چھڑانے کیلئے بھیجا ہے۔ اگر انسان علی ؑ کی اقتداء میں زندگی بسرکرے تو وہ ہرگز قبر میں مجرم بن کر نہیں جائیگا۔ اصلاً مجرم نہیں بلکہ مدعی بن کر جائیگا کہ میں علی ؑ کا پیروکار آیا ہوں ، میری پوری فائلوں میں ڈھونڈو، تمہیں ایک بھی سیاہ نکتہ نہیں ملے گا کیونکہ میرا امام پاک ہے۔ سیاہ نکتے اُنکی زندگیوں میں آتے ہیں جن کے راہنما اُنکی زندگیوں میں صحیح راہنمائی نہیں کرتے۔ جن کے لیڈر درست نہ ہوں وہ قومیں پھنس جاتی ہیں اور جن کے لیڈر درست، پاک اور معصوم ہوں وہ کبھی بھی اور کسی بھی جگہ نہیں پھنستے۔

# آئمہؑ کو اپنی زندگیوں میں لائیں :

ہم نے آئمہ % کو اپنی زندگیوں سے نکال کر قبر کا ایڈریس دے دیا ہے کہ آپکی ہمیں وہاں ضرورت پڑیگی، اب ہمیں چاہئے کہ ہم ان پابندیوں کو ختم کریں اور آئمہ % کو اپنی زندگیوں میں آنے دیں ! کس طرح حضرت علی ؑ ہماری زندگی میں آئینگے؟ امیرالمومنین ؑ کے خطبے اور کلام کو اپنی زندگی میں آنے دیں اور جب آپ ؑکا ہمارے گھروں میں آنا جانا ہوجائیگا تو ہمارے گھر ہی جنت بن جائینگے۔

ہم یہ تجربہ کرکے دیکھیں ، یہ باتیں وہ نہیں ہیں جن کو سن کر سر دھنتے رہیں بلکہ ان باتوں کا تجربہ کرکے دیکھیں کہ ہم امیرالمومنین ؑ کو اپنی زندگیوں میں آنے دیں ! یعنی آپ ؑکے اصولوں ، امامت، ہدایت اور راہنمائی کو اپنی زندگی میں آنے دیں اور پھر دیکھیں کہ کس طرح گھر جنت اور یہ سوسائٹی جنت بنتی ہے؟ یہی ہماری زندگیاں جو آج جہنم بن گئی ہیں ، جس زندگی سے ہم بھاگنے کی کوشش کررہے ہیں ، یہی ہماری محبوب ترین زندگی بن سکتی ہے۔ درحقیقت علی ؑ سے تمسک نہ کرنے کی وجہ سے آج یہ حالت ہوگئی ہے اگر علی ؑ کیساتھ ہوتے تو کبھی بھی ہماری یہ حالت نہ ہوتی!

# مشکل کشائؑ کی ضرورت:

اگر ہم یہ کہتے کہ مولاؑ قبر سے پہلے ہمیں آپؑ کی ضرورت ہے تو آج ہماری یہ حالت نہ ہوتی۔ مشکل کشاء ؑکی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں مشکلات ہوں ، مشکلیں ابھی گردنوں پر پڑی ہوئی ہیں ، ہمیں مولاؑ کی یہاں پر ضرورت ہے۔ اگر ہم مشکل کشاء ؑکو بلائیں کہ ہمیں آپ ؑکی مشکل کشائی کی ضرورت ہے تو آپؑ یہ جواب دیں گے کہ میں نے تو تیری مشکل سے پہلے ہی مشکل کشائی کرکے گیا تھا، تونے تو کھول کر ہی نہیں دیکھا، اگر تو کھول کر دیکھتا تو مشکل سے پہلے ہی حل تیرے پاس موجود تھا۔ یہ وہ حکمتیں جو امیرالمومنین ؑ بیان فرما رہے ہیں ، یہی اسکا حل ہے۔

# مومن بننے کا معیار:

مومن وہ ہوتا ہے جو امن میں ہو اور جسکا امیر علی ابن ابی طالب- ہو۔ حضرت علی ؑ امیرالمومنین ہیں ، یعنی مومنوں کے امیر ہیں اور یوں نہیں کہ مومن کسی آفس سے اپنی رجسٹریشن کرالیں ، جبکہ کسی مسجد، منبر یا مولانا سے فارم لیکر رجسٹریشن کرواکر مومن نہیں ہوسکتے۔ مومن ہونے کی تصدیق بھی خود علی ؑ سے ہی کروانی ہے کہ آیا میں مومن کے زمرے میں ہوں یا نہیں ؟ اگر امیرالمومنین ؑ کہہ دیں کہ تو مومن ہے تو پھر خدا کی بارگاہ میں سجدۂ شکر کریں لیکن اگر علی ؑ نے میرا ایمان ہی رد کردیا کہ تو کیسے مومنوں میں شامل ہوگیا ہے! اس وقت مشکل بن جائیگی۔ مومن کیلئے جعلی سند اور جعلی تصدیق سے کام نہیں چلتا۔

# امیر المومنین ؑکا پہلا اعلان!

امیرالمومنین ؑ نے جب حکومت سنبھالی تو لوگوں کو کہا کہ یہ غلط فہمی پہلے ذہنوں سے دور کرلو، یہ نہ سمجھو کہ پہلے دوسرے خود بھی بیت المال کھا رہے تھے اور تمہیں بھی کھلا بھی رہے تھے اور اب میں بھی بیت المال کا دروازہ تمہارے اوپر اسی طرح کھول دونگا بلکہ فرمایا کہ میں اپنے ساتھ چھننا لیکر آیا ہوں ، جس میں مومن چھانے جاتے ہیں۔ جس طرح کسان گندم اور بھوسے کو چھانتا ہے۔ حضرت ؑ نے فرمایا کہ میں چھننا لیکر آیا ہوں تاکہ مومن اور غیر مومن کو چھان سکوں ، آپؑ نے فرمایا

’’لتغربلن‘‘

تمہیں غربال کرونگا، اس چھننے سے گزارونگا، جو گزر گیا وہ مومن اور جو اٹک گیا وہ بھوسا۔

# کفر کے چار ستون:

انسان اگر ایمان کی حالت میں ہو تو امن میں ہے، یعنی مومن ہے اور اگر امن کی حالت سے باہر چلا جائے تو یا فاجر ہے یا فاسق یا کافر۔ کافر کی تشریح خود امیرالمومنین ؑ بیان فرما رہے ہیں کہ کفریہ نظام کیا ہوتا ہے، کفریہ زندگی کیا ہوتی ہے، کفریہ ذہن و کفریہ سوچ کیا ہوتی ہے؟ اور کافرانہ انداز کیا ہوتے ہیں ؟ آپ ؑنے فرمایا کہ

’’الکفر علیٰ اربع دعائم علی التعمق و التنازع و الزیغ و الشقاق‘‘ (نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۳۱)

کفر کے چار ستون ہیں ، پہلا تعمق، دوسرا تنازع، تیسرا زیغ اور چوتھا رکن شقاق ہے۔

## ۱۔ التعمّق:

کفر کا پہلا رکن یا ستون جسکی بنیاد پر کفریہ نظام، کفریہ زندگی اور کافرانہ ذہنیت پیدا ہوجاتی ہے وہ تعمق ہے۔ یعنی ایسی بات کی بے جا طور پر کھوج لگانا جسکی کھوج لگانے کی ضرورت ہی نہ ہو۔ بعض چیزوں کے بارے میں ہم بہت زیادہ کھوج لگاتے ہیں جیسے پرانے زمانے میں کھوجی ہوتے تھے، جن کو آج کل اے سی، ڈی سی اور انویسٹی گیٹر جیسے اچھے اچھے ناموں سے یاد کرتے ہیں لیکن پہلے انکو کھوجی کہتے تھے، یعنی قدموں کے نشان سے مجرموں کی کھوج لگانیوالے۔

بعض لوگوں کو فضول کاموں کی کھوج لگانے کی عادت ہوتی ہے جیسے اگر کسی کے گھر میں کوئی مہمان آئیں تو پڑوس کی عورتوں کو بڑی تشویش ہونے لگ جاتی ہے کہ یہ کون آئے ہیں ؟ کیوں آئے ہیں ؟ کہاں سے آئے ہیں ؟ یہ رشتہ لینے آئے ہیں یا رشتہ دینے آئے ہیں ؟ وہ اس مطلب کی تہہ تک جاننے کی پوری کوشش کرتی ہیں جو اِن سے مربوط ہی نہیں ہوتا یعنی وہ چیز جس سے ہمیں کان اور آنکھیں بند کرلینی چاہئیں ، وہاں پر بند کرنے کی بجائے بے جا طور پر ان باتوں کی کھوج میں رہتے ہیں۔ یہ کفر کا پہلا رکن ہے۔

## ۲۔ التنازع:

امیرالمومنین ؑ فرماتے ہیں کہ کفر کا دوسرا رکن جھگڑالو مزاج یا جھگڑالو پن ہے، یعنی جسکے اندر جھگڑے کا مزاج موجود ہو وہ آخرکار کفر تک جا پہنچے گا۔

## ۳۔ الزیغ:

کفر کا تیسرا رکن زیغ، کج روی، انحراف، ٹیڑھا پن یا کھوپڑی کا الٹا ہونا ہے۔ یہ قرآن مجید کے ہی الفاظ ہیں کہ کچھ لوگ ہیں جن کے دلوں میں زیغ ہے جو متشابہات کو دیکھ کر انکی پیروی کرتے ہیں اور انہیں کو بنیاد بناکر پھر فتنہ ڈالتے ہیں۔ جیسے ہم بھی اپنے پروردگار سے یہ دعا مانگتے ہیں کہ

’’رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا…‘ (سورہ آلِ عمران، آیت ۸)

یعنی ہدایت پانے کے بعد سب سے بڑا خطرہ زیغ کا ہوتا ہے۔ اسلئے آپؑ نے فرمایا کہ زیغ بھی کفر کا ایک رکن ہے۔ ہدایت سے پہلے تو ویسے بھی کفر ہے، ہدایت کے بعد زیغ کا خطرہ ہوتا ہے، لہٰذا ہدایت پاکر اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ ابھی بھی خطرے میں ہیں لہٰذا خدا سے دعا مانگیں کہ

’’رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا…‘‘

اے پروردگار! اب جب ہدایت مل گئی ہے تو اسکے بعد ہمیں انحراف سے بچانا۔

## ۴۔ الشّقاق:

کفر کا چوتھا رکن شقاق ہے، یعنی اختلافات، دوریاں اور الگ ہونا۔

امیرالمومنین ؑ نے کفر کو بھی بہت انوکھے طریقے سے بیان فرمایا ہے اور وہ اسلئے کہ امامِ دین ہی دین بتا سکتے ہیں۔ فرمایا کہ آج میں ایسا اسلام پیش کرونگا جیسا پہلے کسی اور نے پیش نہ کیا ہو اور ایمان ایسے بتایا کہ پہلے ایسا کسی نے بھی نہیں بتایا، آپ بیشک تحقیق کرلیں کسی بھی مذہب کے اندر کسی نے بھی ایمان کے بارے میں ایسے نہیں بتایا۔ یہودیت، عیسائیت، نصرانیت، سبائیت، مجوسیت، ہندوازم اور دیگر جتنے بھی مذاہب ہیں ان سب کے اندر ایمان کا تصور موجود ہے لیکن کسی نے بھی ایمان اس طرح سے پیش نہیں کیا جس طرح آپ ؑنے پیش کیا ہے۔ اسی طرح آپؑ نے کفر کو بھی انوکھے انداز سے بیان کیا۔

# شعار نہیں معیار اپنانے کی ضرورت:

ہمیں چاہئے کہ ہم امیرالمومنین ؑ کے بتائے ہوئے ان معیاروں کو لیکر چلیں لیکن ہم عموماً شعاروں کو لیکر چلتے ہیں۔ اس طرح اگر کوئی فقط میری باتیں سنے تو مجھے کچھ اور سمجھے گا لیکن اگر مجھے معیاروں پر تولے گا تو مجھے کچھ اور سمجھے گا۔ ممکن ہے کہ لوگ شعاروں کے حساب سے بہت مخلص نظر آتے ہوں لیکن جب معیاروں پر تولے جائیں تو اخلاص نظر نہ آئے بلکہ وہاں پر ریاکاری یا کوئی اور چیز نظر آئے۔

ہر چیز کو معیاروں پر تولنا چاہئے جب ہر چیز آپؑ کے بتائے ہوئے معیاروں پر تولیں گے تو بہت کچھ نظر آئیگا۔ جیسے اگر کسی محفل میں کہا جائے کہ پڑھے لکھے ایک طرف ہوجائیں اور اَن پڑھ ایک طرف ہوجائیں۔ یہ الگ الگ ہوجائینگے، اُسکے بعد پڑھے لکھوں سے کہا جائے کہ اپنی ڈگریاں چیک کروائیں ، اگر ڈگریاں چیک کی گئیں تو بہت ساروں کو اسمبلی سے باہر جانا پڑیگا چونکہ معیاروں پر تولیں تو انسان کچھ اور ہوتا ہے۔

ایک عبرت کا پہلو جو کربلا کے اندر موجود ہے وہ یہ کہ ان لوگوں نے آلِ رسول ؐپر اتنا ظلم کیوں کیا؟ کسی مجلس میں ایک اہلِ سنت بھائی نے یہ سوال کیا تھا کہ جن لوگوں نے آلِ رسول ؐکو قتل کیا، جن میں عبیداللہ، عمرسعد، شمر، خولی، حرملہ وغیرہ شامل تھے، کیا یہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ یہ آلِ رسول ؐہیں ؟ اگر فرض کیا جائے کہ یہ نہیں جانتے تھے تو کیا ہوسکتا ہے کہ اتنی معروف شخصیات کو یہ لوگ نہ جانتے ہوں ؟ اور اگر وہ جانتے تھے تو پھر قتل کیوں کیا؟

یہ سب کچھ ہوسکتا ہے، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے! جب انسان دین و ایمان کے دائرے سے باہر آجائے اور فاسق، فاجر اور کافر ہوجائے تو پھر سب کچھ کرسکتا ہے۔ چونکہ فاجر وہ ہوتا ہے جو ہر چیز کو کوڑیوں کے بھائو بیچ دے اور یہ لوگ جو قاتل بن کر آئے، انہوں نے دین کوڑیوں کے بھائو بیچ دیا تھا۔

ان قاتلوں میں ایک قاضی شریح بھی ہے جو امیرالمومنین ؑ کے دورِ حکومت میں بھی قاضی رہا تھا اور پھر سید الشہداء ؑ کے زمانے تک یہ بنوامیہ کا قاضی رہا۔ اس نے فتویٰ دیا کہ یزید ہی امیرالمومنین ہے اور امام حسین ؑ نے امیرالمومنین کیخلاف بغاوت کی ہے اور جو امیرالمومنین کیخلاف بغاوت کرے اُسکی سزا قتل ہے۔ کربلا کا یہ پہلو بہت عبرتناک ہے لیکن اصل ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم کربلا کا ذکر تو کثرت سے کرتے ہیں لیکن عبرتیں نہیں لیتے۔

71\_03\_AHYA-E-DEEN

احیاء دین ناب و ولایت فریضۂامامت

# امامت عہدِ خداوند تعالیٰ:

آئمہ ہدیٰ ؑ کی ولادت و شہادت کے ایام اور عید ِغدیر جیسے ایام درحقیقت انسان کو باربار عہدِ امامت یاد دلاتے ہیں چونکہ قرآن مجید کے بقول امامت اللہ تعالیٰ کا عہد ہے اور اُس عہد تک پہنچنے کیلئے خداوندتبارک و تعالیٰ نے ذریت ِحضرت ابراہیم ؑ سے اس پاک و طیّب خاندان کو انتخاب کیا ہے۔

حضرت ابراہیم ؑ کو جب خداوند تبارک وتعالیٰ نے مختلف آزمائشوں اور امتحانوں میں ڈالا اور آپ ؑنے اُن آزمائشوں کو پورا کیا تو اُس کے بعد خداوندمتعال نے آپؑ کو عہدۂ امامت عطا فرمایا اور جب خداوندتعالیٰ نے یہ بشارت دی کہ آپؑ کو امامت عطا کی گئی ہے، یعنی بشریت کی ہدایت کا منصب عطا کیا ہے۔ تب حضرت ابراہیم ؑنے خداوندتعالیٰ سے اپنی ذریت کے لئے بھی دعا مانگی کہ یہ عہد میری ذریت میں بھی جاری رہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم ؑکو ذریتِ ابراہیم ؑ میں امامت کے جاری رہنے کے لئے ضابطہ بیان فرمایا کہ امامت عہدِ خدا ہے اور ظالم اس عہد تک نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی آپؑ کی ذریت میں ہر وہ شخص جس کی ذات، عمل اور زندگی میں ذرہ برابر بھی ظلم کارفرما ہوگا وہ عہدِ امامت تک نہیں پہنچ سکے گا لیکن وہ جو ظلم کے ہر مصداق سے پاک و منزہ ہوگا خداوند تعالیٰ اُسے یہ عہد ِ امامت عطا کریگا اور وہ حاملِ منصبِ امامت ہوگا۔

# امام یا مدرّس:

ذریتِ حضرت ابراہیم ؑمیں قیامت تک عہدِ امامت جاری ہے اور اس سلسلے کی ایک اہم کڑی حضرت امام محمد باقر ؑ ہیں۔ آپ ؑکی شخصیت، آپؑ کی علمیت، آپؑ کا زمانہ، اُس زمانے کے مسائل و مشکلات، اُس وقت کی حکومتیں اور آپؑ کے ساتھی، یہ سب مل کر امام باقر ؑ کے حالات یا امام باقر ؑ کے موضوع سے متعلق امور کو تشکیل دیتے ہیں۔

حضرت امام محمد باقر ؑ اور حضرت امام جعفر صادق ؑ کے عموماًاسمائے گرامی جب پڑھنے یا سننے میں آتے ہیں تو شیعہ کے ذہن میں فوراً ایک بہت ہی اعلیٰ سطح کے مدرّس کا تصور گھومنا شروع ہوجاتا ہے اور وہ اس لئے کہ اِن دو ہستیوں کی تصویر تاریخ اور آئمہ ؑ کے پیروکاروں نے اس طرح سے ہی پیش کی ہے کہ تمام آئمہ ہدیٰ ؑ میں تدریس کی فرصت ان ہستیوں کو نصیب ہوئی ہے اور انہوں نے بھرپور طریقے سے اپنے زمانے میں درسی نظام قائم کئے، دانشگاہیں قائم کیں ، فقہ و فقاہت کو عام کیا اور لوگوں کو معارفِ اسلامی پڑھائے۔ البتہ ایسا ہی ہے، تاریخ نے بے جاء نہیں کہا، ان دو ہستیوں نے اپنے عہد میں معارفِ دینی کو اچھے طریقے سے پڑھایا، سمجھایا اور اس سلسلے میں بڑی شخصیات و شاگرد تربیت کئے لیکن اسی عنوانِ تدریس کے پیچھے جو اصل عہدۂ امامت ہے وہ بعض اوقات نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے، ہم بھول جاتے ہیں اور ہم صرف مدرّس کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جبکہ وہ اصل میں امام ہیں اور ہمارے سامنے جو شخصیت ہے حاملِ منصبِ امامت ہے اور ہمیں ایک امام سے سروکار ہے۔

# امامت کا قرآنی تصوّر:

امام محمدباقر ؑ کواگر ہم بحیثیتِ مدرس یا بحیثیتِ استاد نگاہ کریں گے تو ایک خاص تصویر ہمارے ذہن میں قائم ہوگی اور اگر بحیثیتِ امام نگاہ کریں تو ایک اور شخصیت یا تصور ذہن میں قائم ہوگا۔ اگرچہ اس وقت امامت کا حقیقی، قرآنی یا الٰہی تصورجس طرح سے واضح ہونا چاہئے اُس طرح سے واضح نہیں ہے اور حتیٰ مکتبِ امامت سے تعلق رکھنے والوں کے لئے بھی واضح نہیں ہے۔ دوسروں سے تو ویسے بھی توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ امامت کی حقیقت کو درست طریقے سے درک کرتے ہوں یا سمجھتے ہوں۔

امام باقر ؑ کوجس عہد میں خداوند تبارک وتعالیٰ کی جانب سے منصب ِ امامت عطا ہوا وہ عہد اپنی نوعیت میں بہت منفرد ہے۔ ایسا زمانہ جس میں دنیائے اسلام کے اندر بہت بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے اور تاریخ کا رُخ موڑا۔ ایک نکتۂ عطف کے بعد عہدِ امامتِ امامِ باقر ؑ شروع ہوتا ہے۔ نکتۂ عطف جسے انگریزی میں ٹرننگ پوائنٹ کہتے ہیں۔

# اُمت کا انقلابِ عقبی:

تاریخ کے اندر ایسے لمحے موجود ہیں یا ایسے اوقات موجود ہیں جہاں سے رُخ مُڑا اور تاریخ کا دھارا تبدیل ہوا۔ اُمت کسی سمت جارہی تھی اور وہاں سے اس کا رُخ موڑ دیا گیا۔ بارہا ایسے ہوا ہے۔ جس طرح امیر المومنین ؑ نے اپنے عہدِ حکومت میں لوگوں سے یہ فرمایا کہ آپ کا رُخ مُڑ گیا ہے اور تمہاراواپس جاہلیت کی طرف رُخ ہوگیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمہارا رُخ ہدایت کی طرف موڑا تھا اور دوسروں نے یا تم نے خود جاہلیت کی طرف رُخ کرلیا ہے جس کو ہم یو ٹرن کہتے ہیں۔ جہاں سے آئے تھے لوٹ کر واپس وہیں پر پہنچ گئے ہو۔ اب دوبارہ تمہیں وہاں سے حرکت دینے کی ضرورت ہے اور اس مقام تک پہنچانے کی ضرورت ہے جس مقام سے تم واپس پلٹے ہو یعنی ہدایت کے نکتۂ اوج و عروج سے جاہلیت تک پہنچے ہو، اب رہبر و پیشوائے اُمت کوتمہیں دوبارہ اُس نکتۂ ہدایت تک واپس لانا ہے۔

# بنو اُمیہ کا دور:

تاریخِ اسلام میں اہم ترین واقعہ جس نے امت اور دین کارُخ موڑا وہ بنوامیہ کی حکومت کا دورہے کہ یہ تدریجاً اُس تک پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد ایسے واقعات پے در پے رونما ہوئے جنہوں نے بنو اُمیہ کے لئے میدان ہموار کیا یا بنو اُمیہ جس فرصت اور موقع کی انتظار میں تھے وہ اُنہیں میسر آگیا۔ ان حالات نے آسانی سے بنو اُمیہ کو وہ فرصت عطا کردی۔ بنو اُمیہ کا دور میدان ہموار ہونے کے بعد شروع ہوا جب امیرِ شام نے امام حسنؑ کے بعد خلافت و حکومت قائم کی۔ اس سے پہلے جو کچھ ہوا وہ بنواُمیہ کیلئے مقدمہ، میدان سازی اور زمینہ سازی تھی۔

حکومتِ بنو اُمیہ صرف ایک حکومتی تبدیلی کا نام نہیں تھا بلکہ خط اور جہت کی تبدیلی کا نام تھا اور باقاعدہ ہر وہ چیز بدلنے کا نام تھا جو پہلے سے باقی تھی یا چلی آرہی تھی۔ حکومت و اقتدار تک پہنچنے کیلئے بنو امیہ نے ایک اہم ترین کام یہ کیاکہ دین میں تحریف کی، یعنی اُصولِ دین، معارفِ دین اور خطوطِ دین کو تبدیل کیاجو خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں مقرر فرمائے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے تھے۔

# بنو اُمیہ کی قیامت تک حکمرانی کا منصوبہ:

اس کیلئے انھوں نے ایک بڑی تبلیغی مشینری ایجاد کی جس کی مدد سے جہاں دیگر سیاسی اور عسکری کام کرتے رہے اُس کے ساتھ ساتھ تبلیغی مشینری کی مدد سے دین کے خطوط کو مکمل طور پر بدل دیا، جس سے اُنہیں حکومت قائم کرنے میں بھی آسانی ہوئی اور حکومت کو جاری رکھنے میں بھی آسانی ہوئی۔ اُس وقت اسلامی دنیا کا دائرہ بہت پھیل چکا تھا، بنو اُمیہ کو جب اقتدار ملا تو جغرافیائی، جمعیت، اقتدار اور وسائل کے لحاظ سے اسلامی سلطنت یا مسلمان سلطنت بہت وسیع ہوچکی تھی، ہر پہلو سے مملکت و سلطنت کا دائرہ پھیل چکا تھا۔ اتنی طویل و عریض سلطنت بنو اُمیہ کے اختیار میں آگئی اور انہوں نے حکومت لینے کے بعد اُس کی بنیادیں مضبوط کیں ، وہیں سے شروع کیا کہ ہم نے صدیوں حکومت کرنی ہے یا ہمیشہ کے لئے حکومت کرنی ہے اور ایسے مقدمات فراہم کئے، ایسا ماحول و ایسی زمینہ سازی کی جس سے اہلِ فہم لوگوں کویہ اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ ایک دراز مدت منصوبہ ہے۔ یہ ایک یا دو دور عہد گزارنے کے لئے نہیں بلکہ کئی صدیوں تک حکومت اپنے اختیار میں رکھنے کی پلاننگ ہے۔

# بنو امیہ کے خود ساختہ دین کا نتیجہ:

اُس وسیع منصوبے میں اہم ترین کام انہوں نے دین کی تحریف اور دین کی تاویل اور دینی معارف کو اپنی من پسند شکل دینے کی صورت میں انجام دیا جس سے انھوں نے بہت سے بڑے بڑے واقعات انجام دئیے جو بڑی آسانی سے بغیر کسی دشواری کے کر گزرے۔ واقعۂ کربلا آج بھی ہر انسان کو تعجب پر اُکساتا ہے کہ یہ واقعہ کیسے ہوسکتا ہے؟ سید الشہداء امام حسین ؑ جیسی شخصیت، آپؑ کا اُمت کے اندرذاتی مقام، دین کے اندر آپؑ کا مقام، آپؑ کا رسول اللہ ﷺ سے تعلق اور وہ اجتماعی و سماجی حیثیت جو آپؑ کو حاصل تھی اُس سب کو اگر نظر میں رکھیں اور پھر جو کچھ کربلا میں ہوا اُسے دیکھیں تو بہت ہی تعجب انگیز واقعہ ہے کہ یہ کیسے ہوا؟ اور بنوامیہ نے آسانی سے یہ کام کردیا!

کربلا کا حادثہ اور امت کی بے حسی:

تعجب اس پر نہیں ہوتا کہ انہوں نے سید الشہداء ؑ کو اپنے ساتھیوں سمیت کیسے شہید کردیا۔ تعجب اس بات پر تھا کہ اتنی بڑی وسیع و عریض اسلامی سلطنت، اتنی وسیع اُمت اور اس کی موجودگی میں اُمت کے امام کو کتنی آسانی سے شہید کردیا اور کچھ بھی نہیں ہوا۔ جیسے عامیانہ محاورے میں کہا جاتا ہے کسی کے کان پر جُوں تک نہیں رینگی۔ کسی نے کوئی ردِ عمل نہیں دکھایا۔ ہر شعبہ معمول کے مطابق اپنا کام کررہا تھا، کوئی چیز متأثر نہیں ہوئی اور اتنی سادگی سے یہ کام کر گزرے۔ اس عمل کے بعد یا اس عمل کے دوران اُنہیں کیوں کوئی بڑے بحران کا سامنا نہیں کرنا پڑا؟ کہیں پر کوئی احتجاج نہیں ہوا، کہیں سے کوئی اعتراض نہیں ہوا، خواص نے بھی مذمت نہیں کی، اُن کابائیکاٹ نہیں کیا، عوام نے کوئی ردِ عمل نہیں دکھایا، کہیں شورش اور بغاوت نہیں ہوئی، دمشق پر کوئی حملہ نہیں ہوا حتیٰ کوفہ میں بھی کچھ نہیں ہوا۔ کوفہ میں بالکل معمول کے حالات تھے۔ کربلا کے واقعہ کے بعد کے جو حالات تھے خصوصاً آلِ رسول ؑ کو جس حالت میں اسیر کرکے شہروں ، آبادیوں ، درباروں اور بازاروں میں گزارا گیا، اُس کے بعد بھی لوگوں نے کوئی ردِ عمل نہیں دکھایا!

# واقعہ کربلا کیلئے زمینہ سازی:

یہ سب کیوں ہوا؟ اس وجہ سے کہ اس سارے عمل کا میدان پہلے سے بنایا گیا تھا۔ پہلے یہی کچھ کرنے کے لئے تیاری کی گئی تھی۔ لوگوں کی ذہنی، دینی، ایمانی حالت اور لوگوں کی دین شناسی و اسلام شناسی کے اندر اتنا تصرف کیا گیا تھا اور اُس میں اتنی تبدیلی لائی گئی تھی کہ یہی ہونا تھا، کربلا کا واقعہ ہوا اور ہر شہر میں لوگ بالکل معمول کے مطابق بالکل چین و آرام سے مصروف رہے، کوفہ، بصرہ، مصر، مدینہ اور مکہ سمیت تمام اسلامی مراکز سے کوئی ردِ عمل سامنے نہیں آیا۔ جبکہ اُس وقت امت کے اندر بڑی نامور شخصیات موجود تھیں اُنہوں نے کسی قسم کا کوئی ردِ عمل نہیں دکھایا، کوئی جلسہ، کوئی میٹنگ، کوئی ردِ عمل، کوئی دھمکی یا کسی قسم کے جذبات کا بھی اظہار نہیں کیا، کچھ بھی نہیں ہوااور خاموشی کے ساتھ یہ عمل کیا اور دوسرے لفظوں میں اپنی حکومت کو بھی مزید مضبوط کرلیا، یعنی اپنے راستے سے ایک مضبوط خطرے اور رکاوٹ کو ہٹا دیا۔

# کربلا، حق و باطل میں جدائی کا پیمانہ:

لوگوں کی نفسیات اور حالات پرکھنے کیلئے کربلا ایک پیمانہ ہے کہ کربلا جیسا واقعہ ہوتا ہے اور لوگ ردِ عمل نہیں دکھاتے۔ امت کو کیا ہوگیا جو اتنی خاموشی اختیار کی، بنو اُمیہ حکومت کے بارے میں واضح تھا کہ وہ اپنے اقتدار کو ہر قیمت پر قائم رکھنا چاہتے تھے اور اقتدار کی مضبوطی کے لئے ہر قدم اُٹھانے کے لئے تیار تھے، مکر و مکاری اور خونخواری کے ساتھ ہر کام کرنے کے لئے تیار تھے اورکر کے دکھایا لیکن عام لوگ، عام مسلمان، علماء، مختلف طبقات کے لوگ، تُجّار، خواص اور متدینین سب خاموش رہے۔

آج پاکستان کے اندر بھی بڑے بڑے واقعات ہورہے ہیں اور پوری دنیا میں بھی ہورہے ہیں لیکن لوگوں کی عمومی حالت تعجب انگیز ہے کہ بڑے سے بڑے حادثے پر بھی کوئی ردِ عمل یاعکس العمل نہیں دکھاتے، لوگ ہر قسم کی صورتحال سے ہم آہنگ رہنے کے لئے نفسیاتی طور پر تیار ہیں۔ کسی بھی ناپسندیدہ صورتحال کے لئے ذہنی طور پر تیار ہیں کہ جو کچھ ہوجائے ہم نے ان حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرلینا ہے۔ ہم نے وہاں پر کسی مشکل کے بغیر اپنے آپ کو ہم آہنگ کرلینا ہے۔ اگر ظاہری اور دنیوی مسائل اور مشکلات ہوں تو لوگ ان کے ساتھ بھی سمجھوتے کے لئے تیار ہیں اور اگر معنوی مسائل ہوں تو اُن کے ساتھ بھی سمجھوتے کے لئے تیار ہیں۔

# حالات بدلنے میں حکمران و علماء کا کردار:

اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے اندر جو یہ موجودہ کیفیت ہے کہ ہر قسم کے نامطلوب حالات کے ساتھ سازگار رہنے کے لئے آمادہ ہیں ، یعنی انہیں ایسا بنایا گیا ہے۔ یہ حالات خودبخود پیدا نہیں ہوتے بلکہ محسوس اور غیر محسوس طور پر بنائے جاتے ہیں اور ایسے حالات بنانے کے لئے دو دستگاہیں اوردو سسٹم زیادہ مؤثر ہیں ، ایک حکومتی دستگاہ جس میں حاکمیت اور حکمران طبقہ ہے اور دوسرا دینی درسگاہ، اہلِ علم و علماء و مدارس جنہوں نے لوگوں کو دین سکھانا، پڑھانااور دین کی تفسیر کرکے لوگوں کے سامنے پیش کرنی ہے۔ پس لوگوں کو کسی بھی عکس العمل کے لئے تیار کرنے کے لئے یہ دو دستگاہیں ہوتی ہیں یا حکومت لوگوں کو آمادہ کرتی ہے یا دین تیار کرتا ہے۔

اگر دین و حکومت دونوں ایک کام کریں اور وہ یہ کہ لوگوں کے اندر سے اُن کی روح نکال لیں ، اُن کے جذبات اور احساسات سلب کرلیں اور اُن کا رُخ بدل دیں اوراس طرح کا دین اُن کو سکھائیں جس دین میں ردِ عمل نام کی کوئی چیز موجود نہ ہو بلکہ ردِ عمل ممنوعہ چیز ہو اور اُن سے فرائض، عہد اور ذمہ داریاں اٹھاکر اُس کی بجائے اُنہیں سرگرم رہنے کیلئے بنامِ دین اور چیزیں بتا دی گئی ہوں تولوگ مطمئن ہوتے ہیں کہ ہم دین کے تقاضے پورے کررہے ہیں اور جس عکس العمل کی ہم سے توقع ہے اس کا سرے سے دین سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے بلکہ وہ سیاست اور دنیا ہے اور ہمارے دین کا اُس دنیایا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس طرح خصوصاً آج پاکستان میں ہورہا ہے۔

# حج ابراہیمی ؑ کی ضرورت:

پوری دنیا کے مسلمان سالانہ حج کرتے ہیں اور پوری تسلی اور اطمینان کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں کہ ہم نے ایک مقبول حج انجام دیا ہے اوراعلیٰ عبادت انجام دے کر لوٹ آئے ہیں ، لوگ اُنہیں مبارکباد دیتے ہیں اورحاجی کے اندربھی اوجِ تدیّن کا احساس پیدا ہوتا ہے اور یہ اس لئے کہ جو حج کی تصویر و تفسیر اس کو بتائی گئی ہے وہ اُس کے مطابق بغیر کسی کمی یا کوتاہی کے مکمل حج کر کی آیا۔ حج کے دوران معمولی مسائل کا بھی خیال رکھا ہے، اُس نے کثرت سے نمازیں پڑھیں ، کثرت سے قرآن مجید پڑھا، کثرت سے عمرے کئے، کثرت سے طواف کئے اور کثرت سے دیگراعمال بجا لایا ہے، جو چیز بھی اُسے بتائی گئی تھی کہ یہاں سے انسان کو ثواب نصیب ہوتا ہے اُس نے اُسے دلچسپی کے ساتھ انجام دیا ہے۔ یہ ہر سال حاجی حج کرکے لوٹ آتے ہیں اورحج ان کے اندر یہ احساس پیدا کررہا ہے کہ آپ نے ایک نہایت اعلیٰ عبادت و بندگی کی ہے، سب سے افضل گھر کعبہ ہے جس کا طواف کرلیا ہے، سب سے افضل مقام صفا و مروہ ہے جس میں آپ نے سعی کی ہے، مقاماتِ ابراہیم ؑ میں پہنچے ہو اور منیٰ میں جاکر قربانیاں کی ہیں ، ہر کام کرکے اب اپنے اوج پر واپس آگئے ہو اور یہ تدیّن انسان کے اندر اتنا راسخ ہوجاتا ہے کہ واپس آکر بھی اُس کے لئے یہ حج بہت بڑا نظر آتا ہے۔

# شیطان کو کنکریاں مارنا، ایک تربیتی مشق:

اگرچہ یہ سب کچھ ہوا ہے لیکن اس حج میں ردِ عمل شامل نہیں ہے بااینکہ حج کے اعمال میں اگر غور کریں تو وہ سراپا ردِ عمل ہے۔ حاجی کو ایک کام جو دیا جاتا ہے وہ شیطان کو کنکری مارنا ہے۔ ترتیب اور منصوبے کے تحت یہ کام ہوتا ہے، یوں نہیں کہ وہاں پہنچ کر اچانک جذبات میں آکربپھر جائیں اور نعرے لگائیں بلکہ باقاعدہ پلاننگ کے ساتھ آپ نے ایک وادی میں جمع ہوکرباقاعدہ گِن کر کنکریاں اُٹھانی ہیں ، اتنی دفعہ آپ نے سنگباری کرنی ہے، اتنے دن تک کرنی ہے، اتنی دفعہ کرنی ہے اور سب نے مل کر کرنی ہے۔ یہ ایک ردِ عمل اور عکس العمل ہے، یہ ایک مشق ہے جو حاجی کو کرائی جارہی ہے تاکہ جب کسی اور جگہ پر ردِ عمل کا وقت آجائے تو یہ حاجی اُس کیلئے تیار ہو لیکن حج کی تصویر ایسی پیش کی گئی ہے کہ وہ اسی مشق کو ہی سمجھتا ہے کہ یہی آخری و اختتام ہے۔

# علامتی شیطان پر سنگ باری مگر طاغوت سے سمجھوتہ:

سیمنٹ کا شیطان حقیقی شیطان نہیں بلکہ ایک علامتی شیطان ہے، یہ علامتی شیطان اس لئے کھڑا کیا گیا ہے تاکہ ہم سے علامتی شیطان پر علامتی طور پر سنگباری کروائی جائے اور اس کے ذریعے حقیقی شیطان سے نبرد کیلئے آمادگی پیدا کی جائے۔ صدیوں سے حج ہورہا ہے اور پاکستان سے ہی کروڑوں افرادحاجی ہوچکے ہیں اور بعض بڑے فخریہ انداز میں کہتے ہیں کہ ہم چالیس، پچاس یا ساٹھ حج کرچکے ہیں اوراتنے عمرے بھی کرچکے ہیں۔ یہ کروڑوں حاجی اُس علامتی شیطان کو کنکری مار کر آجاتے ہیں لیکن اپنی سرزمین پر جب پہنچتے ہیں توحقیقی شیطان اور حقیقی شیطنت کے خلاف کوئی ردِ عمل نہیں دکھاتے۔ اس کی یہ حالت کیسے بنی؟ اس کی یہ حالت تبلیغی مشن نے بنائی ہے، جو دین تبلیغ کیا گیا ہے اور جو دین تفسیر کیا گیا ہے درحقیقت اُس نے لوگوں کے اندریہ حالت پیدا کی ہے کہ کروڑوں لوگ سالانہ حج اور عمرے پر جاتے ہیں اورواپس اپنے اپنے علاقوں میں جاکر پھر سابقہ معمولات میں دوبارہ واپس چلے جاتے ہیں۔ وہاں پر توشیطان کو پتھر مار کر آتے ہیں لیکن اپنے علاقوں میں آکرطاغوت سے سمجھوتہ کرلیتے ہیں۔ شیاطین کے کسی عمل کے مقابلے میں ردِ عمل نہیں دکھاتے اوروہ اس لئے کہ یہ دین ردِ عمل دکھانے والا ہی نہیں ہے۔

# ہر فرقے میں بنو امیہ کا د ین:

آج پوری دنیا کے مسلمانوں کا جس دین سے سروکار ہے وہ بنوامیہ کا بنایا ہوا ہے، فرق نہیں پڑتا کہ انسان کس عقیدے میں ہے، جیسے اس وقت شیعہ بھی حج پر جارہے ہیں اور سُنی بھی جا رہے ہیں ، حج کے دوران ایک کا ایک بازو ننگا ہوتا ہے اور دوسرے کا ننگا نہیں ہوتا، ایک چھت والی بس میں بیٹھنے کو جائز سمجھتا ہے، دوسرا چھت والی بس میں بیٹھنے کو جائز نہیں سمجھتا لیکن سب کے سب ردِ عمل میں آکر شریک ہیں۔ شیعہ بھی علامتی شیطان کو سنگباری کرتا ہے اور واپس آکر بالکل معمولی ہے اور سُنی بھی علامتی شیطان پرسنگباری کرکے واپس آجاتا ہے اور آکر معمولی ہے، یعنی واپس آکر دونوں کی حالت یکساں ہے، اُن کی شیطان سے کوئی مخالفت یا دشمنی نہیں ہے۔ جب پوچھا جائے کہ وہ کام کیوں کیا تھا تو کہتے ہیں کہ وہ مناسکِ حج میں لکھا ہوا تھا اور وہ ثواب کے لئے کیاہے، یعنی وہ کام شیطان کوسرکوب کرنے اور شیطنت کو ختم کرنے کے لئے نہیں کیا بلکہ کہا گیا تھا کہ ثواب ہے اس لئے یہ کام کیا! سب ثواب کے پیچھے ہیں لہٰذا کوئی فرق نہیں پڑتا کہ شیعہ حج کرکے آئے یا سُنی۔

صدیوں سے جو حج ہو رہا ہے اُس میں مجموعی طور پر اُمت کی ایک ہی ذہنیت بن جاتی ہے کہ میں بخشا گیا ہوں اورمیں نے اعلیٰ ترین بندگی کرلی ہے، جنت میں بکنگ بھی کنفرم ہوگئی ہے، اب مجھے کسی قسم کی پریشانی نہیں رہی، ہر مسئلہ حل ہوگیا ہے جبکہ اس حج کے ذریعے جو کچھ ہونا تھا، اُس کا شائبہ بھی اس کے اندر پیدا نہیں ہوا!

# فلسفۂ حج:

حج سب سے پہلے انسان کوچند چیزوں پر اُکساتا ہے جوکہ قربانی، ردِ عمل اور قیام ہیں۔ کعبہ کے بارے میں خدا وندتعالیٰ کا فرمانا ہے کہ یہ’’ قیاماً للناس‘‘ ہے یعنی یہ قیام کی جگہ ہے۔ یہ پوری اُمت کے لئے قیام کا گھر ہے لیکن حج کو اپنی اصل روح سے دور کر دیا گیا ہے، اگرچہ حج کا ڈھانچہ وجسم اپنی جگہ قائم ہے لیکن اس میں روح نہیں ہے اور اس کو امام باقر ؑ نے سب سے بہتر بیان کیا ہے۔

# حج کاظاہری ڈھانچہ:

شبلی کے نام سے ایک شخص امام باقر ؑ کے پاس آیااور کہا کہ میں حج کرکے آیا ہوں۔ آپؑ نے پوچھا کہ میقات پر گئے ہو؟ کہا! جی میقات پر گیا ہوں۔ آپؑ نے پوچھا احرام باندھا تھا؟ اُس نے کہا جی! باندھا ہے۔ آپؑ نے پوچھا کہ غسل کیا تھا؟ اُس نے کہا کہ جی! کیا تھا۔ آپؑ نے پوچھا کہ تم نے لبیک کہا؟ جی! لبیک کہا تھا۔ اس طرح سے آپؑ نے سارے اعمال ایک ایک کر کے پوچھے کہ تم نے کعبہ کا طواف کیا؟ سعی کی؟ وقوف انجام دیا؟ مشعر میں گئے؟ سنگباری کی؟ سر منڈھوایا؟ اور منیٰ میں گئے؟ اُس نے سب کا جواب دیا کہ جی میں یہ سب کر کے آیا ہوں !

حج کی حقیقت و روح:

آپؑ نے جب دیکھا کہ حج کا ڈھانچہ مکمل ہے تو اب آپؑ نے روح پوچھی کہ جب تم میقات پرحاضر ہوئے تھے تو تیرے ذہن میں یہ احساس تھا کہ میں وعدہ گاہِ خدا پر آیا ہوں ؟ اُس نے کہا نہیں ! میری اس طرف تو توجہ نہیں تھی۔ آپؑ نے فرمایا کہ جب تُم غسل کر رہے تھے تو تیرے ذہن میں یہ تھا کہ میں لباسِ معصیت اُتار کر لباسِ اطاعت پہن رہا ہوں ؟ اُس نے کہانہیں ! یہ تو میرے ذہن میں تصور نہیں تھا۔ آپؑ نے فرمایا کہ جب تم احرام باندھ کر لبیک کہہ رہے تھے تو ذہن میں یہ تصور تھا کہ اے پروردگار! تُو نے بلایا ہے اور میں سب کچھ چھوڑ کر تیری بارگاہ میں قربانی دینے کیلئے حاضر ہوگیا ہوں ؟ اُس نے کہانہیں مولا! میرے ذہن میں یہ تصورتو نہیں تھا۔ اسی طرح آپؑ ایک ایک کرکے پوچھتے رہے کہ جب یہ عمل کررہا تھا تو یہ ارادہ اور یہ نیت کی تھی؟ اُس نے کہاکہ نہیں ! میری توجہ اس طرف نہیں گئی۔ یعنی آپؑ نے روحِ حج کے بارے میں دریافت کیا اور پتہ چلا کہ اس حج میں روح مکمل مفقود تھی لہٰذا آپؑ نے فرمایا کہ ’’ماحَجَجْتَ‘ ‘ یعنی تم نے حج نہیں کیا بلکہ فقط سیر سپاٹا اور تفریح کی ہے۔ جب تک حج کے اندر یہ معنی، یہ روح اور یہ حقیقت موجود نہ ہو، اُسے حج نہیں کہتے۔ اُس وقت یہ متوجہ ہوا اوراسے احساس ہوا کہ حقیقتاً میں نے تو حج نہیں کیا۔

# مفقود حج کی تلافی!

امام ؑ سے اُس نے پوچھا کہ اب میں اس کی کیسے تلافی کروں ؟ اگر میں صدقہ وخیرات دوں اوراپنا مال و دولت فقراء میں تقسیم کردوں توکیا تلافی ہوجائے گی؟ آپ ؑنے فرمایا نہیں۔ آپ ؑنے ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ یہ پہاڑی اگر مکمل سونے کی ہوجائے اور وہ سارا سونا تیرا ہو اور وہ سارا سونا تم راہِ خدا میں دے بھی دو توپھر بھی جو کمی حج میں چھوڑ آئے ہو اُس کی تلافی نہیں ہوسکتی، وہ فقط حج ہی کے ذریعے سے ہوسکتی ہے۔ جب یہ متوجہ ہوا تو عرض کرنے لگا کہ آپؑ میرے لئے دعا کریں کہ خدا مجھے زندہ رکھے اور آئندہ سال میں جاکر ویسے حج کروں جیسے آپؑ نے بیان فرمایا ہے!

امام محمد باقر ؑ نے اُس شخص کو متوجہ کیا کہ یہ جوتم نے حج کیا ہے یہ حج نہیں بلکہ یہ حج کی شکل، حج کی اداکاری، حج کا ڈھانچہ، حج کا جسم ہے اور حج کا ظاہر ہے، اس کے اندر روحِ حج نہیں ہے اور جب تک حج کی روح حج کے اندر نہ ہو، حج اپنا اثر نہیں دکھاتا۔ بلکہ یہ ڈھانچہ ذہن میں یہ توھّم پیدا کردیتا ہے کہ میں حج کرکے آیا ہوں اورحج کے سارے اثرات اب میرے وجود میں قائم ہوچکے ہیں۔

# قیامت تک حاجیوں کیلئے پیغام:

امام ؑنے فقط شبلی کو یا ایک شخص کو اصل حج کی طرف متوجہ نہیں کیا بلکہ قیامت تک آنے والی تمام نسلوں کو اصل حج کی طرف متوجہ کیا۔ ہم نے ایک کتاب اسرارِ حج کے نام سے تالیف کی ہے جس میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور خصوصیت کے ساتھ امامؑ نے یہ نکتہ جو ذکر فرمایا ہے کہ تم جب علامتی شیطان پر سنگباری کررہے تھے اُس وقت تیرے ذہن میں یہ نیت تھی کہ ایک دن میرا حقیقی شیطان سے سروکار ہوگا اور میں حقیقی شیطان سے حقیقی نبرد بھی ایسے ہی کروں گا؟ شبلی نے کہا! نہیں یہ تومیرے ذہن میں نہیں تھا اور آپؑ نے فرمایا کہ پھر تم نے حج ہی انجام نہیں دیا بلکہ تفریح کر کے آئے ہو!

# احیائے دین فریضۂ امامت:

آپؑ نے فقط ایک مدرس کی حیثیت سے درس نہیں دیا بلکہ یہ امامت کا اہم ترین فریضہ تھا اور امامت کا اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ جب دین میں تحریف ہوجائے، جب دینی معارف کو بگاڑ دیا جائے اور وہ دین جو لوگوں کی نجات کا ذریعہ ہے اُس کی روح نکال کر اُسے لوگوں کی ذلت کا سبب بنا دیا جائے تب امام ؑکا ایک فریضہ احیائے دین ہے۔ پیشہ ورانہ تدریس نہیں کہ اتنے شاگردوں کو روز پڑھاناہے اور اتنے درس روز پڑھانے ہیں۔ جب ایک امام تدریس کررہے ہوں تووہ تدریس نہیں ہوتی بلکہ امامت ہوتی ہے چونکہ امام دائماً مشغولِ امامت ہوتے ہیں۔

# مدرّس کی کارکردگی:

امامِ محمدباقر ؑ امام ہیں لیکن ہم بھول جاتے ہیں اور امامت کی کرسی سے اُتار کرمسندِ مدرس پر لے آتے ہیں اور پھر یہیں سارے فضائل جمع کرکے بیان کردیتے ہیں کہ آئمہؑ کے اتنے شاگرد تھے، آپؑ کے اتنے اقوال ہیں اور آپؑ نے اتنے مناظرات کئے جو ایک مدرس کی اعلیٰ کارکردگی ہے۔ ایک بہترین مدرس کی اعلیٰ ترین کارکردگی یہ ہوتی ہے جب اُس کے شاگرد زیادہ ہوں ، جب وہ پڑھاتا بہت اچھا ہو، جب اُس کے شاگرد بہت اچھاپڑھتے ہوں اور اس کے شاگرد پڑھ کر وہ سارے کوئی قاضی القضاۃ لگ جائے، کوئی امامِ جمعہ ہوجائے، کوئی امامِ جماعت ہوجائے، کوئی خودہی بڑا راوی اور نامدار فقیہ بن جائے۔ یہ ایک مدرس کی اعلیٰ کارکردگی ہوتی ہے لیکن یہ ایک امام کی اعلیٰ کارکردگی شمار نہیں ہوتی۔

# امام کی کارکردگی:

ایک امام کی کارکردگی یہ ہے کہ وہ دین جس کو بنو اُمیہ نے مار دیاتھا اُسے دوبارہ زندہ کرے۔ دین کی موت جسدِ دین کے گرانے کو نہیں کہتے بلکہ دین کی موت روحِ دین نکل جانے سے واقع ہوتی ہے۔ اگر بنو اُمیہ دین کے جسد کو چھیڑتے، یعنی دین کے ڈھانچے کو چھیڑتے تو لوگ عکس العمل دکھاتے، چونکہ لوگ ڈھانچہ پرست ہیں ، ڈھانچے کو کبھی بھی ہاتھ لگانے نہ دیتے لیکن بڑے آرام اور سادگی سے بنو اُمیہ نے دین کی روح نکال دی اور اسی روح و جسم کی جدائی کو دین کی موت کہتے ہیں۔ بنو اُمیہ نے دین کی روح نکال لی تھی جس کا ایک نمونہ حج ہے کہ یہ بے روح حج صدیوں سے تکرار ہورہا ہے اورحج کرنے والوں کے اندر ایک احساسِ کاذب پیدا ہورہا ہے کہ ہم ایک بہت بڑی عبادت و بندگیٔ خدا کرکے آئے ہیں ، ایسی بندگی جس کا فائدہ ٹرانسپورٹر، ٹورزم، ہوٹل مالکان، آلِ سعود اور چائنہ کو پہنچا ہے۔ یہ حج امتِ مسلمہ کے علاوہ باقی سب کو بہت سارے فوائد پہنچاتا ہے۔

# رسمی حج کا نتیجہ:

آج حج توہو رہا ہے لیکن اگراس وقت عالمِ اسلام کی صورتحال دیکھیں ، سوریا میں آگ لگی ہوئی ہے، لبنان آگ میں جل رہا ہے، ایران کا محاصرہ ہے، پاکستان مشکلات کے اندر ہے اور ان تمام ممالک اور ساری دنیائے اسلام سے حاجی مکہ میں جمع ہوتے ہیں لیکن وہاں پر فقط رسومات انجام دے کر واپس چلے جاتے ہیں۔

اس وقت شیاطین، اُمتِ مسلمہ کے ساتھ بہت کچھ کر رہے ہیں اور دنیائے اسلام سے لوگ وہاں جاکر فقط شہداء کی بخشش کیلئے دعا کرکے آجاتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ اس وقت مسلمانوں کی جو روزانہ ہزاروں کی تعداد میں لاشیں گر رہی ہیں یہ کون گرا رہا ہے؟ اور کیوں گرا رہا ہے؟ چہ بسا وہاں جاکرخاندانِ شہداء کی مدد کے لئے چندے بھی جمع کرتے ہوں ! چونکہ حاجی جب حج پر جاتے ہیں تو وہاں چند دنوں کے لئے اُن کے احساسات تبدیل ہوجاتے ہیں۔ صدقہ، خیرات اور بہت کچھ کرتے ہیں۔ بااینکہ حج پر فقیر لوگ نہیں جاتے بلکہ سارے امیر لوگ ہی حج پر جاتے ہیں لیکن حاجی اُنہی کوہی کچھ کھلانا پلانا شروع کردیتے ہیں اور دل میں یہ ہے کہ ہم راہِ خدا میں انفاق کررہے ہیں۔ اُمراء کے اوپر خرچہ کرتے ہیں ، اُن کو آئسکریم کھلاتے ہیں اور یہ ذہن میں سوچتے ہیں کہ ہم انفاق در راہِ خدا کررہے ہیں اور ضمناً ایک کام یہ کرتے ہیں کہ کہیں شہداء کیلئے چندہ بھی جمع کرلیتے ہیں پھر سالہا سال تک اس عمل سے لذت اُٹھاتے ہیں لیکن جب وہاں جاتے ہیں تو اس وقت دنیائے اسلام کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اُس کے بارے میں سوچتے ہی نہیں ، نہ کاروان کے عالِم کا دھیان اس طرف جاتا ہے، نہ کاروان کے سپہ سالار کا دھیان جاتا ہے، نہ کاروان سالار کا دھیان جاتا ہے، نہ معلم کا دھیان جاتا ہے اور نہ خودحاجی کادھیان جاتا ہے!

برأت از مشرکین حج کا جزہے اور تبریٰ کے بغیر دین بھی نامکمل ہے اور حج بھی نامکمل ہے لیکن یہ مشرکین اور شیاطین سے برأت نہیں کرتے بلکہ ویسے ہی واپس آکراپنے اندر ایک احساسِ کاذب پیدا کرتے ہیں کہ ہم بہت اعلیٰ حج بجا لاکر آئے ہیں۔ بہت سارے سادہ لوح لوگ بھی حج پر چلے جاتے ہیں۔ کسی حاجن سے لوگوں نے پوچھا کہ صفا و مروہ کو دیکھا؟ اُس نے کہا کہ جی! صفاو مروہ ہمارے ہی خیمے میں تھے اوروہ دونوں بہنیں تھیں۔ یعنی اس کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ صفا و مروہ کیا ہیں ؟ اور ایسے حاجیوں کے اندر بھی یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم حج کر کے آئے ہیں۔

# امیر ِ شام کے نو ہزار مبلغین کا فریضہ:

بنو امیہ نے ایک بہت بڑی اور وسیع تبلیغی مشینری قائم کی جس کا کام اماتۃ الدین تھا۔ یعنی اس کا کام دین کو مارناتھا لیکن دین کے ڈھانچے کو نہیں مارناتھا بلکہ دین کی روح کو نکالنا تھا چونکہ اُنہیں معلوم تھا کہ دین کا ڈھانچہ ختم کرنے سے عکس العمل دکھایا جاسکتا ہے لہٰذا انھوں نے روحِ دین، معنیِ دین، جہتِ دین اور رُخ دین کو موڑا۔ یہاں ایک امام کا کیا فریضہ ہے جب حکومت نے تبلیغی مشینری کے ذریعے ایک مُردہ دین بنایا ہوا ہو؟ صرف ایک عہد میں امیر شام نے نو ہزار مبلغ اور خطیب بنائے جو خطابت کرتے تھے اوروہ خطبہ جو دمشق سے اُن کو ملتا تھا وہ لوگوں کو پڑھ کر سناتے تھے۔ بہت وسیع تبلیغی مشینری ایجاد کی اورجس نے لوگوں کے اندر مُردہ دین پھیلایا اور لوگوں نے بھی اُس دین کو قبول کیا اور اس پر عمل پیرا ہوئے۔

# کربلا کے چشم دید گواہ:

امام محمدباقر ؑ کربلا کے عینی گواہ ہیں ، آپؑ اُس وقت تین یا چار سال کے تھے لیکن امام کا شعور بہت بلند ہوتا ہے، جس طرح امیر المومنین ؑ نے کمسنی میں ہی اپنا اعلیٰ ترین شعورثابت کیا ہے۔ امامِ باقر ؑ واقعۂ کربلا کے وقت بیشک چار سال کے تھے لیکن وہ حوادث اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے اوروہ کربلا کا منظر آپ کے ذہن میں تھا۔ پھر ایک طولانی مدت اپنے والد گرامی امام چہارم ؑ کے محضر میں رہے اور امام چہارم ؑ نے تمام ماجرا امام باقر ؑ کو بتایا اور یہ کوئی ایسی خفیہ چیز بھی نہیں تھی، ساری دنیا کو معلوم تھا کہ واقعۂ کربلا ہوا لیکن مسلمانوں نے کسی قسم کا ردِ عمل نہیں دکھایا اور افسوس کی حد تک لاتعلقی اختیارکی۔ بعض نے سن کر فقط افسوس کا اظہار کیااور اُس کی بڑی وجہ بنو اُمیہ کا یہ بنیادی عمل’’ اماتۃ الدین‘‘ تھا۔

# احیائِ اسلامِ ناب کا فریضہ:

امام محمدباقر ؑ نے ایسے حالات میں وظیفۂ امامت و فریضۂ امامت انجام دیا اوردین کو زندہ کیا۔ دوسرے لفظوں میں بنو اُمیہ نے اماتۂ دین دو طریقوں سے کیا۔ ایک یہ کہ دینی معارف کے اندر تحریف کی، یعنی الفاظ کو رہنے دیا لیکن اُن کے معانی بدلے اور ان کی جگہ نئے معانی بناکر دئیے گئے اور دوسرا یہ کہ جاہلیت کو دوبارہ دین کے اندر شامل کیا اور بہت ساری چیزیں جو دین کے اندر موجود تھیں اُنہیں دین سے نکال دیا اور اُنہیں حذف کردیا خصوصاً وہ موضوعات جو اہلبیت% کی حیثیت کو نمایاں کرتے تھے۔ وہ قرآنی آیات اور احادیث جن سے مقامِ اہل بیت%اور مکتبِ امامت برملا ہوتا تھا اُن پر پابندی تھی اور جو زبان پر لائے اُس کوبہت سخت سزائیں دی جاتی تھیں لیکن امام باقر ؑ نے فریضۂ امامت انجام دیا اوراحیائے دین کیا، یعنی اسلامِ ناب کو زندہ کیا، جسے ہم نے تدریس کا نام دیا ہے جبکہ یہ درحقیقت احیائے اسلامِ ناب ہے۔ آپؑ نے تفصیل کے ساتھ خالص، حقیقی، قرآنی اورالٰہی دین کے ہر شعبے کو لوگوں کے لئے بیان کیا اور دین کو احیاء کیا اور یہ امامت کے اہم ترین فرائض اور وظائف میں سے ہے۔

امامت کا اہم ترین فریضہ جسے خداوندتعالیٰ نے مقرر کیا ہے وہ احیائِ دین ہے۔ جب حکومتیں یا تبلیغی مشینری دین کو اماتہ کرے تو امام کا کام تفسیرِ دین کے ذریعے دین کو زندہ کرنا ہے۔ چونکہ بنو اُمیہ نے دین کا ڈھانچہ رہنے دیا اور معانی بدل دئیے اور لوگوں کے اندر اُس دین نے احساسِ کاذب پیدا کیا۔

# امام ؑ کی بنو امیہ سے علمی جنگ:

امام ؑنے جس طرح شبلی کو توجہ دلائی کہ اصل حج کیا ہے جبکہ شبلی کو یہ احساس تھا کہ میں حاجی ہوں لیکن امام ؑنے فرمایا کہ تم حاجی نہیں ہوئے بلکہ تمہارے اندر دین کے ڈھانچے کی وجہ سے کاذب احساسِ حج پیدا ہوا ہے اور آپ ؑنے دین کی روح سکھائی یا حج کی روح بتائی کہ جب تم یہ حج کروگے تو ہی تیرا حج مکمل ہوگا۔

امام ؑنے یہی کام مکمل دین کے اندر انجام دیا، یعنی تمام عبادات، سیاسیات اوراعتقادات کے بارے میں یہ کام انجام دیا۔ بنو امیہ نے نظریۂ توحید کو اماتہ کیا تھا آپؑ نے آکر توحید کو احیاء کیا، بنو امیہ نے معاد کے عقیدے کو اماتہ کیا تھا آپؑ نے آکر معاد کو زندہ کیا، حقیقتِ معاد اور حقیقتِ قیامت لوگوں کو تشریح و تفسیر کرکے بتائی۔

امامِ باقر ؑ ایک طرف اپنی علمی قوت اور امامت کی طاقت کے ساتھ لوگوں کو دینِ ناب سکھا رہے ہیں اور لوگ بیٹھ کر سنتے بھی ہیں اور پڑھتے بھی ہیں لیکن عملی طور پر بنو اُمیہ کی تفسیر شدہ دین کے پیرو ہیں۔ یعنی دینِ ناب پڑھنے کے باوجود بنوامیہ کی تفسیر شدہ دین کے پیرو رہے۔

# آئمہ ؑ کی محافل میں محرم و نامحرم:

امام محمدباقر ؑ کے کافی شاگرد تھے جن میں سے پانچ چھ کے نام لے کر آپؑ نے سراہا ہے، آپ ؑنے اُن کے حق میں دعا بھی کی کہ خداوندتعالیٰ ان پر رحمت کرے، انہوں نے معارفِ دین کو سمجھا اور دین کو بچایا ہے۔ واقعاً آپؑ کے چند شاگرد بہت ہی نمایاں اور برجستہ ہیں۔

امام جعفر صادق ؑ کے بھی اسی طرح چار ہزار شاگر تھے جن میں سے آپؑ نے بھی چند ایک کو سراہا ہے کہ انہوں نے سمجھنے کی حد تک دین کو درست سمجھا ہے لیکن باقیوں کوآپؑ نے سند نہیں دی بلکہ آپؑ کے ایسے شاگرد بھی تھے کہ جب آپؑ خصوصی معارف شاگردوں کے سامنے بیان کررہے ہوتے تھے جب یہ آتے تھے تو امام ؑموضوع کا رخ موڑ دیتے تھے، بات ادھوری چھوڑ دیتے تھے اورنئی بات شروع کردیتے تھے۔ لوگ تعجب کرتے کہ آپؑ نے اس بات کو کیوں ادھوراچھوڑ دیا اور بعد میں آپ ؑسے سبب پوچھتے کہ آپؑ نے وہ بات کیوں تکمیل نہیں کی؟ آپ ؑفرماتے تھے کہ مجلس میں نامحرم آگئے تھے اور میں نے نامحرم سے بچانے کے لئے اُس بات کو چھوڑ دیا۔ آپؑ کے بھی کئی قسم کے شاگرد تھے اور آپؑ نے چند شاگردوں کا نام لے کر ان کوسراہاہے کہ انہوں نے سمجھنے کی حد تک حق ادا کیا ہے۔ وہی جو خوب سمجھتے ہیں ممکن ہے میدانِ عمل میں جب آئیں تو وہاں کوتاہی کرجائیں ، جس طرح امیرالمومنین ؑ نے اپنے ایک شاگرد کو سمجھنے کے موقع پر خوب کہا کہ یہ خوب سمجھتا ہے، دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے اور اس کو ذمہ داری دی لیکن اُس نے وہ ذمہ داری درست انجام نہیں دی۔ آپؑ نے اُسے ڈانٹا اور ذمہ داری سے الگ کردیا کہ تم اس ذمہ داری کے قابل نہیں ہو۔ تم عملی ذمہ داری سنبھال نہیں سکتے لہٰذا فقط اپنے درس و بحث سے ہی کام رکھو!

# عقل علمی و عقل عملی کا استعمال :

کمیل ابن زیاد نخعی امیر المومنین ؑ کے وہ شاگرد تھے جو فہم میں دوسروں سے بہت تیز تھے اور اسی وجہ سے آپؑ نے ان کو تنہائی میں بہت اعلیٰ معارف تعلیم دیے۔ انہی کوجب ذمہ داری دی تو یہ ذمہ داری درست نہیں نبھا سکے اور آپؑ نے سرزنش کی اور ذمہ داری سے ہٹایا کہ تم اس ذمہ داری کے قابل نہیں ہو!

امام محمد باقر ؑ کے کچھ شاگردان ایسے تھے جنھیں آپؑ نے بہت سراہا اور باقاعدہ سند دی کہ انہوں نے خوب سمجھا ہے اور عمل بھی کیا ہے۔ ا ن کے علاوہ باقی شاگرد بھی آپؑ سے پڑھتے تھے لیکن آپؑ سے معارف سن کر فقط واہ واہ کر کے چلے جاتے تھے لیکن عملی طور پر اُسی رائج سیاست کے تابع تھے اور عملی زندگی اس کے تحت بسر کرتے تھے اور عملی زندگی میں اُن باتوں کو دخل نہیں دیتے تھے جو آپؑ سے سنتے تھے۔

# امام باقرؑ کو درپیش مشکلات:

## ۱۔ بنو امیہ کا تیار کردہ دین:

کربلا کے موقع پر جو کچھ ہوا اور لوگوں کا جو رویہ تھا یعنی لاتعلقی، خاموشی، ردِ عمل نہ دکھانا، سکوت اور بے حِسی، یہ سب کچھ بنوامیہ کے دین کے اندر تخفیف کا نتیجہ تھا جس نے لوگوں کو خاموش کردیا اور لوگوں کو مکمل طور پر لاتعلق کردیا۔ لہٰذا امام باقر ؑ نے ایک ایک معارف میں سے ایک ایک مطلب کو لے کر اس کی از سرِ نوتفسیر کی۔ اس کیلئے مناسب اصطلاح یہ ہوگی کہ’’ فہم و شناختِ دین از سرِ نو‘‘۔ یعنی تمام دین کو پوری امت کے سامنے ایک دفعہ پھر نئے سرے سے دہرایا۔ جو حفظ کیا ہوا تھا اُسی حفظ شدہ مواد کو دوبارہ سمجھایا چونکہ حفظ شدہ چیز بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس لئے آپ ؑنے ہر مطلب کوایک ایک کرکے اُن کے سامنے دوبارہ اورازبر کروایا۔ اس تمام مدت میں احیائے دین ایک عمل تھا اور عہدۂ امامت کی باقی ذمہ داریاں بھی آپؑ نے احسن طریقے سے انجام دیں۔

## ۲۔ حکمرانوں کے مظالم:

امام محمد باقر ؑ کی زندگی میں چھ، سات ظالم ترین حکمران گزرے ہیں۔ جب آپ ؑکی ولادت ہوئی تو معاویہ حکمران تھا، اس کے بعد اس کا بیٹاآیا او رپھر اس کے بعد مروانی آئے۔ مروانی حکمران مختلف رہے، اُن میں سے ایک عمر ابن عبدالعزیز تھا جو آپؑ کے زمانے میں تھا، اس کو بہت نرم خو گردانا جاتا ہے، باقی سب کے سب بہت ہی سخت گیر تھے اور خصوصاً آپ- پر بہت سختی کرتے تھے۔ اُن میں ظالم ترین حکمران ہشام ابن عبدالملک گزرا ہے جو بہت ہی درندہ صفت شخص تھا۔ اس نے آپؑ کیلئے ہر طرح سے مشکلات کھڑی کیں۔

## ۳۔ طاغوتیت سے مبارزہ:

امام ؑ کا دوسرا کام حکومتِ طاغوت کے خلاف مبارزہ تھا۔ بنو اُمیہ کی حکومت پولیس سٹیٹ تھی، اگرآج کوئی بنو اُمیہ کی حکومت دیکھنا چا ہے تو آلِ سعود کی حکومت کو دیکھے جوبنو امیہ کی حکومت کا ہوبہو نقشہ ہے کہ جہاں سانس لینے پر بھی پہرہ ہے۔ بنو امیہ نے اس طرح کی حکومت قائم کی تھی۔ آپؑ کے دور میں جفاکار اورظالم ترین حکومتیں اور حکمران بدلتے رہے لیکن طرزِ حکومت سب کا ایک ہی رہا۔

## ۴۔ امت کی غفلت و لا شعو ری:

امام محمد باقر ؑ کاایک کام احیائے دین تھا جس کا رخ بنو اُمیہ نے پھیر دیا تھا اور عوام کی لاشعوری کی وجہ سے سارے طبقات اس دین کو قبول کرچکے تھے حتیٰ تشیع کے اندربھی بنو اُمیہ کی تفسیریں باقاعدہ سرایت کرچکی تھیں۔ آج بھی بہت سارے مطالب شیعوں کے ذہنوں میں بیٹھے ہوئے ہیں جن کا تشیع سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ بنو اُمیہ کے ایسے مطالب، تفسیریں ، تصورات اور نظریات ہیں جو غیر محسوس طور پردین میں داخل ہوچکے ہیں۔ جیسے عقل کی مخالفت بنوامیہ کا نظریہ ہے جبکہ آئمہ ہدیٰ ؑ نے سب سے زیادہ اہمیت عقل کو دی ہے۔ اصولِ کافی میں پہلی کتاب ہی کتاب العقل والجہل ہے۔

# عقل، آئمہؑ کی نظر میں :

عقل کے بارے میں امامِ موسیٰ ؑ کی ایک مفصل حدیث ہے جسے آپ ؑ نے اپنے شاگرد ہشام ابن سالم کے سامنے بیان فرمایا۔ آپؑ نے ہشام کو عقل کی اہمیت قرآن مجید سے بتائی کہ اے ہشام! ہر چیز کا دارومدار عقل پر ہے۔ خداوندتعالیٰ نے تمام دین کا محورعقل کو بنایا ہے۔ دین، نظامِ ہدایت، حساب و کتاب اور ہر چیز کامحور عقل ہے۔ یعنی تشیع میں امامت کے نکتۂ نگاہ سے عقل محور ہے جبکہ اگر شیعوں کے اندر ہی سروے کرکے دیکھا جائے تو ہمیں عقل و عقلانیت کے زیادہ دشمن ملیں گے۔ کہتے ہیں کہ ہمیں عقل سے کچھ نہیں پوچھنا، ہمیں روایت چاہئے، ہمیں عقل نہیں دین چاہئے۔ یعنی عقل کے بغیر دین چاہئے۔ یہ عقل کیلئے دشمنی، شیعوں میں کیسے آگئی؟ جبکہ امامت کی نگاہ میں تشیع عقل پرست اور عقل پسند ہونا چاہئے۔ تشیع میں دین شناسی کیلئے دلیل کے طور پر چار منابع کی ضرورت ہوتی ہے۔ کتاب، سُنت، اجماع اور عقل، تشیع کے پاس یہ چار منابع ہیں۔

اِدھر سے عقل کو دین کا منبع قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف سے ایسے لوگ موجود ہیں جو صریحاً عقل کی سرزنش کرتے ہیں۔ پس تشیع میں یہ رجحان کہاں سے سرایت کر آیا؟ یہ بنو اُمیہ کا نظریہ تھا!

# بنو اُمیہ کے افکار کی تشیع میں سرایت:

عقل کی مخالفت بنو اُمیہ کا ضابطہ تھا اور بنو اُمیہ کے اس ضابطے کو تین چار صدیاں پہلے جس شخص نے بہت بنا سنوار کر دنیا میں پھیلایا اور اس کے افکار آج اسلامی دنیا پر حکومت کرنے لگ گئے ہیں ، وہ ابنِ تیمیہ ہے۔ ابنِ تیمیہ تاریخ میں عقل کا دشمن ترین شخص گزرا ہے اورہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ کون شخص کس کی مدحت کررہا ہے اور کس کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ ہمارے پاس شیعہ ہونے کا یہ معیار ہے، جبکہ ہم اصولوں کو نہیں دیکھتے۔ اگر اصولوں کو دیکھیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ بہت سارے لوگ جو اپنے آپ کو شیعہ کہتے ہیں وہ عملاً بنو امیہ کے نظریات پر عمل کر رہے ہیں۔ امام باقر ؑ سے حدیث ہے کہ

’’یا جابر ان یکتفی من ینتحل تشیع ان یقولا بحبنا اہل البیت‘‘

آپؑ جابر ابن عبداللہ انصاری کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اے جابر! کیا یہ کافی ہے کہ لوگ اپنے آپ کو ہم سے منسوب کریں ؟ یعنی یہ کہیں کہ ہمیں اہلبیت% سے محبت ہے اور ہم ان کے شیعہ ہیں ، کیا یہ کافی ہے؟

’’فواللہ ما شیعتنا الا من اتقاء‘‘

خدا کی قسم! بیشک و ہ اپنے آپ کو ہم سے نسبت دیتا رہے لیکن ہمارا شیعہ نہیں ہے، شیعہ فقط وہ ہے جس کے اندر تقویٰ ہو اور جو ہماری اطاعت کرے۔ اس کے بعد آپؑ نے شیعہ کی صفات بیان فرمائی ہیں اور پھرفرمایا کہ جس کے اندر یہ صفات نہ ہوں اُس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے! یعنی یہ ممکن نہیں کہ کوئی ہماری محبت کادعویٰ کرے اور نظریہ ابنِ تیمیہ کا رکھتا ہو۔

یہ پیمانہ ہے اور یہاں سے پرکھیں کہ بنو اُمیہ کے افکار کس قدر خاموشی کے ساتھ سرایت کرتے کرتے کہاں تک آپہنچے ہیں ؟ اُس قوم کے اعتقادات میں بھی گھُس گئے ہیں جو دشمنِ بنو اُمیہ ہیں اور جن کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید میں جس شجرۂ خبیثہ کا ذکر ہے اُس سے مراد بنو اُمیہ ہیں۔

بہت سارے توایسے ہیں جو کھل کر عقل کی مخالفت کرتے ہیں اور پورے پورے مکتب بنائے ہوئے ہیں اور عقل کی مخالفت کرنے والی بڑی بڑی شخصیات ہیں۔ بعض لوگ امام خمینیؒ کے مخالف ہیں چونکہ آپؒ فیلسوف بھی تھے اور فلسفہ عقل کا راستہ ہے۔ صرف اس وجہ سے امام خمینیؒ کے مخالف ہیں کہ آپؒ علومِ عقلی کے استاد تھے اور علومِ عقلی کے فیلسوف بھی تھے۔

ابنِ تیمیہ کا نظریہ کس طرح تشیع کے اندر گھُس کر آگیا؟ اُس وقت یہ خطرہ بہت شدید تھااوریہ خطرہ آج بھی موجود ہے۔ آج بھی بنو اُمیہ کی تفسیر کے مقابلے میں امام باقرؑ کے جہاد کی ضرورت ہے اور اصلِ دین کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے جوکہ سنتِ امام باقر ؑ ہے۔

# امام خمینی ؒ وارث ِ امام باقر ؑ:

ہر مدرس اپنے آپ کو وارثِ امام باقر ؑ سمجھنا شروع نہ کردے اگر اس زمانے میں حقیقی وارثِ امامِ باقر ؑ ہے تو وہ امام خمینیؒ ہیں۔ آپؒ نے دین کو اس دین کے مقابلے میں زندہ کیا جو بنو اُمیہ نے تیار کیا تھا اورجس نے اُمتوں کو سُلایا ہوا تھا۔ امام باقر ؑ نے احیائے دین کیا یعنی اُمت کے اندربیداری پھیلائی۔ کربلا کے وقت اُمت کا جو ردِ عمل تھاوہ ردِ عمل موت کی علامت تھا۔ ایک مردہ اُمت تھی جس کو مردہ نظریہ بتایا گیاتھا اُس وقت امام محمد باقر ؑ نے باقاعدہ طور پر طاغوت کا مبارزہ کیا اور اس مبارزے سے ہٹ کر سیاسی مبارزہ بھی کیا۔ اس لئے کہ امام ؑدیکھ رہے تھے کہ یہ طاغوتی نظام سارا کچھ اپنے اندر ہڑپ کرتا جارہا ہے، اُمت کو مکمل طور پر اپنے اندر نگل گیا ہے لہٰذا اب اس کو بچانا ہے۔ آئمہؑ ہر موقعے سے فائدہ اُٹھاکریہ عمل کرتے تھے۔

# امام باقر ؑ کی شہادت کی وجہ:

امام باقر ؑ نے طاغوت کے خلاف مبارزے کے لئے ایک اہم ترین میدان و موقع حج کو قرار دیا ہوا تھا، آپؑ نے حج کو بہت اہمیت دی۔ آپؑ حتی المقدور ہر موسمِ حج میں خود حج پر جانے کی کوشش کرتے تھے اور جہاں سے آپ- کی شہادت کے لئے تیاریاں شروع ہوئیں وہ بھی حج ہی تھا۔

ایک دفعہ امام جعفر صادق ؑ اور امام محمد باقر ؑ حج پر گئے اور اُس وقت ہشام بھی حج پرموجود تھا۔ مسجد الحرام کے اندر ایک طرف امام باقر ؑ اور دوسری طرف امام جعفر صادق ؑ بیٹھ کر لوگوں کو دین سکھا رہے تھے، حج کی تعلیمات دے رہے تھے، معارفِ دینی بتا رہے تھے اور لوگوں کے سوالات کے جوابات دے رہے تھے۔ ہشام نے یہ منظر دیکھا اور لوگوں کا رش دیکھ کر پوچھا کہ یہاں کیوں رش لگا ہوا ہے؟ چونکہ ہشام تین براعظموں پر پھیلی ہوئی سٹیٹ کا بادشاہ تھا۔ جبکہ یہ بادشاہ حج پر آیاہواتھا لیکن لوگ دھیان نہیں دے رہے تھے جبکہ دوسری طرف جہاں آئمہ ؑ دین سکھا رہے تھے وہاں رش لگا ہوا تھا، ہشام کو یہ منظر اچھا نہیں لگا، اُس نے پوچھا یہ کون ہیں ؟ بتایا گیا کہ یہ امام باقر ؑ ہیں۔ اس نے پوچھا کہ یہ کیا کررہے ہیں ؟ بتایا گیا کہ لوگوں کو دین کی تعلیم دے رہے ہیں اور شبہات کے جوابات دے رہے ہیں۔ بہرکیف یہ بھی آیا اور آکر آپؑ سے بات چیت کی۔ آپ ؑنے وہاں پر جو کچھ بتایا اُس سے اسے بخوبی اندازہ ہوگیا کہ یوں نہیں کہ ان کا کام فقط تدریس ہے بلکہ یہ اُمت سازی کررہے ہیں ، گویامیری موجودگی میں سلطنت کے مقابلے میں سلطنت بن رہی ہے۔

جب یہ حج سے واپس جا رہا تھا تووالیئِ مدینہ کو مکتوب لکھ کر دے گیا کہ جتنا جلد ہوسکتا ہے امام باقر ؑ کو شہید کرے اوراسے راستے سے ہٹائے۔ والیئِ مدینہ نے تدبیریں سوچنا شروع کیں کہ کس طرح سے امام باقر ؑ کو شہید کرے اورہشام کے ذہن سے یہ کھٹکا نکل جائے؟ چند دفعہ اُس نے کوشش کی لیکن ناکام ہوا، بعض دفعہ لوگوں نے روک دیا۔ بہرکیف آخرکار یہ کامیاب ہوا اور امام ؑکو زہر کے ذریعے شہید کروا دیا۔ جب آپؑ کواحساس ہوگیا کہ اب وقتِ آخر ہے تو اپنے جانشین یعنی امام صادق ؑ کو وصیتیں کیں اور امامت کے تمام امور منتقل کیے۔ آپؑ نے اُن وصیتوں میں ایک انوکھا کام کیا۔ آپ ؑنے آٹھ سو یا آٹھ ہزار درہم امام صادق ؑ کو دئیے کہ میرے بعد اس رقم کو مخصوصاً فقط عزاداری کے اوپر خرچ کرنا، اس کو کسی اور کام میں نہیں لگانا۔ یہ رقم فقط منیٰ میں عزاداری میں لگانا۔ یعنی آپ ؑنے حج اور خصوصاً منیٰ کو میدانِ مبارزہ میں بدلا اور امامِ صادق ؑ جب تک رہے یہ عمل جاری رہا۔

# عزاداری، نہضتِ بیداری:

امام باقر ؑ ہر سال عزاداری کا اہتمام کرتے تھے۔ منیٰ چونکہ تمام اُمت کے اجتماع کی جگہ ہے لہٰذا آپؑ نے نہضتِ بیداری منیٰ میں شروع کی۔ عزاداری درحقیقت امت کی بیداری کا ایک ذریعہ تھا۔ خصوصاً ذکرِ کربلا جس میں اُن مصائب اور سختیوں کا ذکر ہوتا ہے جو بنوامیہ نے اہلبیت% پر ڈھائی تھیں ، منیٰ میں جاکر ساری اُمت کے سامنے اُن کو بیان کیا جائے، ذاکرین اور مدّاح نہیں بلکہ خود امام بیان کرے اور دوسرے لوگ آکرمصائبِ سید الشہداء ؑ منیٰ کے اندر سنیں۔ امام باقر ؑ نے یہ انوکھا اہتمام کیا۔

آغاز میں یہ سمجھے کہ یہ صرف ایک عزاء ہے لیکن بعد میں اُنہیں اثرات نظر آئے تو اندازہ ہوا کہ یہ بہت زیادہ گہرا کام ہے، لہٰذاامام باقر ؑ کو دمشق طلب کیا، کچھ عرصہ تک دمشق میں قید رکھا، پھر اُس کے بعد دوبارہ مدینہ واپس پلٹایا۔ یہ سختیاں تھیں جو اُن جفاکاروں نے آپؑ پر ڈھائیں لیکن جس دور کو ہم سمجھتے ہیں کہ آئمہ ؑ کو تدریس کا موقع ملا، درحقیقت وہ نہایت مظلومیت کا دور تھا۔ اُسی دور میں آئمہؑ پر اوجِ مظلومیت تھی۔ امام باقر ؑ اور امام صادق ؑ بھی بہت مظلوم امام گزرے ہیں لیکن ہم اس پہلو کو نظر انداز کر جاتے ہیں ، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ تدریس کی اجازت تھی اور لوگ آکر درس پڑھ کر چلے جاتے تھے، پس یہ امام کا سنہرا دور تھاجبکہ حقیقت میں یہ بہت ہی دشوار دور تھا۔

# شہید حسینی ؒ سراپا مظلومیت:

پاکستان میں شہید حسینیؒ کے زمانے کو ہمارے جوان سمجھتے ہیں کہ بڑا عالیشان دور تھا اور کہتے بھی ہیں کہ اُس وقت اُمت میں بڑا اتحاد تھا اور سب اُس بزرگوار کو قائد و رہبر مانتے تھے اور اُن کی آواز پر لبیک کہتے تھے۔ انہیں معلوم نہیں ہے کہ وہ سب سے زیادہ مظلومیت کا دور تھا، سب سے زیادہ مظلومیت شہید حسینیؒ کی تھی۔ شہید ؒکے بعد وسائل بہت زیادہ ہوگئے، تحریک کے پاس اتنے وسائل موجودتھے کہ تحریک کے لیڈر یہ کہتے تھے کہ خود ہمیں حساب کتاب کرنا مشکل ہو رہا ہے اورواقعاً وسائل اس قدر عظیم تھے۔

شہیدؒ کے زمانے میں دونوں چیزیں نہیں تھیں۔ نہ اُمت ان کے ساتھ تھی اور نہ آپؒ کے پاس وسائل موجودتھے۔ شہیدؒ اکثر پشاور سے لاہور آتے تھے اور لاہور سے جب واپس جاتے تو گاڑی میں پٹرول کے پیسے نہیں ہوتے تھے، کسی سے قرض لے کر لاہور سے پشاور جاتے تھے اور پھر وہاں سے انتظام ہوتا تھا۔ اُس وقت پٹرول سستا بھی تھا زیادہ سے زیادہ ایک ہزار کے پٹرول سے پشاور پہنچ سکتے تھے لیکن اتنے بھی پیسے نہیں ہوتے تھے۔ جس رہبر کے پاس ہزار روپے نہ ہوں اُس کے بارے میں جوان کہتے ہیں کہ وہ آئیڈیل زمانہ تھا۔

مشہور واقعہ ہے کہ شہید عارف حسین الحسینیؒ کراچی میں ایک شیعہ مرکز میں ظہرین کی نماز پڑھنے کے لئے گئے، جب منتظمین نے یہ سنا تو مسجد پر تالا لگادیا اور خودبھاگ گئے، یعنی آپؒ کو وہاں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ کیا ایسے زمانے کو آئیڈیل کہا جا سکتا ہے!

# کربلا کی یاد کا خاص انداز!

یہی حالات امام باقر ؑ کے زمانے میں بھی تھے جسے ہم سمجھتے ہیں بہت آئیڈیل زمانہ تھا، درحقیقت وہ مظلومیت کا زمانہ تھا۔ خود امام ؑکی تعلیمات کو اگر دیکھیں تو ہمیں اندازہ ہوجاتا ہے کہ آپؑ کی کیا مظلومیت تھی! آپؑ تین یا چار سال کی عمر میں کربلا میں پہنچے اور وہاں ہونے والے ظلم و ستم کے شاہد رہے۔ وہ ظلم جس نے امام زین العابدین ؑ کو عرصۂ دراز تک رُلایا، امام زین العابدین ؑ جب بھی کوئی ایسا منظر دیکھتے جس سے کربلا کی یاد آجاتی تو بے ساختہ رونا شروع کردیتے تھے۔ جیسے اگر کوئی جانور ذبح ہوتا ہوا دیکھتے تو رونا شروع کردیتے، اگر کوئی مسافر غریب مدینے میں دیکھتے تو رونا شروع کردیتے، اگر کوئی شخص نام لے لیتا کہ میں کربلا کی طرف سے ہوکر آیا ہوں تو اُسے دیکھ کر رونا شروع کردیتے تھے، اسی طرح اگر کسی کی زبان پر شام کا نام آجاتا توآپ ؑرونا شروع کردیتے۔

یہی حال امام باقر ؑ کا تھا۔ وہ سب کچھ جو امام زین العابدین ؑ کو رُلاتا تھا وہ امام باقر ؑ کو بھی رُلاتا تھا۔ چھوٹی سی عمر میں امام باقر ؑ کو بھی رسیوں میں باندھا گیا، اگرتین سال کے بچے کو رسی سے باندھیں تو اُس پر کیا احساس ہوتا ہے؟ اگر اُسے کوئی طمانچہ بھی نہ مارا جائے، اُسے گھسیٹا بھی نہ جائے اور اُسے ڈانٹا بھی نہ جائے فقط اُسے رسی میں باندھا جائے تو اُس بچے کے دل پر کیا گزرتی ہے؟ وہ عمر ایسی نہیں تھی جس میں رسیوں میں باندھا جائے لیکن آپؑ کو باندھا گیااور بغیر پالان کے اونٹوں پر بٹھایا گیا!

71\_04\_QIYADAT\_AUR\_REHBAR\_PART-71\_02\_FINAL

قیادت اور رہبری کا اسلامی معیار

# راہبر کا معنی و مفہوم:

راہبر میں بَر، بُردن سے ہے اور بُردن یعنی کسی چیزکو اٹھاکر آگے لے جانا۔ منتقل کرنا بُردن کہلاتا ہے۔ پس راہبر یعنی راہ پر لے جانیوالا۔ پہلا کام راہنما کا ہے یعنی راہ دکھانیوالے کا ہے۔ اگر کوئی راہ دکھائے تو آدھا کام ہوا ہے لیکن چونکہ راہ دیکھنے سے تو مقصد حاصل نہیں ہوتااب اس راہ کو طے بھی کرنا ہے، اس راہ کو طے کروانے کیلئے ایک اور کی ضرورت ہے اور وہ راہبر ہے جو آپکو راہ پر لے جائیگا۔

# انبیاء راہ دکھاتے ہیں ، آئمہ راہ طے کراتے ہیں :

راہنمائوں اور رہبروں کے بیچ میں راہبُر اور راہزن بھی موجود ہیں یعنی راہ کاٹنے والے بھی ہیں۔ بُر اور بَر دو الگ الگ مصدر سے ہیں ، بُر کا مصدر بُریدن ہے اور بَر کا مصدر بُردن۔ راہبُر یعنی جو راہ کاٹتا ہے اور راہبَر یعنی ایک منزل سے دوسری منزل پر پہنچا دینے والا۔ شہید مطہریؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء ؑ یا عہدۂ نبوت راہنمائی کا عہدہ ہے، انبیاء ؑ کا کام راہ دکھانا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے دین لینا اور بشر تک پہنچاناہے اور عہدۂ امامت اس دکھائی ہوئی راہ پر لے کر جانے کیلئے ہے۔ دکھانا کافی نہیں ہے اسلئے نبی امام بھی ہے۔ نبی کے پاس دو عہدے ہیں ، راہنما بھی ہے اور راہبر بھی ہے، راہ دکھاتا بھی ہے اور راہ طے بھی کرواتا ہے، دونوں راستے طے کرواتا ہے لیکن یہ ذہن میں رکھیں کہ راہ دکھانا ضروری ہے، راہ دکھائے بغیر، راہ طے کروانا نا ممکن ہے اور راہ دکھاکر چھوڑ دینا اس سے بھی منزل حاصل نہیں ہوتی، اسلئے رہبر کی بھی ضرورت ہے۔

# نظریۂ امامت قرآنی نظریہ ہے:

قرآن مجید نے رہبر کیلئے لفظِ امام استعمال کیا ہے

’’اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا‘‘ (سورہ بقرہ، آیت ۱۲۴)

یہ معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن مجید نے تمام انبیاء ؑ کو امام کہا ہے، امامت حدیث کا نہیں بلکہ قرآنی نظریہ ہے۔ یعنی امامت کا منبع حدیث نہیں بلکہ قرآن ہے چونکہ حدیث مفسر، مبیّن و مبلغِ قرآن ہے۔ یوں نہیں کہ جو چیز قرآن مجید میں نہیں ہے اُسے ہم نے حدیث سے ثابت کرنا ہے، ایسا نہیں ہے جو چیز قرآن مجید میں ہے اُسکی تفسیر ہم نے حدیث کے ذریعے کرنا ہے۔ قرآنی نظریے کیلئے قرآن پڑھنے کی ضرورت ہے، جس طرح ارسطو سے منسوب یہ قول ہے کہ فلسفہ سمجھنے کیلئے فلسفہ پڑھنے کی ضرورت ہے اور اُسکو رد کرنے کیلئے بھی اسکو پڑھنے کی ضرورت ہے، نہ ہی پڑھے بغیر اسکو جھٹلا سکتے ہو اور نہ ہی پڑھے بغیر اسے قبول کر سکتے ہو، دونوں صورتوں میں پڑھنا پڑیگا، امامت کو جھٹلانے کیلئے بھی پڑھنی پڑیگی اور امامت کو قبول کرنے کیلئے بھی امامت پڑھنی پڑیگی لیکن اس ملت نے یہ معجزہ کیا ہے کہ پڑھے بغیر امامت کو قبول کر لیا ہے جسکا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ رہبر گم ہوگئے اور راہبُر آگئے۔ امامت پڑھے بغیر اگر امامت کا عقیدہ بنالیا جائے پھر آئمہ ہاتھ سے چھوٹ جاتے ہیں اور آئمہ ہدایت کے بدلے آئمہ کفر آجاتے ہیں اور وہ جو جہنم کی راہ پر راہنمائی کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق :

’’وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا‘‘ (سورہ انبیاء، آیت ۷۳)

یہ وہ آئمہ ہیں جنھیں ہم نے امام بنایا ہے اور یہ ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں ، یہ ھادی ہیں۔ امامت کیلئے ضابطہ قرآن کریم نے ذکر کیا ہے۔ راہنمائی بھی رہبری کا ایک حصہ ہے اور رہبری بھی راہنمائی کا حصہ ہے۔ دونوں کو پہچاننا ضروری ہے چونکہ امامت و نبوت مل کر نظامِ ہدایت کی تکمیل کرتے ہیں۔ فقط نبوت ہو اور امامت نہ ہوتو آدھا کام ہو جاتا ہے۔ نبوت سے مراد یعنی تبلیغِ نبوت یا مرحلہ نبوت اگر طے نہ ہوتو امامت کا مرحلہ نہیں آتا۔

# موسیٰ ؑ کی جگہ سامری کیوں آتے ہیں ؟

ہم اگر تاریخ پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ ؑ کی جگہ سامری کتنی آسانی سے آجاتا ہے، اس بات پر جتنا تعجب کریں کم ہے۔ دو رہبروں کی موجودگی میں یعنی موسیٰ ؑ اور ہارون کی موجودگی میں سامری کامیاب رہا اور یہ اس وجہ سے ہوا چونکہ لوگوں کو معیارِ رہبر معلوم نہیں تھا۔ حضرت ابراہیم ؑ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے کہ

’’وَاِذِا بْتَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ‘‘ (سورہ بقرہ، آیت ۱۲۴)

ہم نے ابراہیم ؑکی کارگاہیں کی اور کیمپ ہوئے، ایک ایک کیمپ میں ڈالا اور ابراہیم ؑ بہترین عاشق بنے، اب ابراہیم ؑکونہ تنہائی کی پرواہ ہے، نہ دشمن کی پرواہ ہے، نہ آگ کی پرواہ ہے اور نہ ہی کسی اور چیز کی پرواہ ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ کی ٹریننگ اُن سے بھی زیادہ ہوئی، حضرت موسیٰ ؑ کا عمل دشوار تر تھا، آپؑ کو تیار کرنے کیلئے شیر خوارگی سے تربیت شروع ہوئی۔ ماں کو کہا کہ آپکا کام ختم ہوگیا ہے، لہٰذا آپ اسے اگلے مربی کے حوالے کریں ، آپ- کی ماں بہت ہی سمجھدار اور بابصیرت خاتون تھیں ، قرآن نے اسی لئے خصوصیت کیساتھ آپ = کو نمونے کے طور پر ذکر کیا ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ قتل و غارت کے دنوں میں پیدا ہوئے، اُن دنوں بچوں کو مار دیتے تھے، لہٰذا بچہ پیدا ہوتے ہی خداوند تعالیٰ کا حکم آیا کہ فوراً اپنے ہاتھوں سے تابوت تیار کرو اور اس بچے کو اس تابوت میں رکھ کر جلدی سے اسے دریا میں ڈال دو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا لہٰذا دوسری بات نہیں کی، استخارہ نہیں نکالا، سوال بھی نہیں کیا کہ خدایا یہ بچہ تو شیرخوار ہے کوئی جانور کھا جائیگا، پانی میں ڈوب جائیگا، اسکے اندر مگر مچھ ہیں۔ چونکہ با بصیرت ماں تھی اسلئے معلوم تھا کہ بچہ اللہ کا دیا ہوا ہے لہٰذا بغیر کچھ پوچھے وہی کیا جسکا حکم ہو اتھا۔ اسکے بعد موسیٰ ؑ پہلے کیمپ سے دوسرے کیمپ میں پہنچ گئے چونکہ آپؑ کو یہ ماحول دکھانا ضروری تھا، وہ اسلئے کہ آپؑ نے اس نظام کا تختہ الٹنا تھا اور اُس کیلئے فرعون کی نفسیات، فرعون کی شخصیت، فرعون کی ذہنیت اور فرعون کی سوچ سے واقف ہونا ضروری تھا۔

خداوند تعالیٰ نے جب حکم دیا کہ اے موسیٰ ؑ ! جائواور فرعون سے مقابلہ کرو، تب آپؑ نے کہا کہ خدایا! یہ تو بہت ہی سرکش ہے، یہ برداشت نہیں کرتا، یہ تو آنا فاناً کام تمام کر دیتا ہے، خداوندتعالیٰ نے کہا کہ آپ ؑ ابھی اس قابل نہیں ہوئے ہیں لہٰذا اب آپؑ مدیَن میں حضرت شعیبؑ کے پاس جائو، حضرت موسیٰ ؑ نے دس سال شعیبؑ کی بکریاں چرائیں ، وہاں شادی بھی ہوئی اور جب یہ کیمپ مکمل ہوا تو پھر نئی کارگاہ شروع ہوئی کہ اب طور پر چڑھو اور جب طور پر چڑھے تو وہاں پر آپؑ کو معجزہ عطا ہوا، پھر حضرت موسیٰ ؑ کو مزید کئی کیمپوں سے گزارنے کے بعد آپ ؑکو بھیج دیا گیا ہے کہ اب جاکر فرعونی نظام کو ختم کر دو۔ آپؑ کو عصا کے ذریعے سمندر کو خشک کرنے اور پتھر سے پانی نکالنے کا معجزہ عطا ہوا ہے۔ اب اتنے کیمپ مکمل کرکے آنے کے بعد موسیٰ ؑ میں اتنی بصیرت آئی کہ فرعون کی سلطنت کو غرق کر سکتا ہے لیکن سامری اسی موسیٰ ؑسے ملت کو چھین لیتا ہے، اتنے بابصیرت اور دلیر نبی جو فرعون سے نہیں دبا تھا اُسکی اپنی ملت میں سامری کے طور پر ایک راہزن و راہبُر نکلتا ہے جو بنی اسرائیل کوالٰہی رہبر سے چھین لیتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ الٰہی رہبر کی جگہ راہزن کیسے آگیا؟ یہ اہم نکتہ ہے کہ بنی اسرائیل کی بے شعوری، بے بصیرتی، کم عقلی اورسوچ کی پستی وجہ بنی کہ الٰہی رہبر کے ہوتے ہوئے راہزن کو رہبر مان لیااور وہ اسلئے کہ انھیں رہبر اور رہبریت کے الٰہی معیاروں سے آگاہی نہیں تھی، الٰہی معیاروں سے عدمِ آگاہی راہبر سے میدان چھین کر راہزن کو دے دیتی ہے۔

# راہبروں کے ہوتے ہوئے امت راہزنوں کے پیچھے:

قرآن مجید میں اور نمونے بھی ہیں کہ رہبروں کے ہوتے ہوئے راہزن کامیاب رہے ہیں۔ جیسے امیرالمومنین ؑ کی موجود گی میں امت معاویہ کے پیچھے چلتی رہی، امام حسن ؑ کی موجودگی میں امت معاویہ کے پیچھے رہی، امام حسین ؑ کی موجودگی میں امت یزید کے پیچھے رہی۔ آخر ایساکیوں ہوتا ہے؟ جب ملت کے پاس رہبر اور رہبریت کا معیار نہ ہوتو رہبر کے ہوتے ہوئے راہزنوں کے چنگل میں چلی جاتی ہے۔ آئمہ اثناء عشر کی موجودگی میں امت راہزنوں کے پیچھے چلتی رہی ہے اور آج بارہ سو سال سے رہبر موجود ہیں اور پردۂ غیبت میں ہیں اورامت راہزنوں کے پیچھے چل رہی ہے۔ یہ راہزن لوگوں کی بے شعوری سے فائدہ اٹھاکر آگئے ہیں۔ مداری امت کی غفلت، بے بصیرتی اور بے شعوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ راہزنوں کا کام امت کی بے شعوری سے آسان ہوجاتا ہے۔

# شیعہ قلت میں ہیں ، نظامِ اسلامی کیسے برپا ہوگا!

بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ آپ پاکستان میں نظامِ امامت و ولایت کی بات کرتے ہیں ، پاکستان میں اکثریت غیر شیعہ کی ہے پھر یہاں پر امامت کی بات ہی کیسے کی جاسکتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ پاکستان میں نظامِ امامت و ولایت کی راہ میں رکاوٹ غیر شیعہ اکثریت نہیں بلکہ امامت کی راہ میں رکاوٹ وہی ہیں جو امامت کا دم بھرتے ہیں۔ سب سے بڑی رکاوٹ ولایت کی راہ میں یہی لوگ ہیں۔ جیسے امامت و امت کے نظریے کیخلاف ابھی تک مقالہ کسی غیر شیعہ نے نہیں بلکہ ایک شیعہ مولوی نے لکھا ہے، کسی غیر شیعہ عالم نے ابھی تک نظامِ امامت و امت کیخلاف ایک کالم بھی نہیں لکھا۔

مولانا مودودی نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ نظریہ دین امامت ہے۔ البتہ وہ نظریہ بیان کرنے کے بعد پھر اسکا دستہ کسی اور کے سر پررکھتے ہیں۔ جس طرح سے امیرالمومنین ؑ نے فرمایا کہ یہ لبادۂ امامت میرے لئے سیا گیا تھا یہ تو نہیں کہ کوئی بھی اسکو اٹھاکر پہن لے، یہ میرے علاوہ کسی کیلئے بنا ہی نہیں۔ امامؑ نے فرمایا کہ تم نے پہن تو لیا لیکن ساری دنیا کو نظر آرہا ہے کہ یہ تم پر فٹ نہیں ہے، جس طرح سے چھوٹا بچہ کبھی بڑے کے جوتے پہن لیتا ہے اور اسے فٹ نہیں آتے۔ مقامِ رہبری و مقامِ قیادت چھوٹے لوگوں کا کام نہیں ہے لیکن بسا اوقات پہن لیتے ہیں پھر اس بچے کی طرح لگتے ہیں جس نے باپ کا جوتا پہن لیا ہو، خوش ہونے کیلئے پہن تو لیا لیکن ان جوتوں سے یہ کبھی نہیں چل سکتا۔ اسی طرح سے امامؑ فرماتے ہیں کہ یہ تو میرے سائز کا بنایا گیا تھا تم نے غلط پہنا ہے۔ تقمص اس لبادے کو کہتے ہیں جو فٹ نہ ہو لیکن زبردستی پہن لیا جائے۔ بحثِ رہبری و امامت دین کی بنیادی و اساسی بحث ہے، اگر اہلِ امامت و ولایت کو سمجھ میں آئے۔ امامت کیلئے بخٍ بخٍ کافی نہیں۔ امامت کو بخٍ بخٍ کرے اور خود ہی امام کی راہ میں رکاوٹ بن جائے یہ ہر دور کاالمیہ ہے۔ سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہے کہ جن کی زبانوں پرامامت ہے لیکن روحِ امامت معلوم نہیں۔ جب اس ملت کو امامت اور رہبری کا معیار سمجھ میں آئیگا پھر راہزنوں سے نجات ملے گی۔

# قرآن مجید کے مطابق رہبرِ دین کی صفات:

قرآن مجید میں رہبر کی جو صفات ذکر کی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ اللّہ تعالیٰ اور ما انزل اللّٰہ پر ایمان:

قرآن کریم نے رہبر کیلئے پہلی صفت ایمان ذکر کیا ہے۔ رہبر مومن ہونا چاہئے اور یہ رہبر کیلئے بنیادی صفت ہے۔ مومن یعنی اس کا اللہ کی ذات، نظامِ ہستی، یومِ آخرت اور ما انزل اللہ پر کامل ایمان ہو۔ قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی اور نمایاں صفت سورہ بقرہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ

’’اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ‘‘ (سورہ بقرہ، آیت ۲۸۵)

اس رسول کا اُس چیز پر ایمان ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اگر سمجھ میں آجائے تو یہ بہت لطیف نکتہ ہے۔ سورہ بقرہ کی آخری آیات واضح کر کے بتا رہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کیوں کامیاب ہیں ؟ چونکہ انکا ’’ما انزل اللہ‘‘ پر ایمان ہے۔ ہم لوگ جو دین اور قرآن پڑھتے ہیں وہ فقط پڑھنے کی حد تک ہے۔ قرآن مجید پڑھ کر، صلواتیں پڑھ کر اور قرآن مجید کو چوم کر پھر آکر کہتے ہیں ووٹ کس کو دینا ہے؟ اور ہماری پارٹی کونسی ہے؟ اس سے کوئی پوچھے کہ ابھی اس قرآن کے اندر کیا پڑھا ہے؟ ابھی تو نے اسکے اندر امامت پڑھا ہے۔ حوزوں اورمدرسوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے، پڑھانے والوں اور پڑھنے والوں کا اُس پر ایمان ہوتا تو یہ سوالات ہی جنم نہیں لیتے۔ امام خمینیؒ میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ آپؒ نے خالص دین پڑھا۔ لہٰذا بہت سارے ماہرینِ سوشلزم، کیمون ازم، لبررازم اور سیکولرازم امامؒ کے پاس آتے تھے لیکن آپؒ کے جوابات سن کر واپس چلے جاتے تھے چونکہ امام خمینیؒ کا ایمان ما انزل اللہ پر بہت راسخ تھا۔ امام خمینیؒ کی کامیابی کا راز اسی پر ہے کہ دینِ اسلام، قرآن مجید، اہل بیت ؑ اور ما انزل اللہ پر کامل ایمان تھا، کسی بھی چیز پرآپؒ کو شک و شبہ نہیں تھا اور اس ایمان نے ہی آپؒ کو اُمت بنانے میں کامیاب کیا۔

۲۔ اللّٰہ کی معرفت:

رہبر کی دوسری صفت قرآن مجید نے معرفت ذکر کی ہے البتہ معرفت بھی ایمان کے ضمن میں آجاتی ہے لیکن مستقل صفت بھی ہے۔ رہبر کیلئے معرفت ضروری ہے اور قرآن مجید نے اسکو کھول کر بیان کیا ہے۔ واقعۂ طالوت ؑ میں قرآن مجید نے بتا دیا ہے۔ طالوتؑ ایک الٰہی رہبر تھے اور جالوت اس دور کا ظالم وستمگر حکمران تھا، یعنی اس زمانے کا طاغوت تھا جس نے مومنوں سے اُنکی سرزمین چھین لی، اُنکے بچے اور خواتین چھین لئے اور مردوں کو ایک کیمپ میں لے جاکر بند کردیا، انکی کئی نسلیں اسی کیمپ میں چلیں پھر چند ایک ایسے افراد پیدا ہوئے جنہوں نے کہاکہ یہ تو بہت ذلت، بے غیرتی اور حقارت ہے ہمیں اس حالت سے نکلنا چاہئے، اس حالت سے نکلنے کیلئے انکے ملاء یعنی خود ساختہ لیڈروں نے میٹنگ بلائی کہ اس حالت سے نکلنے کیلئے کیا کیا جائے؟ چونکہ اس سے پہلے انہوں نے تعویذ لئے، جنتر کروائے، ورد کروائے، دھرنے دیے، مطالبات پیش کیے اور بہت کچھ کیالیکن نتیجہ نہیں نکلا۔ آخرکار بات سمجھ میں آگئی کہ لڑنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے چونکہ مذاکرات اور سمجھوتے کرتے ہوئے کئی نسلیں گزر چکی تھیں لیکن قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ بند نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے میٹنگ بلائی اور میٹنگ میں یہ بات طے ہوگئی کہ ہمیں رہبر کی ضرورت ہے اور یہ جانتے تھے کہ رہبر تو اللہ تعالیٰ بناتا ہے اسلئے یہ نہیں کہا کہ ہم ووٹ ڈال کر ایک رہبر بناتے ہیں پھر اسکے گرد جمع ہوتے ہیں۔

یہ اُس وقت کے نبی کے پاس آئے اور کہا کہ یا نبی! بس بہت ہوگیا، اب ہم نے اس حقارت و ذلت سے نکلنا ہے اور اس کیلئے ہمیں رہبر کی ضرورت ہے اور ہمیں یہ پتہ ہے کہ رہبر ہم نہیں بنا سکتے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ چونکہ آپؑ اللہ تعالیٰ کے نمائندے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ تک ہماری بات پہنچائیں کہ ہمیں ذلت سے نکلنے کیلئے رہبر کی ضرورت ہے۔ اُس اللہ کے نبی نے سمجھایا کہ میں تمہیں جانتا ہوں ، تم اہل ِجنگ و جہاد نہیں ہو۔ یہ واپس آئے اور نبی کیخلاف پروپیگنڈا شروع کردیا کہ آج کل کے نبی بات ہی نہیں سنتے، انکو قوم کا احساس ہی نہیں ہے۔ نبی نے دیکھا کہ یہ اُلٹا کام کررہے ہیں ، جاکر اللہ سے دعا کی کہ اے خدا! یہ کسی طرف سے نہیں جانے دیتے، نہ لڑنے کیلئے تیار ہیں اور نہ میری بات سمجھتے ہیں لیکن ابھی رہبر مانگ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوت کو ان کیلئے رہبر مقرر کیا۔ حضرت طالوت ایک گمنام جوان تھے، چرواہا تھے اور شہر سے باہر کسی جنگل میں بھیڑیں چراتے تھے اور کسی بڑے خاندان سے بھی انکا تعلق نہیں تھالیکن دلیر، شجاع اورباغیرت تھے۔ نبی نے آکر اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طالوت تمہارا رہبر مقرر ہوا ہے، یہ لوگ وہیں پر بگڑ گئے کہ یہ کیسا رہبر ہے، رہبر تو ہم میں سے ہونا چاہئے تھا۔ میٹنگیں ہم نے کیں ، چائے ہم نے پلائی، دیگیں ہم نے پکائیں ، جلوس ہم نے نکالے، سارا اہتمام ہم نے کیا پھر طالوت کیسے رہبر بن سکتا ہے، ایک تویہ نوجوان ہے، دوسرا غریب ہے اور تیسرا گمنام ہے، پھر یہ کیسے رہبر ہوسکتا ہے کہ ہم طالوت کو اپنا رہبر مانیں ؟ اُس نبی سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو کہہ دو کہ ٹھیک ہے آپ نے بنایا ہے لیکن ہم اسکو رہبر نہیں مانتے۔ طالوت نے غریب خاندانوں سے اپنے دوستوں کو بلایا اور انہیں کہا کہ آئو ہم نے جالوت سے مقابلہ کرنا ہے چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ جب ملاء نے کہا کہ یہ تو نوجوان، گمنام اور غریب ہیں اور رہبر وہ بن سکتا ہے جو بزرگ ہو، جانی پہچانی شخصیت ہو اور امیر ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارے خود ساختہ معیار ہیں۔

’’ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاھِکُمْ‘‘ (سورہ احزاب، آیت ۴)

یہ تو تمہاری اپنی من گھڑت باتیں ہیں جنھیں تم نے خود بنایا ہیں ، انکا اللہ تعالیٰ سے کوئی واسطہ نہیں ، دین وہ ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔

# الٰہی رہبر کا ایمان، میدان میں پتہ چلتا ہے!

خداوندتعالیٰ نے فرمایا کہ معروف خاندان کا ہونا، مونچھوں والا ہونا، بیک پر بڑا خاندان ہونا، بڑے قبیلے کا ہونا، مضبوط پارٹی کا ہونا اور پیسوں والا ہونا یہ سب تمہارے اپنے بنائے ہوئے معیار ہیں۔ الٰہی رہبر کیلئے دو شرطیں ہیں ، ایک علم اور بصیرت کاہونا اوردوسری شرط شجاعت ہے۔ یہ دو چیزیں رہبر کیلئے ضروری ہیں اور ہم نے دونوں طالوت کو عطا کردی ہیں۔ پس یہ تمہارا رہبر ہے۔ طالوت نے فوج بنائی جسکے پاس نہ صحیح جوتے تھے، نہ ہتھیار تھے، نہ وردی تھی اور نہ ہی گھوڑے اور اونٹ تھے، طالوت کی فوج کے پاس سب سے بڑا ہتھیار غلیلیں تھیں باقی لکڑی کے ڈنڈے اور پتھر تھے۔ اس طرح کی فوج لے کر جالوت کو شکست دینے چل پڑے جو اس وقت کا سپر پاور تھا۔ یہ بھوکے، پیاسے اور تھکے ہوئے ایک جگہ سے گزر رہے تھے کہ راستے میں نہر آئی، فوج نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ چلو کچھ پینے کیلئے پانی توملا، جوں ہی نہر پر پہنچے رہبر نے حکم دیا کہ مجھے پتہ ہے کہ تم پیاسے ہو اور تھکے ہوئے ہو لیکن آپ نے پانی نہیں پینا۔ البتہ جو پیاس کی وجہ سے بے حال ہو رہا ہو اور مرنے کے قریب ہو وہ چُلو بھر پانی پی سکتا ہے۔ بعضوں نے کہا کہ ہم آپکا یہ حکم نہیں مانتے اور لیٹ کر پانی پیا اور اتنا پیا کہ اُٹھ ہی نہیں سکے۔ طالوت نے کہا تم بیٹھے رہو، جس نے پانی پیا ہے وہ وہاں بیٹھا رہے، باقی ماندہ لڑکوں کو لے کر میدانِ جنگ میں پہنچ گئے۔ جب وہاں پہنچے تو لشکر میں اکثر لوگ جالوت کالشکر دیکھ کر کانپ گئے اور کہا کہ ہم اتنے مضبوط لشکر سے نہیں لڑ سکتے، آگے ہاتھی، اونٹ، گھوڑے، توپیں اور منجنیق لگے ہوئے ہیں ، آج کی زبان میں بکتر بند گاڑیاں ، ٹنک، توپخانے، میزائل، جنگی طیارے اور بڑے بڑے ہتھیار نصب ہیں لہٰذاہم نہیں لڑ سکتے۔ آدھی فوج واپس چلی گئی لیکن دو بھائی نکلے اور کہا کہ ہم نے ان سے لڑنا ہے، کیونکہ اللہ کا قانون یہ نہیں ہے کہ اکثریتیں اقلیتوں پر غالب آتی ہوں بلکہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ اقلیت اکثریت پر غالب آتی ہے۔ رہبر کا مومن ہونا یہاں کام آتا ہے، اگر رہبر مومن نہ ہو اور اللہ کے وعدے پر ایمان نہ ہو تو یہاں ڈر جاتا ہے۔ یہاں پر اگر رہبر کا ایمان نہ ہو تو ڈھیر ہوجاتا ہے۔ دو بھائیوں نے اٹھ کر یہ نعرہ لگایاکہ

’’کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً بِاِذْنِ اللّٰہِ‘‘

(سورہ بقرہ، آیت ۲۴۹)

اللہ کے اِذن سے ہمیشہ اقلیت اکثریت پر غالب آتی ہے۔ اسکے بعد ڈنڈوں اور پتھروں سے خنجروں ، نیزوں اور ہاتھیوں و گھوڑوں کیخلاف جنگ شروع ہوگئی۔ اس لشکرِ طالوت میں ایک جنگجو بڑا دلچسپ جنگجو تھا جو سب سے چھوٹا تھالیکن ہمت میں سب سے بڑھ کر تھا اور اُسکا نام دائود تھا۔ یہ بڑا ماہر سنگ انداز تھا۔ اسکے ہاتھ میں غلیل تھی، اس نے دشمن کے چھوٹے موٹے سپاہیوں کو چھوڑ دیا اورڈائریکٹ جالوت کو نشانہ لیا، جالوت کا پورا جسم لوہے سے ڈھکا ہوا تھا لیکن داود نے کمزور پوائنٹ ڈھونڈا جہاں سے ہوا کے سوراخ کیلئے تھوڑا سا خالی رکھا گیا تھا اُس سوراخ کے سائز کا سنگریز لیا اور اتنے قریب سے نشانہ باندھا کہ جالوت غلیل سے نکلا ہوا سنگریزہ لگنے سے وہی پر ڈھیر ہوگیا اور جب جالوت کے لشکر تک خبر پہنچی کہ وہ مارا گیا ہے تو اُسکی فوج نے بھاگنا شروع کیا اور طالوت اس مختصر لشکر کیساتھ کامیاب ہوا۔ یہ ایک رہبرِقرآنی کی مثال ہے۔

# ۳۔ بصیرت:

قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے:

’’وَزَادَہٗ بَسْطَۃً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ‘‘ (سورہ بقرہ، آیت ۲۴۷)

رہبر کو علم، معرفت، بصیرت اور شجاعت کی ضرورت ہے جو ہم نے عطا کردی ہے۔ حکیم فارابی نے ازنظرِ فلسفہ جو نظریۂ رہبری پیش کیا ہے۔ اس نے روایات و آیات سے پیش نہیں کیا بلکہ فلسفے کی نکتۂ نگاہ سے نظریۂ امامت و حکومت ذکر کیا ہے لیکن یہ وہی نظریۂ امامت ہے جو تشیع میں ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اگر رہبر نظامِ ہستی کو نہ پہچانتا ہو تو ہدایت نہیں کرسکتا۔ شہر کی نالیاں بنا لے گا، پُل بنالے گا، فلائی اوور بنالے گا، گٹر بناکر دیگا اور منڈی ٹھیک چلائیگا لیکن آپکو مقصد ِخلقت تک نہیں پہنچا سکتا۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں خداوند تبارک وتعالیٰ نے رہبر کیلئے بصیرت کا ذکر فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺکا بھی فرمانا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں بصیرت کیساتھ دعوت دیتا ہو اور جو میرے ہمراہ ہیں وہ بھی بصیرت کیساتھ دعوت دیتے ہیں۔ حقیقت تک رسائی کا نام بصیرت ہے۔ یعنی حقیقت کی تہہ تک پہنچنا بصیرت ہے۔ یہاں پر صفاتِ رہبر کی فقط فہرست بیان ہو رہی ہے انکے مستندات و تفسیر کرنا ابھی باقی ہے۔

۴۔ ہستی شناس ہونا:

رہبر اور ایڈمنسٹریٹر یارہبر اور مدیرمیں فرق ہے، بسا اوقات مومنین یہاں پر اشتباہ کرتے ہیں۔ جو بھی مدیریت کررہا ہو اُسے سمجھتے ہیں کہ رہبر ہے۔ رہبر ہادی ہوتاہے اور اسکا سب سے پہلا کام ہدایت کرنی ہے اور انسان کو مقصد ِ خلقت تک پہنچانا ہے۔ جو نظام شناس و ہستی شناس نہیں ہے، جس نے فقط صَرف و نحو پڑھ لی ہے یا جس نے چند احکام فقہ پڑھ لئے ہیں وہ کیسے ہادی ہوسکتا ہیـ؟ اسکا ہستی شناس ہونا ضروری ہے۔ اُس حکیمِ بزرگوار کے بقول کہ فیلسوف ہونا ضروری ہے، اگر اُسکی بات کی ترجمانی کریں تو وہ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ رہبر وہ ہوتا ہے جو نظامِ ہستی کی شناخت رکھتا ہو، کائنات کو پہچانتا ہو، عالم ِملک و ملکوت سے آشنا ہو، نظامِ عِلل و اسباب کو جانتا ہو اور معرفت رکھتا ہو پھر انسان کی ہدایت کرسکتا ہے۔

نہ ہرکہ سر نہ تراشد قلندری دانند

جسکو نائی نہیں ملا اور بال بڑھ گئے وہ قلندر نہیں ہوتا۔ رہبری ایک اعلیٰ مقام ہے جسکی شرائط میں سے ہستی شناس ہونا ضروری ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ

جہان بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی

جہان بینی یعنی کائنات کی شناخت اور ہستی شناسی ایک رہبر کی بنیادی شرط ہے۔ جو ہستی شناس نہیں اورصرف و نحو کی چند کتابیں پڑھ کر اگر رہبر ِملت بن جائے یہ رہبر نہیں ہوتا۔ جس نے صرف و نحو پڑھا اورفقط عربی آتی ہووہ مدیر بن سکتا ہے لیکن رہبر نہیں بن سکتا۔ رہبر انسان شناس ہو، حقیقت ِانسانی کو جانتا ہو، مراحل ِانسانیت کو اور دین کو جانتا ہو۔ دین کا فقط ایک جز پڑھنے سے کوئی رہبر نہیں بن سکتا جیسے فقط عبادات پڑھ لے، اسکو نماز و روزے اور حج کے احکام پتہ ہوں تو رہبری کیلئے یہ کافی نہیں۔ شہید مطہریؒ کا اپنی کتاب میں یہی شکوہ ہے کہ کس قدر مضحکہ خیز بن گیا ہے کہ جو بھی صرف و نحو پڑھ لیتا ہے اور فقہ و اصول پڑھتا ہے وہ اپنے آپ کو رہبری کیلئے سزاوار پاتا ہے اور لوگ بھی اسکو رہبرمان لیتے ہیں۔

’’سماہ أشباہ الناس عالماً و لیس بہ‘‘ (نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۷)

پس رہبر، دین شناس، ہستی شناس، انسان شناس اور مکتب شناس ہو۔

۵۔ مستقبل کی پیشن گوئی!

الٰہی رہبر وہ ہو سکتا ہے جو دقیق فہم اوراعلیٰ شعور کا مالک ہو اورجو امت کیساتھ پیش آنیوالے حالات کا وقت سے پہلے درست اندازہ لگا کر پیش بینی کرسکتا ہو۔ یعنی رہبر وہ ہوتا ہے جو وقت سے پہلے سب کچھ ہوتا ہوا دیکھ سکتا ہو۔ اسلئے امیر المومنین ؑ فرماتے ہیں میں دیکھ رہا ہوں تمہارے ساتھ یہ ہونیوالا ہے، فلاں حکمران آنیوالے ہیں ، اے مدینہ، مکہ اور عراق والو! میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ساتھ مستقبل میں کیا ہونیوالا ہے۔ آج کالی وردی میں داعش عراق میں داخل ہوئی ہے اور خلافت کا باقاعدہ اعلان کیا ہے، امیر المومنین ؑ اُس وقت فرماتے ہیں کہ اے عراق! میں دیکھ رہا ہوں تیرا حشر کیا ہونیوالا ہے۔ ایسے پرچم، ایسے چہرے اور ایسے لوگ تیرے اوپر مسلط ہیں اور تیری یہ حالت ہے۔ بصیرت سے مراد یہ ہے کہ حقیقت ِمسائل تک اور حقیقت ِواقعات تک پہنچا جائے۔ مثلاً اس وقت دنیا کے اور پاکستان کے جو حالات ہیں۔ لانگ مارچ ہونیوالا ہے، دھرنے ہونیوالے ہیں اور فلاں فلاں ہونیوالا ہے۔ اسرائیل نے غزہ پر حملہ کیا، عراق پرداعش نے حملہ کیا، لیبیا، سوریا اور مصر میں افراتفری ہے۔ جب کسی کنفیوژن کے ڈرم سے جاکر پوچھتے ہیں کیا ہورہا ہے تو وہ اور کنفیوژ کردیتا ہے۔ یہ بصیرت نہیں ہے، بصیرت یہ ہے کہ ان ظاہری واقعات کو دیکھ کر انکی تہہ تک پہنچا جائے کہ کیا ہونیوالا ہے؟ رہبر کے اندر یہ دقیق پیش بینی کی صلاحیت ضروری ہے۔

# ۶۔ صاحبِ حکمت:

رہبر کے پاس حکمت ہو چونکہ اسکا ایک اصلی فریضہ تعلیم ِحکمت ہے۔

’’اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ‘‘ (سورہ النحل، آیت ۱۲۵)

حکمت کے ذریعے اس نے دعوت دینی ہے

’’وَیُعَلِّمُہُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ‘‘(سورہ آل عمران، آیت ۴۸)

اوررہبر کا کام تعلیم ِکتاب و حکمت بھی ہے۔ حکیم ہونا ضروری ہے کہ اگرچہ حکمت کی وضاحت بھی یہاں پر ممکن نہیں۔ حکمتِ علمی و حکمتِ عملی کا ہونا ضروری ہے۔ نظامِ ہستی کے فیصلہ کُن، واضح، شفاف، اٹل اور مضبوط اصول کو حکمت کہتے ہیں۔

# ۷۔ عدالت:

رہبر کیلئے ایک شرط عدالت ہے۔ اسکے اپنے وجود میں تعاد ل ہو یعنی اُسکی اپنی فطرت و طبیعت، احساسات، خواہشات، رجحانات، اوصاف، معرفت، عادات، خُلقیات میں تعادل و توازن ہو۔

# ۸۔ شجاعت!

رہبر کیلئے صفتِ دیگر شجاعت ہے۔ شجاعت سے مراد پہلوانی نہیں ، پاکستان میں شجاعت پہلوانی کو کہتے ہیں جبکہ درحقیقت پہلوان شجاع نہیں ہوتا بلکہ وہ طاقتور اور زورور ہوتا ہے، ممکن ہے شجاع کوئی اور ہو اور طاقتور کوئی اور ہو۔ شجاعت، دلیری اور بہادری بندگی ٔ خدا سے پیدا ہوتی ہے۔ شجاع آزاد ہوتا ہے، کسی بندھن اور زنجیر میں جکڑا ہوا نہیں ہوتا۔ سوائے خدا کے کسی اور کو جوابدہ نہیں ہوتا اور فکر میں آزاد ہوتا ہے، ڈرتا نہیں ہے۔ شجاع وہ ہوتا ہے جو سوچ میں دلیر ہو۔ عموماً لوگ سوچ اور فکر میں ڈرتے ہیں ، یہ بزدل لوگ ہوتے ہیں۔ ماں باپ بچوں کو بزدل بناتے ہیں۔ ہم بچوں کو ایسا دین سکھاتے ہیں کہ انھیں بزدل بنا دیتے ہیں۔ ہر بات پر کہتے ہیں کہ گناہ ہوگا۔ جیسے بچہ کہتا ہے کہ بابا بتاؤ ہم کو کس نے بنایا؟ جواب دیتے ہیں اللہ نے۔ پھر جب بچہ پوچھتا ہے کہ اللہ کو کس نے بنایا؟ فوراً کہتے ہیں کہ توبہ توبہ، منہ بند کر، گناہ ہوگا۔ یہیں سے وہ بزدل بن جاتا ہے۔ بچہ جب بھی کوئی سوال پوچھے اسکا جواب ملنا چاہئے۔ اگر چھوٹا بچہ پوچھتا ہے کہ یہ بڑے بھائی کہاں سے لائے ہو؟ فوراً ڈانٹا جاتا ہے کہ چپ ہوجائو، شرم کرو، یہ پوچھنے والی باتیں نہیں۔ اس طرح بچے کو بزدل بناتے ہیں۔ ادب اور شرم و حیاء کے دائرے میں رہتے ہوئے اُسے سمجھانا چاہئے کہ وہ کہاں سے آئے ہیں تاکہ اس میں پوچھنے کی شجاعت آئے۔ شجاعت کا ایک مطلب یہ ہے۔

شجاع کا دوسرامطلب میدان میں فیصلہ کرنا ہے کہ رہبر فیصلے میں دلیر ہو۔ بزدل رہبرہمیشہ غلط فیصلے کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی قوم کے دردوں میں سے ایک یہی درد بیان کیا ہے کہ شیروں کے بچے فیصلوں میں شیر نہیں ہوتے بلکہ بکری بن جاتے ہیں۔ شیر کا بچہ شکار سے ڈرتا ہے اور گھاس چرتا ہے اور اسی طرح شاہین کا بچہ ہے پروازسے ڈرتا ہے بلکہ ممولوں کی طرح زمین پر چل کر کیڑے ڈھونڈتا ہے۔ ہمارے بچوں میں فیصلوں کے حوالے سے دلیری نہیں۔ یہ جوان جب تعلیمی میدان میں آنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو سب سے زیادہ بزدلانہ فیصلہ کرتے ہیں۔ روٹیاں گن کر تعلیمی شعبے کا انتخاب کرنا ایک بزدلانہ فیصلہ ہے۔ رہبری وہ کر سکتا ہے جو فیصلوں میں دلیر ہو۔ اسکے بعد پھر اقدام کے مرحلے میں بھی رہبر دلیر و شجاع ہو۔

# ۹۔ اِبشار کرنے والا:

قرآن کریم فرماتا ہے کہ رہبر مبشر ہونا چاہئے۔ مبشر کا مطلب امید دلانیوالا، مایوسیوں سے نکالنے والا اور سخت ترین حالات میں قوم کا حوصلہ بڑھانیوالا۔ جس طرح حضرت طالوت نے جالوت کیخلاف اپنی خالی ہاتھ فوج کے حوصلے بلند کیے۔ مبشر وہ نہیں ہوتا جو یہ کہے کہ ابھی تم ذلت سے بیٹھ جاؤ، اس ذلت کے بدلے میں آخرت میں حوریں ملیں گی۔ ذلت کی زندگی کے بدلے حوروں کی خوشخبری دینے ولا بشیر نہیں ہوتا بلکہ بشیر رہبر وہ ہوتا ہے جوناامید انسان کے اندر امید ایجاد کرتا ہے۔

# ۱۰۔ اِنذار کرنے والا:

رہبر منذر ہو اور انذار کرے۔ یعنی ملت کو خطروں اور دشمنوں کے بارے میں آگاہی دے۔ آگاہ ترین فردِ امت رہبر ہونا چاہئے تاکہ انذار کر سکے۔ دشمن شناس ہو اور دشمن کے بارے میں دقیق ترین تحلیل و تجزیہ کرکے بتا سکتا ہو کہ یہ ہمارا دشمن ہے، یہ سوچ رہا ہے، اس طرح سے وار کریگا، اسکو اس طرح سے آپ نے جواب دینا ہے۔

# ۱۱۔ متعہّد:

قرآن مجید فرما رہا ہے کہ رہبر متعہد ہونا چاہئے۔ یعنی اللہ کیساتھ عہد باندھے بلکہ رہبری کو قرآن مجید نے کہا ہی عہد ہے۔

’’لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ‘‘ (سورہ بقرہ، آیت ۱۲۴)

جب حضرت ابراہیم ؑ نے عرض کیا یااللہ! رہبری مجھے تو دے دی، میری ذُریت میں بھی رہبری مقرر فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! یہ میرا عہد ہے اور عہد ظالم تک نہیں پہنچتا۔ رہبری عہد ہے اور متعہدہی رہبری کے قابل ہیں۔ متعہد یعنی جس نے اپنے خدا، اپنے دین اور اپنی ملت کیساتھ عہد کیا ہو۔ روایات کے اندر بھی یہ مطلب ہے کہ رہبر وہ ہو جسکا سب سے پہلے اپنے نفس پرکنٹرول ہو۔ اسکو علامہ اقبالؒ نے بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے شرحِ اسمائے حضرت علی مرتضیٰ ؑ اسرارِ خودی میں بیان کئے ہیں ، اُن اسماء میں سب سے زیادہ علامہؒ نے ابوتراب پر بحث کی ہے، بوتراب حضرت علی ؑ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور علامہؒ فرماتے ہیں کہ جو بوتراب بنے گا وہی تسخیر ِکائنات کرسکتا ہے، وہی دشمن کے مقابلے میں غالب آسکتا ہے، جو ابن ِ تراب ہے وہ کچھ بھی نہیں بن سکتابلکہ وہ دین فروش بنے گا۔ بوتراب کا مطلب علامہؒ فرماتے ہیں کہ یہ تن خاک کا ہے اوراس مٹی کے جسم اور اس جسم کے تقاضے، خواہشات اور رجحانات جو اپنی فطرت کے ذریعے تسخیر کریگا وہ بوتراب ہے اور امیر المومنین ؑکو اسلئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھاکہ آپؑ بوتراب ہیں ، چونکہ رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ × میں کوئی ایسا نہیں تھا جس نے امیر المومنین ؑکی طرح اپنا تن ِخاکی تسخیر کرلیا ہو۔ پس بوتراب ہی تسخیر ِ کائنات کرسکتا ہے، امامت کیلئے لائق وہی ہوتا ہے جو بوتراب ہو۔

# ۱۲۔ فقط مطیع مولا ہونا!

رہبر فقط خدا کا مطیع ہو۔ حتیٰ اپنی رائے اور اپنی سوچ کو ذرہ برابر دخل نہ دیتا ہو بلکہ فقط خدا کے حکم کا مطیع ہو۔

’’وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ٭ لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ ٭ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَتِیْنَ‘‘ (سورہ الحاقہ، آیت ۴۴ تا ۴۶)

خود کی بنائی ہوئی ذرا سی بات بھی ہماری طرف نسبت نہیں دے سکتے اور اگر ایسا کیا توہم کلائی مروڑ کر زمین میں پٹخ دیں گے اور رگِ حیات کاٹ دیں گے۔ یعنی کوئی بات جو اللہ تعالیٰ نے نہیں کی ہے اُسے کسی مصلحت وفائدے کی خاطر اللہ کی طرف نسبت نہیں دے سکتے۔ اپنی بنائی ہوئی باتوں کو اللہ کی طرف نسبت دینے والے کیلئے اتنے سخت جملے کہے گئے ہیں۔ ایسا رہبر جو لوگوں کو اپنا مرید بنانے کیلئے جو منہ میں آئے کہتا جائے کہ یہ بھی اللہ کا فرمان ہے اور یہ بھی اللہ کا فرمان ہے، وہ رہبر نہیں ہے۔ جو اپنے اقتدار کی خاطر تمام مقدساتِ دین کو استعمال کرتا ہو وہ رہبر نہیں ہو سکتا بلکہ راہزن ہے۔ پس رہبر کیلئے ایک شرط مطیعِ مولا ہونا ہے۔ رہبر ہادی ہے اور رہبری کے اصلی کاموں میں سے ایک ہدایت ِبشر، پرورشِ انسان اور مقامِ خلافت تک پہنچاناہے۔

# ۱۳۔ قاطعیت:

رہبر کے اندر ایک شرط و صفت قاطعیت ہے اور یہ شرط بہت ہی ضروری ہے۔ یعنی رہبر کے اندر لچک، تردد اور دو دلی نہ ہو بلکہ دوٹوک بات کرے۔ جس طرح قرآن مجید نے طریقہ بتا دیا ہے کہ

’’قُلْ ٰٓیاَ یُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ٭ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ‘‘ (سورہ الکافرون، آیت ۱ تا ۲)

اسی طرح دو ٹوک بات کرو۔

’’لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ‘‘ (سورہ الکافرون، آیت ۶)

تُو اپنی راہ پر چل، میں اپنی راہ پر چلتا ہوں۔

’’اِنِّیْ بَرِیْٓئٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ‘‘ (سورہ الشعراء ۲۱۶)

تم جو کچھ کرتے ہو میں اُس سے بری و لاتعلق ہوں ، میں اسکی تائید نہیں کرتا۔ یعنی دشمنوں کیساتھ گول مول اورلگی لپٹی بات نہ کرے بلکہ قاطع اور دو ٹوک بات کرے لیکن مومنوں کیساتھ نرمی سے بات کرے

’’مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآئُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآئُ بَیْنَھُم‘‘ (سورہ فتح، آیت ۲۹)

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہے کہ اے رسول! اگر آپ اپنے ساتھیوں کیساتھ نرم نہ ہوتے تو سب بھاگ جاتے، اللہ کے فضل سے آپ نے نرمی اختیار کی۔

’’وَلَوْکُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ‘‘ (سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹)

اگر آپ میں شدت اور سختی ہوتی تو یہ بھاگ جاتے لیکن دشمن کیساتھ شدت سے بات کریں۔ حضرت ابراہیم ؑنے کہا کہ

’’عَدُوٍّ لَّکُمْ‘‘ (سورہ نساء، آیت ۹۲)

میں اب سے تمہارا دشمن ہوں کیونکہ تم اللہ کے دشمن ہو۔

’’ٰٓیاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ‘‘ (سورہ توبہ، آیت ۷۳)

اے نبی! کفار و منافقین کیخلاف جہاد کرو، اقدام کرو اور اس میں شدت و غلظت ہونی چاہئے۔

۱۴۔ شرحِ صدر:

شرحِ صدر ایک اور صفت ہے جو رہبر کیلئے ضروری ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ نے اللہ سے یہی دعا مانگی:

’’رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ‘‘ (سورہ طہٰ، آیت ۲۵)

اے خدا! رہبری دے دی ہے تو رہبری کیلئے شرحِ صدر بھی عطا فرما۔ تنگ دل، جسکے دل میں اپنے علاوہ کسی کی جگہ ہی نہ ہو وہ رہبر نہیں رہزن ہوتا ہے۔ رہبر شرحِ صدر کا مالک ہوتا ہے۔

۱۵۔ درد مندی:

درد انسانوں کو رہبر بناتے ہیں۔ یہ بارہا عرض کیا ہے کہ درس رہبر نہیں بناتے بلکہ درد انسان کو رہبر بناتے ہیں۔ شہید مطہری ؒیہی فرما رہے ہیں کہ ہر درس پڑھا ہوا رہبر نہیں ہوتا بلکہ درس کیساتھ درد بھی ہونا چاہئے۔ جسکے اندر درد نہ ہو وہ رہزن ہوسکتا ہے۔

# ۱۶۔ جاذبۂ قوی:

رہبر کے اندر اتنی جذابیت ہو کہ لوگ اسے قبول کریں۔ جذابیت سے مراد یہ نہیں کہ اُسکے پاس پیسے اتنے ہوں ، کھانا کھلاتا ہو، دسترخوان معاویہ کی طرح بچھا تا ہو اور پھر لوگ کوفہ والوں کی طرح بھاگ بھاگ کر وہاں جائیں۔ یہ جذابیت ِرہبر نہیں ہے بلکہ یہ جذابیت ِلنگر ہے۔ رہبر کی جذابیت یہ ہے کہ اسکے اندر اتنا کمال ہو کہ وہ کشش کا باعث بنے۔ جب رہبر کے اندر کمال، الٰہیت اور اُلوہیت آجائے تو اسکے اندر کشش پیدا ہوجاتی ہے جسکے نتیجے میں لوگ بے خود اسکی طرف کھنچے ہوئے آتے ہیں۔

۱۷۔ دافعۂ قوی:

رہبر کے اندر ایک طرف سے اتنی کشش ہو کہ فطرتوں کو کھینچے اور دوسری طرف سے اُسکے اندر اتنی دفاعی قوت ہو کہ کافر، منافق، فاسق و فاجر، نالائق، نااہل اور ناکارہ اسکے قریب بھی نہ بھٹک سکے۔ اتنی شعاعیں رہبر کی قوی ہوں کہ ناکارہ لوگ جرأت نہ کرسکے۔ امیر المومنین ؑمیں یہ دو قوتیں بہت قوی تھیں۔ جاذبہ و دافعہ دونوں رہبر کی شرائط میں سے ہیں۔ وہ رہبر جسکو سب مانتے ہوں یا جسکو کوئی نہ مانتا ہو وہ رہبر نہیں بلکہ رہزن ہے روایات میں ہے کہ سب سے بدترین مہمان وہ ہے کہ جسکے ڈر سے میزبان کو بہت زحمت کرنی پڑجائے کہ اگر اسکو صحیح کھانا نہ کھلایا تو یہ جاکر بدنام کریگا۔ راہزن کی اسکے شر سے بچنے کیلئے لوگ خدمت کرتے ہیں ، اگر شر کی وجہ سے کوئی چکن تکہ کھلا رہا ہے تو یہ آپکی عزت نہیں بلکہ حقارت کا کھانا ہے چونکہ ڈر کی وجہ سے ہمیں کھلایا جارہا ہے۔ یہ بھی رہبر نہیں ہے کہ کوئی اسکی خدمت اس وجہ سے کرے کہ اگر میں غلطی کر کے تھانے میں جائوں تو مجھے چھڑا دیگا۔

پاکستان میں آئے دن یہ کام ہوتے ہیں لوگوں کو اپنی رہبری منوانے کیلئے تھانوں سے مجرم ہونے کے باوجود چھڑائے جاتے ہیں۔ ان حربوں سے اگر کسی کو رہبر بنایا جائے، تہمت و بہتان و پروپیگنڈے کی فضا بناکر لوگوں کو کہا جائے کہ میرے شر سے بچنے کیلئے مجھے مانو۔ یہ رہزن ہے۔ رہبر وہ ہے جسکے اندر کشش ہو، جسکے اندر جاذبہ ہو۔ لہٰذا جو الٰہی رہبر ہیں اُن میں جاذبہ و دافعہ رہبری کی سطح کا موجود ہوتاہے۔ رہبری کا جاذبہ و دافعہ معمولی سطح سے بالاتر ہے اور وہ یہ ہے کہ دو طبقے اسکے سامنے ہوں۔ ایک اس پر جان دینے والے اور ایک اسکی جان لینے والے۔ ایک نے عہد کرلیا ہو کہ اس پر جان نثار کریں گے اور ایک نے عہد کرلیا ہو کہ اسکی جان لے کر رہیں گے۔ ایک طرف عمار و ابوذر و میثم ہوں جو یہ کہیں اس پر جان دے دیں گے اور دوسری طرف سے ابن ِملجم نے قسم کھائی ہو کہ اسکی جان لے کر رہوں گا۔ اسی کو جاذبہ و دافعۂ رہبری کہتے ہیں۔

# ۱۹۔ خوفِ خدا:

قرآن مجید نے رہبر کی ایک صفت خوفِ خدا ذکر کیا ہے۔

’’الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَ یَخْشَوْنٰہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ‘‘ (سورہ احزاب، آیت ۳۹)

جو خدا کی رسالت کے مبلغ ہیں و حامل ِرسالت ِخدا ہیں یہ اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے۔ ظالموں ، طاغوتوں ، جیلوں ، مقدمات، پروپیگنڈوں اور ملامتوں سے بے خوفی الٰہی رہبر کی ایک اور اہم صفت ہے۔ قرآن ذکر کرتا ہے کہ

’’وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ‘‘ (سورہ مائدہ، آیت ۵۴)

الٰہی رہبر ملامتوں سے بھی نہیں ڈرتا۔ خود ساختہ رہبر عوام اوراپنے مریدوں سے بھی ڈرتے ہیں لیکن رہبر ِالٰہی و ربانی وہ ہے جو اپنے مریدوں سے بھی نہ ڈرتا ہو۔

# ۲۰۔ رؤوف:

سورہ توبہ کے آخر میں خداوند تعالیٰ نے رہبر کی صفات میں فرمایا ہے کہ رہبر کو رؤوف ہونا چاہئے۔

# ۲۱۔ خلّاقیت و ابتکار:

رہبر کے اندر خلّاقیت ہو۔ خلّاق ہو تو بحرانوں سے اور بند گلیوں سے نکل سکتا ہے لیکن اگر رہبر میں خلّاقیت نہ ہو تو خود بھی بندراہوں میں پھنستا ہے اور قوم کو بھی پھنساتاہے، خود بھی استخارے پر استخارہ کررہاہوتا ہے اور قوم کی راہنمائی بھی استخاروں کے ذریعے کرتا ہے۔ فیض کے بقول کہ

سرِ کوئے ناشنایاں کبھی اس سے بات کرنا کبھی اُس سے بات کرنا

نا آشنا کوچے میں کھڑے ہوکر کبھی اِس سے پوچھنا، کبھی اُس سے پوچھنا۔

رہبر کا کام بند گلیوں سے نکالنا ہے، یوں نہ ہو کہ قوم کنفیوژ ہو کر رہبر کو فون کرے اور رہبر کہے کہ میں تم سے زیادہ کنفیوژ ہوں۔ رہبر کا کام یہ ہے کہ جہاں ساری دنیا مایوس ہوجائے اسکے پاس راہِ حل موجود ہو۔

# ۲۲۔ صاحبِ عزم:

رہبر صاحب ِعزم ہواور پختہ عزم و ارادہ رکھتا ہو۔ صاحب ِعزم ہونا بہت گہری صفت ہے۔

# ۲۳۔ صبر و استقامت:

صبر و استقامت دونوں الگ الگ صفات ہیں لیکن چونکہ معنی ایک ہے اسلئے ملاکر ایک صفت شمار کی جا سکتی ہے۔ قرآن مجید نے صبر اور استقامت کوالگ الگ ذکر کیا ہے۔ بعض علماء نے بھی ذکر کیا ہے کہ صبر ایک الگ استقامت کا نام ہے جبکہ خود استقامت ایک الگ استقامت ہے لیکن اُردو میں دونوں ہی استقامت استعمال کرتے ہیں۔

# ۲۴۔ سبقت:

رہبر کی ایک صفت سبقت ہے کہ رہبر ہر کام میں دوسروں پر سبقت رکھتا ہو۔ قرآن میں ہے کہ اول ِمسلم بنو یعنی جنگ، مصیبت، مشکل، تکلیف اور دکھ کے وقت ہمیشہ سب سے آگے ہو۔ السابقون السابقوں میں سے ہونا ہے۔ قرآن مجید نے منافقوں کی ایک صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ ہر کام میں پیچھے رہتے ہیں۔ قیام کے وقت چھٹی مانگنا اور معذرت پیش کرنامنافقت کی علامت ہے۔ یعنی یہ کہنا کہ بیمار تھا، گاڑی خراب تھی، شادی پر گیا تھا وغیرہ وغیرہ کہنا منافقت ہے ورنہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنگ کیلئے نکلیں اور ابوذرؓ نے کوئی معذرت پیش کی ہو۔ غزوہ تبوک کیلئے جب رسول اللہ ﷺ نکلے تو بہت ساروں نے بیماری اور دیگر مسائل کا حوالہ دیا اور نہیں گئے لیکن ابوذرؓ آپؐ کیساتھ گئے حالانکہ ابوذرؓ کے پاس ایسی اونٹنی تھی جو بہت ہی کمزور اور بیمار تھی، ابوذرؒ نے جنگ کیلئے ضروری سارا سامان کندھے پر اٹھایا اور ساتھ جنگ کیلئے نکل گئے۔ جن کے پاس تیز سواریاں تھیں وہ آگے نکل گئے اور ابوذرؓ پیچھے رہ گئے۔ راستہ بھی صحرائی تھا۔ لوگوں نے ابوذرؓ کیخلاف باتیں شروع کردیں۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ وہ پیچھے رہنے والا بندہ نہیں ، وہ ضرور آئیگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ قیام کیاتاکہ ابوذرؓ پہنچ جائیں اور ایسا ہی ہوا۔ دوپہر کے وقت ابوذرؓ دور سے آتے ہوئے نظر آئے اور وہ اس حالت میں کہ اونٹنی کا پالان اور دیگر سامان بھی سر پر اٹھایاہواتھااور پاؤں سے خون نکل رہا تھا اور ایک ہاتھ میں پانی تھا، آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آکر دو زانو ہوکر آپؐکے سامنے بیٹھ گئے اور کہا کہ اونٹنی راستے میں مر گئی، ایک جگہ بارش ہوئی اور صاف و تازہ پانی ایک جگہ جمع ہوا، پیاس زیادہ لگی تھی، پانی پینے لگا لیکن پھر یاد آیا کہ پتہ نہیں میرے حبیب نے پانی پیا ہے یا نہیں ، لہٰذا وہ پانی بھرا اور آپؐ کیلئے لے کر آیا ہوں۔ اب یہ گفتگو جب منافقوں نے سنی تو شرمندہ ہوگئے اور اُنکی نظریں جھک گئیں۔ اسی لئے امیرالمومنین ؑ کو بھی ابوذرؓ بہت زیادہ یاد آتے تھے۔

# ۲۵۔ امانت داری:

رہبر کی صفات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ امین ہو۔ رہبر کے پاس ہر چیز امانت ہوتی ہے۔ دین، قوم، بیت المال، راستہ اور دیگر وسائل رہبر کے پاس امانت ہوتی ہیں۔ امین رسول اللہ ﷺ کے القابات میں سے نمایاں صفت ہے، آپؐ کی یہ صفت دشمن بھی مانتے تھے۔ ابولہب و ابوجہل نے بھی کہاکہ یہ رسول تو نہیں ہیں لیکن امین ضرور ہیں۔

# ۲۶۔ اسوۂ حسنہ:

رہبر رول ماڈل ہوتا ہے۔ یہ بھی رہبر کی بہت اہم صفت ہے۔ رہبر ہیرو نہیں ہوتا بلکہ اُسوہ ہوتا ہے۔ ہیرو یعنی اسطورہ نہیں ہوتا۔ فلمی دنیا نے دینی معیار ہم سے چھین لیا اور ہمارے سامنے ہیرورکھ دیاہے۔ اب دینی اور مذہبی لوگ بھی ہیرو کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ہیرو وہ ہوتا ہے جو آکر قوموں کے کام کرتا ہے اور اُسوہ وہ ہوتا ہے جو قوموں سے کام کرواتا ہے۔ خود کام کر کے اُنکو دکھاتا ہے کہ جیسا میں نے کیا ہے ایسا تم بھی کرو، یہ اُسوہ ہے۔

# ۲۷۔ محرّک:

رہبر کا ایک کام یہ ہوتا ہے کہ وہ جامد امت کو حرکت دیتا ہے۔ حرکت دینے کیلئے پہلے اپنے اندر تحرّک پیدا کرتا ہے پھر لوگوں کے اندر تحریک پیدا کرتا ہے، رُکی ہوئی قوم کو حرکت میں لاتا ہے۔

# ۲۹۔ مبعوث ہونا چاہئے:

رہبر مبعوث ہونا چاہئے یعنی بھڑکا ہوا اور برانگیختہ ہونا چاہئے۔ کوئی چیز اندر ہو جو اُسکو اُٹھائے اور بیٹھنے نہ دے یعنی درد مند ہونا چاہئے۔

# ۳۰۔ صاحبِ قوتِ بیان:

صاحب ِقوتِ بیان اور فصیح بیان ہو، یعنی قوتِ تفہیم رکھتا ہو، اللہ کا پیغام آسانی سے قوم تک منتقل کرسکتا ہو۔

# ۳۱۔ صاحبِ جدوجہد:

صاحب ِجِد و جَہد ہو۔ جِد کا بھی مالک ہو اور جَہد کا بھی۔ جِد یعنی پُختہ ارادہ و سنجیدہ ہو، اُس میں ہلکا پَن، چھچھورا پن اور مسخرہ نہ ہو۔ اُسکے وجود سے جِدیت ٹپک رہی ہوتی ہو اور صاحب ِجہد ہو۔ قوتِ تمرکز رکھتا ہو، یہ نہ ہو کہ وہ کہے مجھے تو کوئی بات سمجھ نہیں آرہی۔ اپنی فکر کو جس نکتے پر چاہے متمرکز کرسکتا ہو یا اپنے ہدف پر متمرکز کرسکتا ہو۔

# ۳۲۔ صاحبِ بخشش و داد رس:

صاحبِ بخشش و جُود و صفت سخاوت رکھتا ہو۔ داد رَس و فریاد رَس ہو۔ کسی فریاد رَس کی فریاد کو بلا جواب نہ چھوڑتا ہو۔ عشق و شوق رکھتا ہو۔ اس میں اطمینانِ نفس ہو۔

# ۳۳۔ نفسِ مطمئنّہ کا مالک:

رہبر نفسِ مطمئنہ کا مالک ہو، مضطرب نہ ہو۔ سخت ترین حالات میں بھی اطمینانِ نفس کا مالک ہو۔ امیر المومنین ؑ فرماتے ہیں جب جنگ شدت و اوج پر جا پہنچتی تھی اور جنگ میں ٹھہرنا مشکل ہوجاتا تھا، اُس وقت ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں جاتے تھے اور آپؐ کی پناہ سے ہمیں پھر اطمینان مل جاتا تھا اور پھر ہم دوبارہ جنگ لڑنے جاتے تھے یعنی امیر المومنین ؑاپنی شجاعت کا راز رسول اللہ ﷺ کو ذکر فرماتے ہیں کہ میری شجاعت کا منبع رسول اللہ ﷺ تھے۔

# ۳۴۔ نظم و ضبط کا پابند:

رہبر ہر کام میں نظم و انضباط رکھتا ہو۔ اُسکی زندگی، سوچ، کام اور اعمال درہم برہم نہ ہوں۔

# ۳۵۔ عبرت حاصل کرنیوالا:

رہبر عبرت لیتا ہے۔ امیر المومنین ؑ فرماتے ہیں کہ گزشتہ قوموں سے جس طرح قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کو کہا کہ اے رسول! یہ واقعہ آپ کیلئے سابقہ قوموں کا نقل کیا جارہا ہے تاکہ عبرت لو۔ اپنی قوم کو بھی ان واقعات سے عبرت دو۔

# ۳۶۔ اُمت شناس:

ملل شناس و جامع شناس ہو اور بلند نگاہ کا مالک ہو۔ علامہ اقبالؒ نے یہ صفت اپنے کلام میں خصوصیت کیساتھ ذکر کی ہے کہ

نگاہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُرسوز

یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

رہبر کی نگاہ بلندہو، تنگ نظر نہ ہو، صرف اپنے پاؤں تک دیکھتا نہ ہو، صرف اپنا پیٹ نظر نہ آتا ہو یا اپنی قوم، اپنا قبیلہ، اپنی تنظیم اور اپنی پارٹی تک نظریں محدود نہ ہوں بلکہ رہبر کی نگاہ بلند ہو، کئی نسلوں تک دیکھ رہا ہو۔ جان پُرسوز ہو، درد و عشق سراپا ہو۔

یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

خوش نصیب ہے وہ قوم جسکو اس قسم کا میرِ کارواں میسر آجائے، جسکے اندر یہ صفاتِ الٰہی و ربانی موجود ہوں ا ور کتنی بدنصیب ہے وہ قوم جسکو یہ میرِ کارواں میسر نہ آئے۔

# شہید حسینیؒ رہبرِ الٰہی کی ایک جھلک:

شہید حسینیؒ نے آکر دینی رہبری کی ایک جھلک دکھائی، میں نہیں کہوں گا کہ ایک اُسوۂ کامل و نمونۂ اعلیٰ گزرے ہیں چونکہ اُن سے بالاتر رہبر موجود تھے لیکن آپؒ نے بھی دینی رہبری کی ایک جھلک ضرور دکھائی۔ رہبری کا ایک کامل نمونہ امام خمینیؒ کی ذات ہے۔ شہید حسینیؒ نمائندۂ امام خمینیؒ تھے۔ کاغذی نمائندہ نہیں بلکہ نمائندۂ وجودی و نمائندۂ عملی تھے۔ شہید حسینیؒ کی ہر بات میں امام خمینیؒ کی جھلک نظر آتی تھی۔ یعنی شہید حسینیؒ میں لوگوں کو عارف حسین نہیں بلکہ روح اللہ خمینیؒ نظر آتے تھے اورنمائندہ اسی کو کہتے ہیں۔ آپؒاپنی نمائش نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے پیشوا کو پیش کرتے تھے۔ بات بات پر امامؒ کا حوالہ دیتے تھے۔ یہ الٰہی رہبری کی ایک جھلک تھی۔

ملتِ شیعۂ پاکستان میں امام خمینیؒ ناشناختہ ہیں اورملتِ شیعۂ پاکستان نے امام خمینیؒ کی رہبری قبول نہیں کی چونکہ ابھی وہ شعورو پختگی اور بلوغت پیدا نہیں ہوئی کہ میرِ کارواں کو پہچان سکیں۔ یعنی ہم نے ثابت کیا کہ ہم اسکے بھی لائق نہیں ہیں اور پھر وہ ہوا جو آج سب دیکھ رہے ہیں۔ اس دیگ کا ایک دانہ میں نے شروع میں پیش کیاہے۔ معیاروں کو چھوڑ کر مفادات کے ذریعے، آگاہی کو چھوڑ کر بے بصیرتی کے ذریعے اور آنکھیں بند کرکے بھیڑچال کے ذریعے چلے جسکے نتائج یہ نکلے ہیں لہٰذا یہ دینی معیار ہم نے اپنی نسلوں کو تعلیم دینا ہے تاکہ آنیوالی نسلیں ان معیاروں سے راہ بھی تلاش کریں اور رہبر بھی تلاش کریں۔ خزانۂ خدا میں کمی نہیں ہے، اللہ کی ذات کسی بھی قوم میں وہ خزینہ پیدا کر سکتی ہے۔

’’وَاِنْ مِّنْ شَیْئٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ‘‘ (سورہ حجر، آیت ۲۱)

جو قوم بڑھ کر اپنی صلاحیت ثابت کردے کہ ہم اس نعمت کے قابل ہیں تو پھر خدا اُسکو نعمتِ رہبر عطا کرتا ہے۔ اگرہم ثابت کردیں تو وہ نعمت ہمیں نصیب ہوگی چونکہ امام خمینیؒ سے بالاتر ایک رہبر پردۂ غیبت میں ہیں۔ ہم اگر اسکی اہلیت اپنے اندر پیدا کرلیں تو وہ بھی آسکتے ہیں اور ہم اُنکی زیارت سے بھی مشرف ہوسکتے ہیں۔ اللہ کے ہاں کنجوسی، بخل و کمی نہیں ہے۔ ہماری طرف سے کمی و کوتاہی ہے لہٰذا ہم ان معیاروں کو لے کر سفر کریں تاکہ خدا ہمیں ہدایت دیں۔

’’اہْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیمَ‘‘ (سورہ فاتحہ، آیت ۶)

اور خدا رہبر بھی عطا فرمائیگا وہی جو اللہ نے مقرر فرمایا ہے۔

71\_05\_ASRAR-E-KHUDI

تفسیر اسرارِ خودی ۳۸۔حکایت شیخ و بر ہمن

# تقویت ِ خودی کا راز:

تفسیر مثنوی اسرارِ خودی میں حکایتِ شیخ و برہمن کی فصل میں علامہ اقبالؒ نے ایک تمثیل کے ذریعے بیان کیا ہے کہ تقویتِ خودی کن امور کے اندر ہے۔ اس فصل میں خصوصیت کیساتھ قومی شخصیت اور قومی حیات کا ایک رکن بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ قومی خودی ہمیشہ دوسروں کی غلامی، پیروی اور اتباع سے نابود ہوجاتی ہے۔ اگر انسان ایسے دو راہے پر موجود ہو کہ ایک طرف اپنی ملّی روایات ہوں ، یعنی اپنی تہذیب ہو اور اُسکے مقابلے میں اجنبی و بیگانہ تہذیب موجود ہو جو ہر چند درست بھی ہو تو اسکے باوجود بھی بیگانہ تہذیب کا حصہ بننے سے بہتر ہے کہ یہ انسان اپنی تہذیب میں ہی رہے۔

# غلامی کی زنجیر توڑ کر اپنی تہذیب کا پیرو بن!:

تقسیم سے پہلے برصغیر میں الگ الگ مذاہب سے تعلق رکھنے والی دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان موجود تھے اور یہ دونوں ایک ہی آفت کا شکار تھے اور وہ آفت یہ تھی کہ یہ مغربی تہذیب کے دلدادہ تھے اور مسلسل مغربی تہذیب کے اندر جذب ہورہے تھے اور یہ دونوں قومیں غلامی کی زنجیر میں جکڑی ہوئی تھیں۔ علامہ اقبالؒ نے ان دونوں کو خطاب کیا ہے کہ جو مسلمان ہیں اور جو ہندو ہیں ، تمہیں غلامی کی زنجیر میں جانے سے بہتر یہ ہے کہ اپنی اپنی تہذیب میں موجود رہو، اگرچہ اپنی تہذیبوں کے اندر بھی قباحتیں موجود ہیں لیکن مغربی تہذیب سے پھر بھی بہتر ہے۔ ہندو کو چاہئے کہ وہ ہندو مذہب و آئین کا پابند رہے اور مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اسلام کے آئین اور قوانین کے پابند رہیں۔ بیشک ہندو مسلمان نہ ہو لیکن اُسے انگریزی تہذیب یا مغربی تہذیب سے اپنی تہذیب میں رہنا بہتر ہے اور یہ مطلب حکایتِ شیخ و برہمن کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔

# خودی کو سمھجنے کیلئے تمثیل کا سہارا:

اسی مضمون سے متعلق دوسری حکایت دریا اور پہاڑ کی ہے، یعنی دریائے گنگا اور کوہِ ھمالہ کی تمثیل بیان کی ہے۔ ھمالہ ایک پہاڑی سلسلہ ہے جسے اردو میں ھمالیہ اور فارسی میں ھمالہ کہتے ہیں۔ دریائے گنگا اور کوہِ ھمالیہ دونوں تاریخی چیزیں ہیں۔ ھمالیہ پہاڑی سلسلہ ہے جسکے اندر دنیا کی بلند چوٹیاں ہیں جو پاکستان سمیت تین چار ملکوں کے اندر پھیلا ہوا ہے اور یہ اپنی نوعیت میں منفرد ہے، اگرچہ زمین میں اور بھی پہاڑی سلسلے موجود ہیں لیکن کوئی بھی خطہ اس پہاڑی سلسلے کا مشابہ نہیں ہے۔ اسی سلسلۂ ھمالیہ سے دریا بھی پھوٹتے ہیں اور ایک بڑا دریا یہاں سے ہندوستان کی طرف بہتا ہے اور ایک عظیم دریا پاکستان کی طرف آتا ہے۔ ہندوستان میں دریائے گنگا ہے اور پاکستان میں دریائے سندھ ہے۔ دریائے گنگا ہندوؤں کے ہاں مقدس و متبرک بھی ہے کہ ہندوئوں کے مطابق دریائے گنگا میں نہانے سے اُنکے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور یہ گنگا میں سالانہغسل کرتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے اس تمثیل میں دریائے گنگا اور کوہ ھمالیہ کو انسان کو اپنی خودی سمجھانے کیلئے ایک فرضی مکالمہ میں منعکس کیا ہے کہ گنگا ھمالیہ کو خطاب کرتا ہے اور ھمالیہ جواب دیتا ہے یا دریائے گنگا نے کوہِ ھمالیہ کو طعنہ دیا اور کوہِ ھمالیہ نے اس طعنہ کا جواب دیا ہے۔

# ایک چیز کئی مطالب کیلئے مثال:

تمثیل میں ہمیشہ ممثل کیلئے ایک پہلو ہوتا ہے جبکہ ایک ہی چیز کئی مطالب کیلئے مثال بن سکتی ہے چونکہ ہر چیز کے اندر کئی پہلو ہیں ، اُسکا ہر پہلو جو نمایاں و برجستہ پہلو ہے وہ کسی دوسرے مطلب کیلئے مثال بن جاتا ہے۔ جیسے حیوانوں میں سے ایک گھوڑا ہے جسکے کئی پہلو ہیں ، کچھ مثبت پہلو ہیں اور کچھ منفی۔ مثبت پہلو مثبت امور کیلئے مثال بن جاتے ہیں اور منفی پہلو منفی امور کیلئے مثال بنتے ہیں۔ دریا اور پہاڑ بھی قدرت کے دو بڑے شاہکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم نشانیوں میں سے یہ دریا و پہاڑ ہیں اور خصوصاً اس جیسے عظیم پہاڑ اور عظیم دریا جن کی ایک عالمی و جہانی شہرت بھی ہے۔ پہاڑ کے اندر مثبت پہلو ہیں جو انسان کیلئے تمثیل کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے پہاڑمیں استقامت، استواری، پائیداری، سربلندی اور مقاومت جیسے مثبت پہلو ہیں۔ اسی طرح دریا کے اندر بھی مثبت پہلو ہیں جو انسان کیلئے تمثیل کی حیثیت رکھتے ہیں ، جیسے دریا کا بہنا، اُسکی طغیانی، اُسکی امواج اور اُسکی سیرابی دریا کے مثبت پہلو ہیں جو انسان کے مثبت پہلوؤں کیلئے تمثیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہی امور کے اندر بعض ایسے پہلو بھی ہیں جو کسی منفی چیز کی تمثیل بھی بن سکتے ہیں۔ انسان کے اندر منفی پہلو کو اُجاگر کرنے کیلئے انہی اشیاء کی ایک خصوصیت یا صفت کو بھی نمایاں کرکے بطورِ مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔

# گنگا کا ھمالیہ کو طعنہ:

اسرارِ خودی کی اس تمثیل میں دریائے گنگا نے پہاڑ کو یہ طعنہ دیا ہے کہ تم ایک جگہ پر رُکے ہوئے ہو، جمود کا شکار ہو اور تم میں حرکت کی سکت نہیں ہے اور تم کھڑے کھڑے بوسیدہ ہوگئے ہو اور تم نے دنیا نہیں دیکھی۔ جبکہ دریا ہر صحرا اور ہر خطے میں جاتا ہے، گرم و سرد علاقوں میں جاتا ہے، کوہ و بیابان میں جاتا ہے اور ندی نالوں میں جاتا ہے۔ دریا حالتِ حرکت میں ہوتا ہے اور پہاڑ رُکا ہوا ہوتاہے اور پہاڑ کے اس رُک جانے میں اگرچہ بہت عظمت ہے لیکن اس عظمت کا کوئی فائدہ نہیں ہے چونکہ اس میں حرکت نہیں ہے لہٰذا یہ وہ بے سود عظمت ہے جو پہاڑ کے اندر موجود ہے۔ دریائے گنگا نے پہاڑ کو یہ طعنہ دیا!

# ھمالیہ کا گنگا کوجواب:

پہاڑ نے اسکا جواب دیا ہے کہ جسے تُو جمود و سکوت سمجھ رہاہے اور سمجھ رہا ہے کہ اسکے اندر سیاحت اور خرام و ناز نہیں ہے۔ لگتا ہے تم نے درست آنکھ سے نہیں دیکھا اور درحقیقت دریائے گنگا جیسے کئی دریا پہاڑ کے دینے میں بند ہیں اور یہ سارے دریا پہاڑ ہی سے اُترتے ہیں۔ تمام دریائوں کا منبع پہاڑ ہیں۔ اسکے بعد ھمالیہ نے دریا کو یہ طعنہ دیا کہ تم جہاں سے پیدا ہوتے ہو، جو تیری قیام گاہ ہے، جہاں سے تم پھوٹتے ہو وہاں سے دور ہوجاتے ہو، یعنی اپنی اصلی سرزمین سے دور ہوجاتے ہو اور دور ہوکر نہایتاً تم کسی بھی سمندر میں جاکر ختم ہوجاتے ہو، یعنی تم سمندر کا حصہ بن جاتے ہو اور اپنا تشخص، اپنی ذات اور اپنا وجود کھو بیٹھتے ہو جبکہ پہاڑ لاکھوں صدیوں سے اسی استوار شخصیت اور تشخص کیساتھ باقی ہے، پہاڑ کبھی بھی کسی دوسرے کا حصہ نہیں بنتا، جزء نہیں بنتا اور فنا بھی نہیں ہوتا جبکہ تم مسلسل فنا ہوتے ہو۔

# اپنے تشخص کو قائم رکھنا:

اس تمثیل میں انسان کیلئے یہ نکتہ ہے کہ مضبوط قومیں وہ ہوتی ہیں جو پہاڑ کی طرح اپنا تشخص قائم رکھیں اور ہزاروں دریا بھی اگر اُن سے پھوٹتے ہیں تو اُنہیں چل کر کسی دوسرے کے قدموں میں نہیں جانا پڑتا۔ دریا چل کر سمندر کے قدموں میں جاتا اور میٹھا پانی لیکر جاتا ہے لیکن کھارے اورکڑوے پانی کا حصہ بن جاتا ہے۔ جب دریا تھا تو پینے کے لائق تھا، اب جب سمندر کا حصہ بنا ہے تو پینے کے بھی قابل نہیں ہے۔

انسان بھی اس طرح سے ہے، جو انسان اپنی قیام گاہ کھو بیٹھتے ہیں ، جو اپنی سرزمین، اپنی تہذیب، اپنا دین اور اپنی آئیڈیالوجی چھوڑ دیتے ہیں اور کسی دوسری تہذیب کا حصہ بنتے ہیں تو وہ اُسکے اندر غرق ہوکر اپنا وجود گُم کر بیٹھتے ہیں۔ اب کوئی بھی انہیں دریا نہیں کہتا اور میٹھا پانی یا آبِ شیریں نہیں کہتا چونکہ یہ اب کھارا پانی بن گیا ہے۔ انسان بھی اسی طرح کسی قوم میں ضم ہوکر اپنی ہستی نابود کردیتے ہیں ، اپنی تہذیب اور اپنی آئیڈیالوجی چھوڑنے سے اسکے اندر یہ ہلاکت نمودار ہوتی ہے۔ علامہؒ یہاں سے شروع کرتے ہیں کہ

آب زد در دامنِ کہسار چنگ

گفت روزی با ھمالہ رودِ گنگ

اے ز صبحِ آفرینش یخ بدوش

پیکرت از رودہا زنار پوش

حق ترا با آسماں ہمراز ساخت

پات محرومِ خرامِ ناز ساخت

طاقتِ رفتار از پایت ربود

ایں وقار و رفعت و تمکین چہ سود؟

زندگانی از خرامِ پیہم است

برگ و سازِ ہستیٔ موج ازرم است

کوہ چون این طعنہ از دریا شنید

ہم چو بحرِ آتش از کین بردمید

گفت اے پہناے تو آئینہ ام

چون تو صد دریا درون سینہ ام

این خرامِ ناز سامانِ فناست

ہرکہ از خود رفت شایانِ فناست

# دریا کی موجیں اور طغیانی:

آب زد در دامنِ کہسار چنگ

پانی نے اپنا پنجہ کہسار پر مارا۔ کہسار کو دامنِ کوہ بھی کہتے ہیں۔ کہسار یعنی پہاڑ کا نچلا پھیلا ہوا حصہ جہاں پر پہاڑ کی بنیاد ہوتی ہے اوپر جاکر پہاڑ کا قطر کم ہوتا جاتا ہے اور آخرکار اسکی ایک حرمی چوٹی بن جاتی ہے۔ پانی پہاڑوں کے دامن میں بہتا ہے۔ بہتے ہوئے پانی میں امواج ہوتی ہیں خصوصاً دریاؤں یا وادیوں میں جب پانی بہتا ہے تو اُس میں زیادہ امواج ہوتی ہیں جبکہ میدانی علاقوں میں عموماً پانی پرسکون ہوتا ہے اور ایسے لگتا ہے جیسے رُکا ہوا ہے جبکہ بہہ رہا ہوتا ہے لیکن اس میں موج اور طغیانی نہیں ہوتی لیکن پہاڑی علاقوں میں جب دریا بہتے ہیں تو امواج اور طغیانی کی حالت میں تلاطم کیساتھ آتے ہیں اور وقفے وقفے سے دریا کے بہاؤ میں ایک بڑی مقدار کا پانی موج کی شکل میں جدا ہوتا ہے اور اُٹھ کر دائیں بائیں ساحلوں پر جاکر پڑتا ہے۔ علامہؒ اس کیلئے تعبیر کررہے ہیں کہ یہ دریا کا پنجہ ہے جو دامنِ کوہ یا کہسار پر مار رہا ہے۔

پاکستان کے شمالی علاقوں کے دریائوں میں یہ منظر ہر جگہ نظر آتا ہے۔ یہی دریائے سندھ جو میدانی علاقوں میں بہت ہی پرسکون جارہا ہوتا ہے جبکہ یہ پہاڑی علاقوں میں بہت ہی وحشت ناک طغیانی کیساتھ بہتا ہے۔ اسلئے کہ پہاڑی ڈھلوان زیادہ ہے جسکی وجہ سے اسکے بہاؤ میں تیزی ہوتی ہے۔ چونکہ اسکے راستے میں چٹانیں ہیں اور یہ اُن سے ٹکرا کر موجیں پیدا کرتا ہے اور یہ لہریں اچھل کر دائیں بائیں گرتی ہیں ، یہ حالت دیکھ کر انسان کا دل دہل جاتا ہے کہ جب اتنی عظیم مقدار میں پانی ہو اور اس میں تندی، تیزی اور طغیانی ہو تو ایسے لگتا ہے کہ یہ اُچھل اُچھل کر سب کچھ ملیامیٹ کر دیگا جس طرح ایک وحشی حیوان بپھر جاتا ہے تو اپنے دائیں بائیں وحشت کا ماحول ایجاد کرتا ہے، اسی طرح متلاطم دریا بھی یہی کام کرتا ہے۔

# ھمالیہ کوجامد رہنے کا طعنہ:

شاعرانہ تمثیل میں یہ ہے کہ

آب زد در دامنِ کہسار چنگ

چنگ پنجے کو کہتے ہیں۔ گویا دریا پہاڑ کو چھیڑ رہا ہے، وہ یہ کام کیوں کررہا ہے؟ پہاڑ تو ساکت اور رُکا ہوا ہے لیکن دریا اُسکو مسلسل چھیڑ رہا ہے، جس طرح کوئی شریر آدمی کسی شریف آدمی کو چھیڑتا ہے اور شریف آدمی ردِعمل نہیں دکھاتا بلکہ خاموش بیٹھا رہتا ہے۔ اسی طرح دریا بھی پہاڑ کیساتھ شرارت کررہا ہے اور باربار اسکا دامن کھینچتا ہے۔

گفت روزی با ھمالہ رودِ گنگ

فارسی میں رود، دریا کو کہتے ہیں اور سمندر کو دریا کہتے ہیں۔ رودِ گنگ یعنی دریائے گنگا۔ دریائے گنگا نے کوہِ ہمالیہ کو پنجہ مارتے ہوئے یعنی چھیڑتے ہوئے یہ کہا

اے ز صبحِ آفرینش یخ بدوش

صبحِ آفرینش یعنی جب سے خداوند تعالیٰ نے کائنات خلق کی ہے، تم اسی طرح سے اپنے کندھوں پر برف کے تودے جمائے ہوئے کھڑے ہو۔ یعنی تیرے کندھوں پر برف جمی ہوئی ہے اور تم صبحِ آفرینش سے لیکر ابھی تک ایک ہی حالت میں ہو۔

# گویا ہار پہنے ہوئے پہاڑ:

پیکرت از رودہا زنار پوش

چونکہ یہی برف پگھلتی ہے اور پگھل کر ندی نالوں کی شکل میں پہاڑوں سے نیچے اُترتی ہے اور وادیوں اور نشیبی علاقوں میں پہنچ کر دریا کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ اگر انسان دور سے ان پہاڑوں کو دیکھے تو انکے اوپر برف جمی ہوئی ہے اور یہی برف پگھل کر چھوٹے چھوٹے نالوں کی شکل میں نیچے اُترتی ہے اور ایسے لگتا ہے گویا پہاڑ نے زنار یعنی ہار پہنا ہوا ہے۔ یعنی چھوٹے ندی نالے پہاڑ کے اوپر ہار کی طرح نظر آتے ہیں۔ کوئی دائیں بہہ رہا ہے، کوئی بائیں بہہ رہا ہے اور بعض دائیں بائیں سے بہہ کر کسی ایک نکتے پر نیچے آکر مل بھی جاتے ہیں۔

# مسلمانوں کے اندر ہندو و مسیحی رسومات:

پہاڑ کی چوٹی سے ایک طرف سے ایک دریا بہتا ہے اور دوسری طرف سے دوسرا دریا بہتا ہے اور پہاڑ کے سینے میں آکر دونوں آپس میں مل کر ایک بڑا بہاؤ بناکر نیچے کی طرف بہتے ہیں۔ اگر انسان یہ طبیعی مناظر دیکھے تو ایسے لگتا ہے کہ پہاڑ نے ہار پہنا ہوا ہے۔ زنار ہندوؤں کا ہار ہے جو اُنکی مذہبی علامت ہے۔ جو سکھ مذہبی علامت کے طور پر پہنتے تھے وہ مسلمانوں میں بھی زیادہ آگئیں ہیں۔ سکھ سات کاف پہنتے ہیں ، یہ سات کاف اُنکے مذہبی ارکان ہیں۔ یعنی سات چیزیں جو کاف سے شروع ہوتی ہیں اور وہ ساری ابھی مسلمانوں کے پاس ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں اور مسیحیوں کی بھی علامتیں کہ مسیحی صلیب لٹکا کر رکھتے ہیں ، ہندو بھی ایک ہار ہمیشہ گلے میں ڈال کر رکھتے ہیں اور وہ ماتھے پر ایک تلک بھی بناتے ہیں جو اُنکی مذہبی علامت ہے۔ دریا نے یہ کہا کہ

اے ز صبحِ آفرینش یخ بدوش

پیکرت از رودہا زنار پوش

آغازِ کائنات سے اپنے دوش پر یخ بٹھائے ہوئے ہے اورتیرا وجود دریاؤں اور نالوں کی وجہ سے ایسے لگتا ہے جیسے زنار یعنی ہار پہنا ہوا ہے۔

حق ترا با آسماں ہمراز ساخت

حق نے یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے آسمان کا ہمراز بنا دیا ہے، تجھے اتنا بلند کیا ہے کہ اس بلندی کی وجہ سے تم آسمانوں کے گویا بخوبی راز جانتا ہو۔

# پہاڑچلنے کی خوبصورتی سے محروم:

پات محرومِ خرامِ ناز ساخت

جبکہ تیرے پاؤں خرامِ ناز سے محروم ہیں۔ خرام چلنے کو کہتے ہیں ، جیسے خراما خراما کا لفظ اُردو میں استعمال ہوتا ہے، پس خرام یعنی ایک خاص قسم کا چلنا ہے اور ناز یعنی انسان چلتے ہوئے اپنے وجود کی ایک رعنائی اور نازکو بھی ظاہر کرے۔ ایسی ادا کو ناز کہتے ہیں جسکے اندر لطافت موجود ہو، جسکے اندر انسان کے وجود کی کوئی ایسی صفت بھی نمایاں ہورہی ہو جس میں حسن و خوبصورتی کا پہلو پایا جاتا ہو۔ خرامِ ناز یعنی ایسا چلنا جسکے اندر یہ خصوصیت پائی جاتی ہو اور دریا پہاڑ سے یہ کہہ رہا ہے کہ تم بلندی کی وجہ سے آسمانوں کے ہمراز تو ہو لیکن چلنے کی زیبائی اور چلنے کی خوبصورتی سے محروم ہو۔

# حرکت کے بغیر بلندی بے فائدہ!

طاقتِ رفتار از پایت ربود

تیرے پاؤں میں طاقتِ رفتار نہیں ہے یعنی چلنے کی سکت نہیں ہے۔ فارسی میں حرکت اور چلنے کو رفتار کہتے ہیں جبکہ یہ اُردو میں آکر رفتار تیز چلنے، سپیڈ اور سرعت کے معنی میں بدل گیاہے۔ رفتار اصل میں حرکت کا نام ہے۔ دریا پہاڑ سے کہہ رہا ہے کہ تجھ میں طاقتِ رفتار ہی نہیں۔

ایں وقار و رفعت و تمکین چہ سود؟

پس جب تو چل ہی نہیں سکتا ہے تو پھر یہ تیرا اتنا رعب، اتنی بلندی، اتنی عظمت اور اتنے وقار کاکیا فائدہ؟

زندگانی از خرامِ پیہم است

زندگی خرامِ مسلسل سے ہے، یعنی حرکتِ مسلسل اورکوشش کا نام زندگی ہے۔

برگ و سازِ ہستیٔ موج ازرم است

موج کی ہستی، موج کے وجود کا ساز و برگ، اسکی رونق اور اسکا سارا کمال و ہنر ’’رم‘‘ کے اندر ہے۔ رم، رمیدن حرکت کو ہی کہتے ہیں لیکن تیزی کیساتھ جانے اور دور ہونے کو کہتے ہیں۔ جب کوئی چیز پھدک کر پیچھے ہٹتی ہے تو اسکو رم کہتے ہیں۔

# کوہِ ہمالیہ کا دندان شکن جواب:

وہ چون این طعنہ از دریا شنید

ہم چو بحرِ آتش از کین بردمید

کین یعنی شدید غصہ۔ جب انسان کے اندرشدید غصہ بھر جائے تو اُسے کین کہتے ہیں۔ جب ھمالیہ نے گنگا کا یہ طعنہ سُنا تو اُسکے وجود میں غصے کی وجہ سے آگ کا ایک سمندر بھڑک اُٹھا۔

گفت اے پہناے تو آئینہ ام

اب پہاڑ نے دریا سے کہا کہ تیرا پھیلاؤ اور بہاؤ دیکھ کر میں عبرت حاصل کررہا ہوں۔ تُو میرے لئے آئینۂ عبرت ہے۔ تجھے پتہ ہے کہ میں کیوں رُکا ہوا ہوں اور کیوں نہیں چلتا؟ درحقیقت میں تجھے دیکھ کر نہیں چلتا، یعنی تیری حرکت اور اس حرکت کا انجام دیکھ کر میں اپنی جگہ سے قدم نہیں اُٹھاتا۔ تم جو مسلسل حرکت کر رہے ہو، میں دیکھ رہا ہوں کہ اس رم سے تجھے بالآخر کیا ملتا ہے۔

چون تو صد دریا درون سینہ ام

یہ نہ کہو کہ میرے اندر دریا نہیں ہے، میرے سینے کے اندر تیرے جیسے سو دریا پوشیدہ ہیں۔ میرے دوش پر برف ہے اور وہی دریا بنتی ہے جبکہ میرے سینے کے اندر اس سے بھی زیادہ مقدار میں پانی موجودہے۔ اگر میں وہ سارے اُگل دوں تو زمین ڈوب جائیگی۔

# حرکت دریا کی نابودی کا سفر!

این خرامِ ناز سامانِ فناست

یہ تیرا خرامِ ناز، یہ خوبصورت رفتار اور ناز سے چلنا تیری نابودی کا ذریعہ ہے، یہ تیرا سامانِ فنا ہے اور تجھے نابودی کی طرف لیکر جارہے ہیں۔

ہرکہ از خود رفت شایانِ فناست

جس نے بھی اپنی ذات سے دوری اختیار کرلی، جس نے خودی کو چھوڑ دیا اور اپنے آپ سے اجنبی ہوگیا اُسکی تقدیر میں نابود ہونا ہی لکھا ہے۔

از مقامِ خود نداری آگہی

تجھے نہیں پتہ کہ تیرے ساتھ کیا ہورہا ہے؟ پہاڑ دریا کو کہہ رہا ہے کہ تجھے اپنا ہی نہیں پتہ!

بر زیانِ خویش نازی ابلہی

جبکہ تُو اپنے نقصان، اپنی فنااور اپنی ہلاکت پر فخر کررہا ہے!

# ذلت کی زندگی پر فخر!

وہ چیزیں جن کی علامہ اقبالؒ نے اُس وقت نشاندہی کی تھی وہ آج روشن حقیقت بن کر اس ملت کے اندر موجود ہیں۔ اس وقت مذہبی تفریق کے بغیر تمام پاکستانیوں کیلئے سب سے بڑا فخر و افتخار مغرب میں جاکر رہنا ہے۔ ایسے بہت سارے خاندان ہیں جن کا کوئی ایک فرد یا کوئی ایک گھرانہ وہاں آباد ہے اور وہ وہاں پر فخر کرتے ہیں جبکہ باقی خاندان یہاں پر فخر کرتا ہے لیکن جو وہاں رہتے ہیں اگر انکا کوئی فردپاکستان کے اندر ہو تو وہ فخر سے اسکا نام نہیں لیتے، بیشک وہ یہاں پر بڑی عزت سے ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ برطانیہ میں ایک مزدور یا کسی ہوٹل پر برتن صاف کرنیوالا ہو تو بھی یہاں کے لوگ بڑے فخر کیساتھ کہتے ہیں کہ ہمارا ایک بھائی انگلینڈ میں ہوتا ہے اور ہر مناسبت سے اسکا بیچ میں ذکر ضرور لاتے ہیں کہ لندن والے بھائی کا آج ہی فون آیا تھا، لندن والا بھائی یہ کہہ رہا تھا، یہ ذکر اسلئے کرتے ہیں تاکہ دوسروں کو پتہ چلے کہ ہم غیر معمولی خاندان ہیں ، ہمارا ایک بندہ لندن میں جاکر رہتا ہے، اگرچہ وہ وہاں پر روڈ ہی کیوں نہ صاف کرتا ہو۔

# احساسِ ذلت کا مرجانا:

ایک بہت ہی عبرتناک منظر تھا کہ کسی مغربی شہر میں ایک پاکستانی پی ایچ ڈی ڈاکٹر ایک ہوٹل میں چوکیدار تھا۔ وہ وہاں ایسے کام کرکے یہاں ڈالر بھیجتے ہیں اور یہاں رہنے والے اُن پر فخر کرتے ہیں جبکہ جب ہم نے اُنکی حالت دیکھی تو واقعاً رونا آیاکہ وہ سخت سردی میں ہوٹل کے گیٹ پر کھڑے ہوکر چوکیداری کررہا تھا اگر وہ پاکستان میں ہوتا تو ایک سکالر، ایک دانشور، ایک پروفیسر یا ایک لیکچرر ہوتا، اگر بیروزگار بھی ہوتا تو اُسکی عزت ہوتی۔ اگر ہوٹل کا منیجر ہوتا تو بھی ایک بات تھی لیکن وہ ہوٹل کا چوکیدار تھا، افسوس ہے کہ آج اس قوم کیلئے یہ فخر کی بات بن گئی ہے۔

# احساسِ کمتری کا نقصان:

از مقامِ خود نداری آگہی

بر زیانِ خویش نازی ابلہی

جو اپنے نقصان اور اپنی ہلاکت پر فخر کرتے ہیں یہ ابلہ ہیں ، یعنی احمق اور بیوقوف ہیں۔ آج پاکستانیوں کے اندر خود باختگی اور احساسِ کمتری اس حد تک جا پہنچی ہے کہ مغربی تہذیب سے منسلک ہونے کو اپنے لئے بڑا اعزاز سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ایک قوم کیلئے ہلاکت کا مقام ہے کہ جب وہ اپنے آپ سے اجنبی ہوجائے، جب اپنے آپ سے اسے نفرت ہوجائے اور اپنے آپ کو کمتر سمجھے اور دوسری اقوام میں جاکر زم ہونے پرفخر کرے۔ دریا کے دونوں طرف کے کنارے ساحل کہلاتے ہیں۔ ھمالیہ گنگاکی تکبری کے جواب میں گنگا سے کہتا ہے کہ

اے ز بطنِ چرخِ گردان زادۂ

اے دریا تجھے اس چرخِ گرداں یعنی اس گھومتے فلک نے پیدا کیا ہے، تجھ سے یہ ساحل بہترہے جو اپنی جگہ پر قائم ہے، یعنی اسکے اندر خودی باقی ہے اور تیرے اندر خودی نہیں ہے۔

# خودی کو رہزن کے حوالے کردینا:

ہستیٔ خود نذرِ قلزم ساختی

قلزم، سمندر یا بحر کو کہتے ہیں۔ کوہِ ھمالیہ گنگا سے کہتا ہے کہ تم نے اپنا وجود قلزم یعنی سمندر پر قربان کردیا ہے جس طرح پروانہ شمع کیلئے جل کر مرجاتا ہے اور ختم ہوجاتا ہے اسی طرح تم بھی پروانۂ قلزم ہو، قلزم کے کھارے اور کڑوے پانی پر خود کو قربان کرنا تمہارا شوق ہے۔

پیشِ رہزن نقدِ جان انداختی

سمندر کو رہزن سے تشبیہ دی ہے۔ تم نے اپنی جان کا سرمایہ رہزن کے سامنے پیش کردیا ہے اور یہ رہزن تیری جان بھی لے گیا ہے۔ جس طرح رہزن بعضوں کا صرف مال لے جاتے ہیں لیکن بعضوں کو قتل بھی کردیتے ہیں اور پہاڑ دریا سے کہہ رہا ہے کہ رہزن نے تجھے ہلاک کردیا ہے۔

# خود داری پیدا کرنے کی نصیحت:

ہمچو گل در گلستان خود دار شو

بہرِ نشرِ بو پَیٔ گلچیں مرو

تم اپنے گلستان میں رہو اور اپنی خوشبو کو عام کرنے کیلئے گلچین کے پیچھے مت دوڑو۔ گلچین وہ باغبان ہوتاہے جو تیار پھولوں کو کاٹتا ہے اور گلدستہ بناکر شہر میں جاکر بیچ آتا ہے۔ اسکو اصطلاح میں گلچین کہتے ہیں۔ پہاڑ دریا سے کہہ رہا ہے کہ تم اپنے اندرخود داری پیدا کرو، گلستان سے باہر جاکر بازاروں کی رونق نہ بنو اور اپنی خوشبو کو لوگوں تک پہنچانے کیلئے گلچین کے ہاتھوں ہلاک مت ہوجائو۔

# گلستان سے انگلستان جانے والے:

گلچین اُن لوگوں سے کنایہ ہے جو کسی قوم سے قیمتی افراد کاٹ کر لے جاتے ہیں۔ جیسے آج ہورہا ہے کہ پاکستانی ملت کے پھول کاٹ کر اپنی انڈسٹریوں ، صنعتوں ، ملوں اور مارکیٹوں میں ملازمت کیلئے لے جاتے ہیں۔ اس قوم کے باصلاحیت جوان اُٹھاکر لے جاتے ہیں اور وہاں لے جاکر ان سے اپنی مرضی کے کام کرواتے ہیں اور جب ایک باغ سے گلچین پھولوں کو توڑ کر لے جائے تو گلستان بھی ویران ہوجاتا ہے اور یہ پھول بھی مرجھا جاتے ہیں چونکہ یہ گُل جب تک اپنے یا گلستان میں ہوتے ہیں تب ہی تروتازہ ہوتے ہیں۔

اُن لوگوں کیساتھ یہی ہوتا ہے جو اپنا گلستان چھوڑ کر دوسرے لوگوں کے محلوں کی رونق بننے جاتے ہیں۔ یہ چند صباح کے مہمان ہوتے ہیں چونکہ انکو مرجھا جانا ہے، انکی جوانی ماند پڑجانی ہے، انکی صلاحیتیں ختم ہوجانی ہیں۔ جونہی انکی صلاحیتیں ختم ہونگی، یہ مرجھائے ہوئے پھولوں کی طرح ٹوکریوں میں ڈال دئیے جائیں گے کہ اب تمہاری کوئی قیمت نہیں ہے۔

# سرمایہ داری نظام کی حقیقت:

سرمایہ داری نظام قدروں کے بغیر ہے، اس میں صرف سرمائے کی قدر ہے۔ اُنکو وہی اچھا لگتا ہے جو سرمایہ کما کر دے، جو سرمایہ خرچ کرے اُنہیں اچھا نہیں لگتا۔ اسلئے اُنہیں بوڑھے اچھے نہیں لگتے، وہ بوڑھوں کو اولڈ ہاؤس میں جمع کراکر آتے ہیں۔ چونکہ اب ماں باپ کمانے کے لائق نہیں رہے لہٰذا اب یہ بیکار ہیں۔ سرمایہ داری نظام میں صرف ایک چیز کی ویلیو ہے اور وہ سرمایہ ہے، اسکے علاوہ کسی چیز کی کوئی قدر نہیں ہے۔ اس ملت کے جوان، اس ملت کے پھول گلچین توڑ کر لے جاتے ہیں اور وہاں گلدستے بناکر صنعتی نظام میں پیش کرتے ہیں ، جب تک ان جوانوں میں اُنکی صنعتیں چلانے کی سکت و طاقت ہے وہ چلاتے ہیں اور پھر اسکے بعد جب مرجھا جاتے ہیں تو انہیں اُٹھاکر باہر پھینک دیتے ہیں۔

# زندگی کی حقیقت:

زندگی بر جائے خود بالیدن است

بالیدن، رشد اور نشونما کو کہتے ہیں یعنی پروان چڑھنا اور اپنے کمال تک جا پہنچنا۔ زندگی دوسروں کی سرزمین میں جاکر خیمے ڈالنے کا نام نہیں ہے بلکہ اپنی زمین کے اوپر رشد و نشوونما کا نام ہے۔

از خیابانِ خودی گل چیدن است

اپنے خیابان سے گل پیدا کرنا اور گل توڑنا یہ زندگی ہے۔ دوسروں کے گلدستوں کی زینت بننا یا دوسروں کی سرزمینوں پر جاکر پڑاؤ ڈالنا یہ زندگی نہیں ہے بلکہ یہ خود باختگی ہے۔

قرنہا بگذشت و من پادر گلم

صدیاں گزر گئی ہیں اور تم دیکھ رہے ہو کہ میری جڑیں اسی خاک کے اندر ہیں اور ہلتی بھی نہیں۔

تو گمان داری کہ دور از منزلم

تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں منزل سے دور ہوں۔ تم آج یہاں مجھے طعنے دے رہے ہواور تم کل قلزم میں جاکر غرق ہوجائوگے اور میں آج بھی وہیں پر ہوں جہاں مجھے پیدا کیا گیا تھا۔ یعنی میں آج بھی سربلند، راسخ، استوار اور پائیدار ہوں۔

# عزت و سربلندی کا راز:

تم جانتے ہو کہ اپنی ہی سرزمین پر، اپنی ہی تہذیب اور آئیڈیالوجی میں رشد کرنا، شخصیت بنانا اور پروان چڑھنا انسان کو کتنا عظیم و سربلند کردیتا ہے۔ میری عظمت کو دیکھ! کہ آج جو میرا سر آسمانوں میں ہے، یہ اس وجہ سے ہے چونکہ میں اپنی ہی سرزمین سے اُٹھا ہوں ، کسی کے رہینِ منت نہیں ہوں ، کسی کی گدائی نہیں کی۔ اپنی ہی سرزمین سے میں نے اپنی شخصیت بنائی ہے اور آج اُس عظمت پر جا پہنچا ہوں۔ اصل مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اپنی سرزمین، اپنی تہذیب اور اپنی آئیڈیالوجی کا سہارا لے تو وہ ناکام نہیں رہ جاتا۔ آج پاکستانیوں کے ذہن میں یہ ہے کہ جو پاکستانیت، اپنی تہذیب اور اپنا دین اپنائیگا وہ پسماندہ ہے اور ترقی یافتہ وہ ہے جو دوسروں کا رہینِ منت ہوجائے، جو مغرب میں نہیں جاتا وہ ترقی نہیں کرسکتا۔ پہاڑ کہہ رہا ہے کہ میں نے ترقی کہاں کی؟ میں آسمان تک کیسے پہنچا؟ یہ کسی اور سرزمین کے رہینِ منت نہیں ہے بلکہ اپنی سرزمین سے اُٹھا ہوں اور اسی جگہ قائم ہوں جسکی وجہ سے مجھے یہ عزت ملی ہے۔

ہستیم بالید و تا گردون رسید

زیرِ دامانم ثریا آرمید

آج میری ہستی اور قدر و منزلت آسمان تک آ پہنچی ہے اور آج ثریا بھی میرے دامن میں نظر آتے ہیں۔ ثریا زمین سے نظر آنیوالے دور ترین و روشن ترین ستارے کو کہتے ہیں۔ پہاڑ کہہ رہا ہے کہ میں اپنی سرزمین پر اتنا بلند و عظیم ہوگیا ہوں کہ ثریا اتنی بلندی کے باوجود میرے دامن میں نظر آتے ہیں۔

# علامہ اقبال، مشرق کا عظیم ستارہ!

اگر انسان کے اندر خود باختگی اور بیگانہ پرستی نہ ہو بلکہ خود اعتمادی ہو تو اپنی سرزمین پر اتنا عظیم بن سکتا ہے جسکی مثال خود علامہ اقبالؒ ہیں۔ یعنی یہ کوہِ ھمالیہ خود اقبالؒ ہیں کہ اپنی سرزمین، اپنا دین اور قرآن مجید کے ذریعے ایک عظیم شخصیت بن گئے اور مغربی ثریا اقبالؒ کے زیرِ دامن ہے۔ جیسے عامیانہ تعبیر میں کہتے ہیں کہ فلاں میری آستین میں ہے۔ یعنی جو مغربی بڑے بڑے فلاسفہ ہیں وہ اقبالؒ کی آستین میں ہیں۔ اس قدر یہ عظیم ستارہ جو مشرقی تہذیب سے اُٹھا۔ اس نے مغرب کوجتنا قریب سے دیکھا اتنی نفرت ہوئی اور اُس بلندی پر پہنچا کہ اُنکے بڑے بڑے عظیم لوگوں کو اقبالؒ کہہ رہے ہیں کہ تم تو میری آستین میں ہو۔

# پہاڑ کی عظمت کے چند نمونے:

ہستیٔ تو بے نشان در قلزم است

ذروۂِ من سجدہ گاہِ انجم است

تیرا وجود بے نشان ہے، قلزم میں جاکر تیرا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ اگر سمندر میں جاکر کوئی دریا ڈھونڈے تو اسکو نہیں ملے گا، صرف کھارا پانی ملے گا۔ تم قلزم کے اندر گم ہوجبکہ میری بلند چوٹی سجدہ گاہِ انجم ہے، یعنی میری بلند چوٹی پر ستارے سجدہ کرتے ہیں۔

چشمِ من بینائے اسرارِ فلک

میری آنکھ آسمانوں کے اسرار کو مشاہدہ کرتی ہے۔

آشنا گوشم ز پروازِ ملک

اور تم جانتے ہو کہ میں ملائکہ کی پرواز کو سُنتا ہوں۔ یعنی عالمِ ملکوت سے بھی میں آشنا ہوں جبکہ تم قلزم میں جاکر غرق ہونے پرفخر کررہے ہو اور میں ملائکہ ؑ کا ہمراز ہوں۔

تاز سوزِ سعیٔ پیہم سوختم

لعل و الماس و گہر اندوختم

میں نے اپنے اندر کوشش کی اور اپنی سعی کی آگ میں جلا ہوں۔ اُس آگ کے اندر میں نے معمولی پتھروں کو لعل و الماس اور گوہر بنا دیا ہے۔ میرا سینہ کھود کر دیکھو گے تو اندر قیمتی پتھر نظر آئیں گے اور دریاؤں میں جو قیمتی پتھر ہیں وہ بھی پہاڑوں سے نکل کر دریاؤں میں جاتے ہیں۔

’’در درونم سنگ و اندر سنگ نار

آب را بر نازِ من نبود گذار‘‘

میرے سینے میں پتھر ہیں اور پتھروں کے سینے میں آگ اور پانی کبھی بھی آگ پر نہیں ٹِک سکتا۔ پانی کی مجال نہیں ہے کہ آگ کو برداشت کرسکے۔ در درونم سنگ کہ میرے اندر پتھر ہے۔ و اندر سنگ نار، اور اس پتھر کے سینے میں نار و آگ ہے۔

اے دریا! سمندر سے پیکار کر!

قطرۂ؟ خود را بپاے خود مریز

پہاڑ دریا سے کہہ رہا ہے کہ تیری حیثیت کیا ہے؟ تم ایک قطرہ ہو۔ اپنے پاؤں میں خود ہی نابود نہ ہو۔ سمندر کے اندر جاکر مت ڈوبو اور فانی مت ہو بلکہ سمندر کیساتھ پیکار کرو اور نبرد شروع کرو۔

آبِ گوہر خواہ و گوہر ریزہ شو

بہرِ گوشِ شاہدی آویزہ شو

اگرچہ چھوٹا سا ذرہ ہی کیوں نہ ہو تم پانی کا گوہر بنو۔ اتنا عظیم دریا بننے سے بہتر ہے کہ تم ایک گوہر بن کر کسی خدا شناس کے کان کا زیور بن جائو۔

یا خود افزا شو، سبک رفتار شو

اگر ریزہ بن سکتے تو پھرسمندر میں جاکر فخر نہ کرو کہ میں سمندر میں آگیا ہوں۔ سمندر میں جانا تیرے لئے کیا کمال ہے؟ اگر بننا ہی ہے تو خود ایک سمندر بن جائو۔

اپنی شناخت پیداکرو

ابرِ برق انداز و دریا بار شو

زمین پر بہنے سے بہتر ہے کہ بادل بن جائو اور گھٹا بن کر برسو۔ یعنی کسی کا حصہ نہ بنو بلکہ اپنی شناخت پیدا کرو۔ ابرِ برق انداز، یعنی ایسی گھٹا جسکے اندر بجلیاں ، کڑک اورموسلا دھار بارش ہو اور جسکے برسنے سے دریا بہتے ہوں۔

از تو قلزم گدیۂ طوفان کند

شکوہ ہا از تنگیٔ دامان کند

سمندر میں جانے سے بہتر ہے کہ گھٹا بن کر برسو تاکہ قلزم تیرا گدا بن جائے۔ قلزم تجھ سے گدائی کرے کہ تھوڑا سا پانی ہمیں بھی دے دو۔

شکوہ ہا از تنگیٔ دامان کند

اور تیرا پانی اتنا فراوان ہو کہ وہ سمیٹ نہ سکے۔ یعنی آج جن تہذیبوں کے اندر جاکر تم غرق ہوکر ناز کررہے ہو، اپنی تہذیب، اپنی خودی، اپنی قوم اور اپنی ملت کو اتنا سربلند کر کہ یہ جو آج تمہیں قلزم نظر آتے ہیں یہ تیرے لئے محتاج ہوجائیں۔

ایسا بن کہ قلزم تیرے محتاج ہوں !

آج تو زندگی گزارنے کیلئے اُنکے پاس جا رہا ہے تم اپنے اندر اتنی عظمت پیدا کرو کہ وہ تمہارے پاس زندگی گزارنے کیلئے آجائیں اور تجھ سے مدد طلب کریں اور تیرا لطف انکے اوپر اتنا عام ہوجائے کہ اُنکے دامن تنگ ہوجائیں اور تم اُنکے اوپر اس قدر فراوان لطف کرو۔

کمتر از موجے شمارد خویش را

تم اتنے عظیم بن جائو کہ وہ اپنے آپ کو تمہاری موج یا لہر سے بھی کمتر شمار کریں۔

پیشِ پائے تو گدازد خویش را

اور تیرے سامنے آکر وہ تسلیم ہوجائیں ، اپنے آپ کو تیرے پاؤں میں آکر ڈال دیں اور تیری قدم بوسی کریں۔ یہ تیرا کمال نہیں ہے کہ تم کہیں سے اٹھ کر جا رہے ہو اور جاکر کسی دوسری تہذیب کے قلزم میں ڈوب کر غرق ہورہے ہو بلکہ اپنا وجود اس طرح سے سربلند کر کہ وہ قلزم تیرے محتاج ہوں۔

اگرکسی قوم کے اندر عزم، خود اعتمادی اورخودی پیدا ہو اور خود باختگی و احساسِ کمتری ختم ہوجائے تو یہ ممکن ہے اور یہ کوئی مشکل منزل نہیں ہے!

71\_06\_WATAN\_KI\_FIKR\_KR\_NADAN

طاغوتی نظام کے تحت شیعہ کی سرکوبی

# پاکستان کا مکار ترین حکمران!

شہید حسینی ؒنے پاکستان میں ایسے دور میں جامِ شہادت نوش فرمایا جب یہاں پر ایک ظالم ترین حکمران ضیاء الحق حاکم تھا جو تاریخِ پاکستان کا ظالم ترین اور مکار ترین حکمران گزرا ہے اور جس نے مکر و مکاری کے ساتھ حکومت پر قبضہ کیا، درندگی کے ساتھ اپنے قبضے کو مضبوط کیا، خیانت کے ساتھ اپنی حکومت کو آگے بڑھایا اور جنایت کے ساتھ اپنا دور ِاقتدار انتہا تک پہنچایا۔

ضیاء الحق نے اپنے ظالمانہ دورِ اقتدار میں ملک کے ساتھ خیانت کی اور اس کاجس ادارے سے تعلق تھا یعنی پاکستانی فوج سے بھی اس نے خیانت کی اور اس کے علاوہ پاکستانی قوم اور پھر سب سے بڑھ کراس نے اسلام کے ساتھ خیانت کی۔ ظاہر ہے کہ یہ تنہاحاکم نہیں تھا بلکہ وہ تمام گروہ بھی اُس کے ساتھ تھے جوآج بھی باقی ہیں ، اُس کی باقیات اُس کی موت کے بعد ہر حکومت میں رہی ہیں اور آج اُن میں سے کچھ حکومت میں ہیں اور کچھ حکومت سے باہر ہیں۔

# انیسویں صدی کا تاریخی واقعہ:

ضیاء الحق کی حکومت کا دور، وہ زمانہ تھا جب دنیائے اسلام اور پوری دنیا میں ایک تاریخی واقعہ رونما ہوا تھا، یعنی اُسی دور میں انقلابِ اسلامی کا وقوع اور نظامِ امامت و ولایت کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ضیاء الحق نے جوں ہی پاکستان میں حکومت پر قبضہ کیا، تھوڑے عرصے کے بعد پڑوسی ملک ایران میں انقلابِ اسلامی وقوع پذیر ہوا۔ 1978ء میں ضیاء الحق نے اقتدار پر قبضہ کیا اور 1979ء میں انقلابِ اسلامی کامیاب ہوا۔

انقلابِ اسلامی کی وقوع اور کامیابی نے پورے جہان میں ایک شدید زلزلہ ایجاد کیاجس سے بہت کچھ لرز گیا، اُن لرزنے والوں میں طاغوتی وشیطانی نظام، سرمایہ داری نظام، مادی نظام اور اُن سے وابستہ اقمار حکومتیں جو شیطانی نظام کے قمر کی حیثیت رکھتے ہیں وہ شامل تھے۔

# چاند و قمر میں فرق:

اردو میں شاعروں نے چاند چمکنے والی چیز کیلئے تمثیل بنائی ہے لہٰذا ہر چیز جو چمک رہی ہو اُسے چاندسے تشبیہ دی جاتی ہے، جبکہ چاند علمی لحاظ سے اُس موجودیااُس مخلوق کو کہتے ہیں جو کسی اورکے گرد گھوم رہی ہو، جس کا اپنا کوئی سہارا نہ ہوبلکہ کسی اورکی وجہ سے قائم ہو، اُس کا مرکز، بنیاداور محور کوئی اور چیز ہو اور وہ اُس کے گرد قائم ہو، اس کو چاند یا قمر کہتے ہیں۔

کائنات میں مختلف ستارے اور سیارے ہیں ، اُن سیاروں میں کچھ کا نام قمرہے، جیسے زمین اگرچہ سورج کے گرد گھومتی ہے لیکن زمین کو چاند نہیں کہتے۔ قمر اُن کرات کو کہا جاتا ہے جو کسی سیارے کے گرد گھومتے ہوں ، زمین سیارہ ہے اور زمین جیسا ایک اور گولا زمین کے گرد گھوم رہا ہے اُسے زمین کا چاندکہتے ہیں۔ اگر ادبیاتِ عالم کا مطالعہ کیا جائے تواُردو کے علاوہ کسی بھی زبان میں چمکنے والی چیز کو چاند نہیں کہتے بلکہ چاند اُس چیز کو کہتے ہیں جو کسی اپنے جیسی شے کے گرد گھومتاہو۔

# انقلاب اسلامی کی بدولت اقماری حکومتوں پر لرزہ:

اقمارِ استکبار وہ حکومتیں جو استکبار کے گرد گھومتی ہیں ، اقمارِ استعمار وہ حکومتیں جو استعمار کے گرد گھومتی ہیں اور اقمارِ شیطان وہ حکومتیں ہیں جو شیطان کے گرد گھومتی ہیں۔ جب انقلابِ اسلامی کامیاب ہوا تو ایسی حکومتیں اُس وقت لرز گئیں ، استکباری نظام میں شدید زلزلہ اور جھٹکا آیا، طاغوتی نظام میں جھٹکا آیا وبالخصوص اقماری حکومتیں جن کی حیثیت قمر کی طرح ہے، یعنی جن کے پاس اپنی آئیڈیالوجی یا نظریہ نہیں ہے اور جن کا اپنا کوئی استقلال، استحکام اور پائیداری نہیں ہے بلکہ اُن کا کام کسی اورکے گرد گھومنا ہے اِن کو بہت شدید جھٹکا لگا، جیسے اس وقت خلیج کے اندر اقماری حکومتیں ہیں جو امریکہ اور یورپ کے گرد گھومتی ہیں اُن کو شدید جھٹکا محسوس ہوا۔

# ایک قمر کی سر نگونی سے انقلاب آیا:

جس حکومت کو گراکر انقلابِ اسلامی وقوع پذیر ہوا تھاوہ بھی اقماری حکومتوں میں سے تھی، وہ بھی ایک شیطانی قمر تھا، شاہِ ایران کا نظام عالمی شیطانی، استعماری اور استکباری نظام کے گرد گھوم رہا تھا۔ ایسے ملک کے اندر جس میں اقماری نظام تھا، یعنی کسی اور کے گرد گھومنے والی حکومت تھی، اپنی بنیادوں پر قائم نہیں تھی وہاں پر نظامِ الٰہی اور نظامِ امامت وولایت ظاہر ہوا، اُس نے ایک طاغوت کو سرنگون کیا اور اپنا پیغام پوری دنیا کو دیا جس سے پوری دنیا کے اندر اور خصوصاً ان اقماری حکومتوں میں شدید جھٹکا محسوس ہوااور بہت ساری حکومتوں کو اپنا وجود خطرے میں محسوس ہوا، ایسے لگا کہ بس اب یہ چند دنوں کے مہمان ہیں ، خصوصاً عرب حکومتوں کو یہ خطرہ شدید محسوس ہوا۔

جب بھی کوئی جھٹکا لگتا ہے تو جھٹکے کے کچھ دیر تک انسان کو چکر آتے ہیں اور سر گھوم رہا ہوتا ہے یا دنیاگھومتی ہوئی نظرآتی ہے۔ انقلابِ اسلامی کے وقوع سے جو جھٹکالگا تھا اُس جھٹکے کے بعد ایک عرصہ ایسا گزرا جس میں ان کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا، یہ چکر کی حالت میں تھے، جب یہ چکر تھوڑا کم ہوا تو انھوں نے جائزہ لیا کہ کیا ہوا ہے اور جو کچھ ہوا ہے وہ آگے کہاں تک پہنچے گا؟ اور یہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ٹیکنالوجی، سرمایہ داری اور مادی نظام کے زمانے میں یہ اسلامی نظام کے قیام کا جو حادثہ رونما ہوا ہے یہ پوری دنیا کو اپنے اندر نگل لے گا!

# متواترتین اہم واقعات کا رونما ہونا!

انقلاب اور نظامِ ولایت و امامت ایسے مسلک و مذہب سے پیدا ہوا جس کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا چونکہ اس کی حالت ہی ایسی تھی۔ مکتبِ تشیع صدیوں سے ایسی حالت کا شکار ہوگیا تھا جس سے انقلاب کے علاوہ ہر چیزکی توقع کی جا سکتی تھی۔ جب اسی مکتب سے یہ نظام پیدا ہوا اور اُس نے یہ زلزلہ ایجاد کیاتو اس لرزش کا اثر خصوصیت کے ساتھ پاکستان پر بھی ہوا، چونکہ انقلابِ اسلامی پاکستان کے پڑوس میں وقوع پذیر ہوا تھااور پاکستان میں ایک جنرل نے ہوسِ اقتدار میں مست ہوکر اقتدار پر قبضہ کیاہوا تھا۔

انقلابِ اسلامی کے فوراً بعد تیسرا بڑا حادثہ پاکستان کیلئے افغانستان پر روس کا حملہ تھا۔ ستمبر 1978ء میں ضیاء الحق نے اقتدار پر قبضہ کیا، فروری 1979ء میں پاکستان کے پڑوسی ملک ایران میں انقلاب برپا ہوا اوردسمبر 1979ء میں روس نے افغانستان کے اوپر حملہ کیا۔

افغان جنگ میں پاکستان کا امریکی چھاؤنی کا کردار:

روس کے افغانستان پر حملے نے ضیاء الحق کواپنے اقتدار کو محکم و مستحکم کرنے کیلئے موقع دیا، چونکہ روس اور امریکہ یعنی سرمایہ داری اور اشتراکی نظام میں ایک دیرینہ جنگ چل رہی تھی، ایمپیرئیل ازم اور مارکس ازم میں ایک دیرینہ تاریخی جنگ چلی آرہی تھی اور اُس جنگ کا ایک واقعہ ویتنام میں انجام پایا جہاں پرروس نے امریکہ کو ذلت آمیز شکست دی، روس نے ویتنامیوں کی مدد کی اور امریکہ کو شکست ہوئی۔ اب جب روس نے افغانستان پر حملہ کیا توویتنام کی جنگ میں شکست کے بدلے کا احساس انتقام امریکہ کو افغانستان لے آیا، لہٰذا امریکہ نے پوری کَر و فَر کے ساتھ افغانستان کی طرف رخ کیاچونکہ افغانستان کی سرحد پاکستان کے ساتھ ملتی ہے اور لمبی سرحد ہے لہٰذا اس جنگی سپلائی لائن کیلئے انھوں نے پاکستان کا انتخاب کیا اور پاکستان افغانستان جنگ کیلئے ایک ڈیپو اور ایک چھائونی بن گیا۔

# پاکستان میں دہشتگردی کی آبیاری:

پاکستان میں یورپی ممالک سے اسلحہ اور عرب ممالک سے پیسہ آتا تھا اور پاکستان کے اندر نفری تیار ہوتی تھی۔ نفر ی تیار کرنے کیلئے اُس وقت فوری اقدامات کے تحت افغان مہاجر کیمپوں میں تربیت کی جاتی تھی، چونکہ جب روس نے حملہ کیا توافغان مہاجرین کثرت کے ساتھ پاکستان منتقل ہوئے تھے، ان مہاجر کیمپوں میں ان کی ٹریننگ شروع ہوئی اور انھیں روس کے خلاف لڑنے کیلئے جہادی عمل میں دھکیلا گیا لیکن افغان نفری کم پڑ گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستانی نفر ی کو اُس کے اندرشامل کیا گیا۔ لہٰذا مختلف تنظیمیں ، دھڑے، لشکر، لیڈر، حزبیں اور مختلف پارٹیاں وجود میں آئیں ، جن کا کام فقط جہادی فورس بنانا تھا، پورے پاکستان کی مذہبی و سیکولر تنظیمیں اس عمل میں شامل ہوئیں کہ زیادہ تر لوگوں نے اس موقع سے مالی فائدہ بھی اٹھایا۔ آج کے بہت سارے امیر وکبیر لوگ افغان جنگ کے زمانے سے کمائی ہوئی یا لوٹی ہوئی دولت سے امیر ہوئے ہیں ، اُس وقت جس کو جو عہدہ یا رتبہ حکومت یا سیاست میں حاصل تھا، انھوں نے اس جنگ سے بھرپور استفادہ کیا۔

# ضیا ء الحق کیلئے سنہری مو قع:

اس کانتیجہ یہ نکلاکہ پاکستان تین اہم واقعات کے بیچ میں گِھر گیا، ایک پاکستان کے اندراور دو پڑوس میں واقعات رونما ہوئے، ایک انقلابِ اسلامی آنا اورایک افغانستان پر روس کا حملہ، ضیاء الحق کو عالمی سطح پر لوگوں نے نہیں مانا تھا، چونکہ اُس نے بغاوت کر کے پاکستان کے ایک منتخب وزیر اعظم کو پھانسی پر لٹکا دیا تھا، عالمی سطح پر ضیاء الحق کو کوئی بھی ملک ماننے کیلئے تیار نہیں تھا۔ افغان جنگ نے اُس کو یہ موقع فراہم کیا کہ ساری دنیا اُس کو مان لے، چونکہ پاکستان اُن تمام ممالک کی ضرورت بن گیا۔ پاکستان کی ایک اسٹریٹجک اوراہم سوق الجیشی حیثیت بن گئی، اُس کے نتیجے میں جہاں ایک طرف یہ جہادی کاروائیاں شروع ہوئیں ، ساتھ ہی انقلابِ اسلامی بھی رونما ہوا، انقلابِ اسلامی وقوع پذیر ہوتے ہی ایک سال کے اندر صدام کے ذریعے انقلابِ اسلامی پر حملہ کروا دیا گیا۔

# پاکستان کا عالمی دہشت گردوں کو پناہ دینا:

دو بڑی جنگیں ایران کے دوبارڈروں پر شروع ہوگئیں ، ایک ایران کی عراق کے ساتھ جنگ تھی اور دوسری جنگ افغانستان کے اندر جو پاکستان سے لڑی جا رہی تھی چونکہ امریکہ نے اپنا اڈہ پاکستان کو بنایا تھا۔ یہ اُسامہ اور دیگر جتنے جہادی اور مجاہد اور بڑے بڑے نام بنے، یہ سارے پشاور اور پاکستان میں بنے ہیں ، یہیں پر آکر انھوں نے ڈیرے ڈالے اور رہے، پھرپورا افغانستان ایک طرح سے پاکستان میں آکر آباد ہوگیا۔

# انقلاب اسلامی امریکہ کیلئے خطرہ

اُس وقت امریکہ کی ایک ترجیح یہ تھی کہ روس کو افغانستان میں ذلت آمیز شکست دے کرویتنام کا انتقام لیا جائے اور دوسری طرف سے اس کی مشکل یہ تھی کہ انقلابِ اسلامی کے وقوع پذیر ہونے سے اُسے یہ خطرہ تھا کہ خصوصاً عرب حکومتیں معرض خطر میں آگئیں چونکہ شہنشاہیت اُس کیلئے ضروری تھی، مشرقِ وسطیٰ کی سب سے مضبوط شہنشاہیت ختم ہوگئی جبکہ باقی شہنشاہیاں اتنی مضبوط نہیں تھیں ، انھیں زیادہ خطرہ محسوس ہوا، اُس خطرے سے نمٹنے کیلئے صدام کو مامور کیا کہ وہ ایران پرحملہ کرے لیکن انقلابِ اسلامی کا خطر ہ اس سے بڑھ کر محسوس کیا گیا اورایک خطرہ یہ محسوس کیا گیاکہ انقلابِ اسلامی پوری دنیا کے غریب، کمزور اور مظلوم عوام کو متأثر کرے گا اور ایسا ہی ہوا۔

# انقلاب اسلامی مستضعفین جہان کیلئے امید:

انقلابِ اسلامی نے پوری دنیا کی مظلوم قوموں کو متأثر کیا، جو لوگ اسلامی و غیر اسلامی دنیا میں مایوس ہوچکے تھے اُن سب کے اندر دوبارہ ایک نجات کی امید زندہ ہوئی کہ ہم ظلم سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔ انقلاب کی لہر وانقلاب کی موج بہت سرعت اور قوت کے ساتھ پوری دنیا کے اندر تمام براعظموں میں پہنچی اورخصوصیت کے ساتھ اسلامی ممالک کے اندر پہنچی۔

پاکستان کے اندر بھی جتنے مسلمان تھے اُن سب کی انقلاب کی طرف بھرپور توجہ گئی۔ اس میں کسی گروہ یا کسی شخصیت کا کوئی کردار نہیں تھا بلکہ انقلاب کی اپنی لہر، موج اور دھماکے نے یہ کام کیا کہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ دیگر دنیا کی طرح پاکستان کا ہر طبقہ انقلاب کی طرف متوجہ ہوا۔ اہلِ سنت، سیاسی احزاب، شخصیات، جماعتیں ، مختلف طبقات اور خصوصیت کے ساتھ شیعوں کی توجہ ایران کی طرف ہوئی، چونکہ باقی لوگوں کابھی انقلاب سے تعلق تھالیکن انقلاب کے ساتھ گہرا تعلق تشیع کا تھا اور انقلاب نے پوری دنیا میں شدت کے ساتھ جو دھماکہ کیااُس نے پاکستان کو سب سے زیادہ اپنی طرف متوجہ کیا۔

# ضیاء الحق کا نام نہاد نفاذ شریعت کامنصوبہ

انقلابِ اسلامی کی طرف سب سے زیادہ تشیع متوجہ ہوا، شیعوں میں سے ہر طبقہ عوام، علماء اور خطباء سب متوجہ ہوئے، انقلاب نے ہر ایک کو اپنی طرف جذب کیا اور ظاہر سی بات ہے کہ انقلاب کے ساتھ تشیع کے سب سے زیادہ رشتے تھے اور سب سے بڑا رشتہ ایمانی و دینی رشتہ تھا۔

جب یہ احساس پاکستان کے اندر پیدا ہوا تو اُس کے ہم زمان پاکستان میں ایک اور حادثہ یہ وقوع پذیر ہوا کہ ضیاء الحق نے آتے ہی مکر و مکاری کے ساتھ اسلام کو ٹول واوزارکے طور پر استعمال کر کے اسلامی حکومت کا نعرہ لگایا کہ ہم نے پاکستان میں نظامِ مصطفی ﷺ قائم کرنا ہے۔ اُس کیلئے اُس نے ایک خاص مسلک کو پیش کیا، اُس نے فقہِ حنفیہ کو نافذ کرنے کا منصوبہ بنایا چونکہ حنفیوں کے بقول پاکستان میں اکثریت فقہِ حنفیہ کی ہے۔ اُس نے یہ نعرہ لگایا کہ پاکستان میں یہ فقہ یا شریعت نافذ کرنا ہے اور فوراً نافذ کر بھی دی۔ سپیشل شرعی عدالتیں بنائی گئیں اور اُن میں ایسے جج بٹھائے گئے، جنھوں نے اسلامی سزائیں دینا شروع کیں ، کوڑے مارنا شروع کئے، جگہ جگہ سیاسی مخالفوں کو مختلف حیلے بہانوں سے کوڑے مارے جانے لگے۔ دوسرا کام اُس نے زکوٰۃ کا آرڈیننس پاس کیا کہ بینکوں میں موجود لوگوں کے پیسوں سے زبردستی زکوٰۃ کاٹی جائے اور وہ غریبوں میں تقسیم کی جائے جو ابھی تک باقی اور جاری ہے۔

# سیکولر طبقے کا جمود:

ضیاء الحق کے اس نظا م کا جو وہ اسلام کے نام پرنافذ کرنا چاہتا تھااس پرمختلف طبقات نے اُس کی مخالفت کی۔ سب سے بڑی مخالفت سیکولر طبقے کے اندر تھی، سیکولر طبقہ یعنی جو کسی مذہب کا وفادار نہیں ہوتا، اُنھیں مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، مذہب کو ضروری بھی نہیں سمجھتے اور غیر مذہبی زندگی و معاشرت کے قائل ہوتے ہیں جیسے اکثریت پاکستان میں ہے، اگر مذہب کو ضروری بھی سمجھتے ہیں تو اپنے انفرادی عمل کے طور پر مذہب پر عمل پیرا ہوتے ہیں لیکن باقی کسی چیز کی بنیاد مذہب نہیں ہوتا۔

سیکولر طبقہ اس نام نہاد اسلامی نظام کا مخالف تھا لیکن مارشل لاء کے کوڑے کے نیچے دبا ہوا تھا، اُس کے اندر جرأت نہیں تھی کہ وہ مارشل لاء کے نظام میں اظہارِ وجود کر سکے۔ اُس وقت سیکولر پارٹیاں موجود تھیں اور سب سے بڑی پارٹی جس کے منتخب وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو ضیاء الحق نے پکڑ کر جیل میں بندکردیااور بعد میں پھانسی پر چڑھا دیاتھا، جس کی پارٹی اُس وقت کی طاقتور ترین اور سیکولر طبقے کی نمائندہ پارٹی تھی، اس نے انھیں ہی گرا کران کے وزیر اعظم کو پھانسی دے دی لیکن سیکولر طبقے نے اس کے جواب میں کوئی حرکت نہیں کی!

# فقہ حنفیہ کے نفاذ کے خلاف تشیع کی مزاحمت:

ضیاء الحق کی حکومت کے خلاف اگر کسی طبقے نے حرکت کی تو وہ تشیع تھا، شیعہ میدان میں آئے۔ اس کے پیچھے بھی اسباب و عوامل تھے کہ جنھوں نے شیعوں کو میدان میں اتارا۔ بہرکیف شیعہ میدان میں آئے، جوں ہی یہ نعرہ فقہ حنفی کا لگایا گیااسکا فوراً ردِ عمل ظاہر ہوا اور بھکر شہر میں ایک بڑا اجتماع ہوا، اُس وقت کے لحاظ سے بڑا اجتماع تھا، ایک لاکھ کے لگ بھگ لوگ وہاں جمع ہوئے، علماء بھی جمع ہوئے اور وہاں نفاذِ فقہ حنفیہ کے مقابلے میں ایک پارٹی یا تنظیم’’تحریک نفاذِ فقہ جعفریہ ‘‘کے نام سے بنا دی گئی۔

# پاکستانی تشیّع کے پہلے قائد کا انتخاب:

ضیاء الحق نے فقہ حنفیہ نافذ کرنے کا نعرہ لگایاتھاجبکہ انھوں نے پارٹی بنائی کہ ہم فقہ حنفیہ نہیں مانتے بلکہ ہم فقہ جعفریہ چاہتے ہیں اور علامہ مفتی جعفر حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہ جو بہت ہی گرانقدر، جیّد، پاکیزہ اور زاہد علماء میں سے تھے، اُنھیں متفقہ طور پراس تحریک اور تشیع کا قائد ماناگیا۔ پاکستان میں باقاعدہ طور پرپہلے قائدمفتی صاحبؒ منتخب ہوئے اور قیادت سنبھالی، اس کی وجہ سے شیعہ حرکت میں آئے اور منظم ہوئے۔

فروری 1979ء میں انقلاب وقوع پذیر ہوا اور اپریل 1979ء میں پاکستان کے تشیع نے اجتماع کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس اجتماع کا انقلابِ اسلامی سے کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ ہی اس اجتماع کے اندر انقلاب یا امام خمینیؒ کا ذکر آیا، البتہ خوشی سب کو تھی کہ ایران میں انقلاب آیاہے اور اتفاقاً سب سے زیادہ ملنگ خوش تھے اور ذاکر ملنگوں سے بھی زیادہ خوش تھے۔ اُس وقت کے ذاکرین نے امامؒ کی شان میں خوبصورت قصیدے لکھے، کسی ذاکر کا کوئی قصیدہ ایسا نہیں ہوتا تھا جس میں ایک دو بند امامؒ کی فضیلت اور شان میں نہ لکھے گئے ہوں اور بعض پورے پورے قصیدے اور پوری مجلس اسی پر پڑھا کرتے تھے۔ یعنی پاکستانی شیعوں کے اندر ایک خوشی کا سماں تھا لیکن اس اجتماع میں انقلاب کا کوئی تذکرہ نہیں تھا، اس کے علاوہ بھی دیگر اجتماعات بھرپور طریقے سے پاکستان میں ہوتے تھے لیکن شاید انقلاب یا امامؒ کی کامیابی کیلئے دعا تک نہیں کرائی جاتی تھی چونکہ کوئی تعلق نہیں تھا!

# شیعی اجتماع کو انقلاب سے مربوط کرنا!

اُس وقت انقلاب نیا وقوع پذیر ہوا تھا، انقلاب ابھی اپنی بنیادیں مضبوط کر رہا تھا اورابھی انقلاب نے دوسرے ملکوں کے اندر اپنی کوئی سفارتکاری بھی شروع نہیں کی تھی، یہ ایک محض اتفاق تھا کہ پاکستانی حالات نے یہ موقع پیدا کیا کہ شیعہ کے مختلف طبقات بھکر کے اندر جمع ہوئے اور یہ اہم و تاریخی اقدام کیا۔

اس تاریخی اقدام نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی کہ شاید ان کا آپس میں ربط و تعلق ہے، چونکہ ایک طرف دو مہینے پہلے فروری میں انقلاب وقوع پذیر ہوتا ہے اور اپریل میں یہاں شیعہ اکٹھے ہوتے ہیں تو ظاہر سی بات ہے کہ اُسی کا اثر ہے جبکہ ایسے نہیں تھا، یہاں پر کچھ اور محرکات تھے جنھوں نے شیعوں کو اکٹھا کیا تھا۔

# پاکستانی قوم کاالمیہ !

یہ ایک افسوسناک پہلو ہے کہ پاکستانی شیعوں کو نظریہ اور آئیڈیالوجی اکٹھا نہیں کر سکتی لیکن حادثات، واقعات اور اہم ایشوز شیعہ قوم کو اکٹھے کرلیتے ہیں ، یہ پاکستان میں شیعوں کا مزاج ہے بلکہ سارے پاکستانیوں کا یہ مزاج ہے، یہ شیعہ کیلئے مخصوص نہیں ہے، اگر کوئی جذباتی ایشو چھڑ جائے، جیسے اگر کہیں پر ایک مجلس انائونس کی جائے اور اُس میں کہا جائے کہ اس مجلس میں بڑے جید علماء آکر بڑی علمی تقریریں کریں گے لہٰذا عوام آجائیں ! عوام اس میں نہیں آئیں گے، زیادہ سے زیادہ سو دو سو آدمی آئیں گے اور اگر بعد میں اسی مجلس کے بارے میں کہیں کہ مخالفین، حکومت یا کوئی بھی طبقہ اس مجلس میں رکاوٹ بن رہا ہے تو پوری قوم اکٹھی ہوجائے گی، یعنی مومنین جوش میں آکر اکٹھے ہوجاتے ہیں۔ یعنی مکتب ان کو جمع نہیں کرتا لیکن جذبہ اور قومی ومذہبی ایشوز ان کو اکٹھا کر دیتے ہیں۔

# شیعوں نے ضیاء الحق کو امیر المومنین نہیں مانا:

بھکر میں اس اجتماع کی بڑی وجہ ضیاء الحق کے اقدامات تھے اور پھر سیکولر طبقہ جو مارشل لاء کے نیچے دب گیا تھا اور اُسے پتہ تھا کہ اب وہ میدان میں نہیں آسکتا، اُن میں جرأت نہیں تھی کہ وہ مارشل لاء کے سامنے آکر کھڑے ہوں ، مسلمانوں کے جتنے دیگر طبقے تھے یہ سب ضیاء الحق کے ساتھی اور نظامِ مصطفی ﷺ کے پیروکار تھے، تمام مسالک کی عوام، جماعتیں اور علماء ضیاء الحق کو امیرالمومنین کہتے تھے، جماعتِ اسلامی نے سب سے پہلے ضیاء الحق کو امیرالمومنین مانا، جبکہ دیوبندی اور بریلوی جمعیت نے بھی ضیاء الحق کو امیرالمومنین قبول کیا، لہٰذا انھیں تومارشل لاء بہت اچھا لگا کہ پہلی دفعہ پاکستان میں اسلامی حکومت کے نفاذکی بات ہو رہی ہے، اس وجہ سے وہ ضیاء الحق کی تعریفیں اوراس کا دفاع کرتے تھے اور ہر جگہ اُس کا ساتھ دیتے تھے۔ دوسری طرف سیکولر ڈرے اور سہمے ہوئے تھے، تنہا طبقہ جو ضیاء الحق کو امیرالمومنین نہیں مان رہا تھا اور سیکولر بھی نہیں تھا جبکہ اُس میں جوش و جذبہ بھی تھا وہ شیعوں کا طبقہ تھا۔

# سیکولرطبقے کا مارشل لاء میں مذہب سے استفادہ:

اس اجتماع کا ایک بڑا اہم ایشو سیکولر طبقہ تھا جنھوں نے ضیاء الحق کے مذہبی نعرے اور مذہبی شعار کے مقابلے کیلئے مذہب ہی کا سہارا لیا، یعنی سیکولر لوگوں نے مذہب کا سہارا لیا اور سیکولر لوگوں کی یہ چالاکی آج تک جاری ہے۔ مذہب سے استفادہ جتنا سیکولر لوگوں نے کیا اتنا کسی مذہبی جماعت، کسی مذہبی عالم یا مذہبی تنظیم نے نہیں کیا، جنھیں مذہب پر کوئی ایمان اور یقین ہی نہیں ہے لیکن جب استفادے کی باری آتی ہے تو وہ کھل کر مذہب سے استفادہ کرتے ہیں چاہے وہ کوئی بھی مذہب ہو، اُس سے بخوبی استفادہ کرتے ہیں۔ لہٰذا حقیقت میں سیکولر طبقہ محرک بنا، چونکہ ضیاء الحق مذہب کوسامنے لے آیا تھا، مذہب کے مقابلے میں سیکولر ڈرے اور سہمے ہوئے تھے، اکا دکا جب بولتے بھی تھے تو انھیں جیلوں میں ڈال دیا جاتااور کوڑے مارے جاتے باقی اُن کو دیکھ کر خاموش ہوجاتے، سوائے شیعہ طبقے کے جو ضیاء الحق کا مخالف اور میدان میں اترنے کیلئے تیار ہوا۔

بھکر اجتماع کے پیچھے ایک محرک وہ ایشو تھا جوضیاء الحق نے نفاذِ فقہ حنفی کے نام سے کھڑا کیا تھا اور دوسرا اصل محرک وہ سیکولر طبقہ تھا جو ضیاء الحق کے مقابلے میں آنا چاہتا تھا لیکن ان میں جرأت نہیں تھی لہٰذا مذہبیوں کو ڈھال بناکر آگے کیا۔ اس طرح پاکستان میں یہ بڑاا حادثہ رونما ہوا کہ شیعہ تحریک و تنظیم بن گئی۔

# اجتماع میں پرنٹ میڈیا کا کردار:

وہ واقعہ جس کا انقلاب سے کوئی تعلق نہیں تھا لوگوں اور میڈیا نے اس کا تعلق اسلامی انقلاب سے جوڑ دیا، اُس وقت یہ الیکٹرونک میڈیا اتنا نہیں تھا بلکہ زیادہ تر پرنٹ میڈیا تھا، اُنھوں نے یہ تعلق جوڑ دیا اور بعض دیگر پاکستانی سرکاری و غیر سرکاری طبقات نے یہ تعلق جوڑ دیا کہ فروری میں وہاں انقلاب آتا ہے اور اپریل میں یہ یہاں جمع ہوئے ہیں تو لامحالہ ان کا آپس میں کوئی رابطہ ضرور ہے۔

بہرکیف وہ رابطہ اتنا پریشان کن نہیں تھا، اُس کی وجہ یہ تھی کہ تحریک کا سارا زور ضیاء الحق کے اٹھائے ہوئے ایشوز کے مقابلے میں تھا اور تحریک میں انقلاب کی بات نہیں ہوتی تھی، باوجود اس کے کہ انقلاب آچکا تھا لیکن نہ امام خمینی رضوان اللہ علیہ کا چرچا تھا اور نہ ہی انقلاب کی کوئی بات، سارا زور اپنے مقامی مسائل پر تھا، یعنی شیعہ کا یہ شعار بن گیا تھاکہ ایک مسلک کی فقہ کو ٹھونسنے نہیں دیں گے، اگر نظام نافذ کرناہے تو تمام مسالک کی فقہ کو نظر میں رکھا جائے!

# پاکستانی تشیّع کا دوسرا تاریخی اجتماع:

تحریک کی نظر میں بہرکیف وہ ایشوز تھے جو ضیاء الحق نے چھیڑے ہوئے تھے اور انہی ایشوز پر اجتماعات ہوتے رہے اوریہ عمل جاری رہا تااینکہ اسلام آباد میں پھر تشیع کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں طاقت کا مظاہرہ ہوا، بظاہر اُس کا عنوان شہید باقر الصدرؒ کا چہلم تھا لیکن اُس میں بھی پلاننگ یہ تھی کہ اس چہلم کے بہانے امت جمع ہو اور پھر اُس کے بعد اس کو اپنے حقوق کے مطالبے میں بدل دیں گے اور ایسے ہی ہوا۔

مفتی جعفر حسین رضوان اللہ علیہ کی سربراہی میں علمائے کرام اور مختلف تنظیموں نے مل کر اُس پروگرام کو منعقد کیا اور وہ بہت ہی باشکوہ پروگرام تھا، واقعاً ایک عظیم اجتماع تھا اور اُسی پلاننگ کے مطابق ہی ہوا کہ شروع شہید صدرؒ کی برسی کے نام سے ہوا لیکن ظہر تک یہ پروگرام مکمل طور پر سیاسی رنگ اختیار کر گیا اور پھر اس کے بعد عصر تک انھوں نے پاکستان سکرٹریٹ کی طرف مارچ شروع کردیا۔

# شیعوں کی انقلاب سے لاتعلقی:

اس اجتماع میں ذاکرین، ملنگ، علماء اور تمام شیعہ تنظیموں سمیت تمام طبقات شامل تھے۔ چوبیس گھنٹے تک عظیم اجتماع جس میں ایک لاکھ سے زیادہ لوگ تھے وہاں سکرٹریٹ کے سامنے رہے اور احتجاج کیا۔ مارشل لاء کے اندر حکومت کے دارالخلافہ میں ہونے والے اس اجتماع نے زیادہ بھونچال پیدا کر دیا۔ یہاں سے ضیاء الحق اور باقی طاقتوں نے ٹھان لی کہ اب یہ لامحالہ انقلاب ہی اثر انداز ہو رہا ہے جبکہ یہاں تک بھی انقلاب سے کوئی وابستگی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ جن کی ہوئی بھی تھی تووہ انفرادی طور پر تھی، اجتماعی طور پر قیادت و رہبری کی جانب سے اور علماء کی طرف سے تنظیمی یا تشکیلاتی طور پر ابھی انقلاب کے ساتھ کوئی نظریاتی رشتہ منسلک نہیں ہوا تھا۔ محبت، حمایت اورقصیدوں کی حد تک رشتہ تھا لیکن اس سے آگے کوئی تعلق نہیں تھالیکن جو کچھ اسلام آباد میں وقوع پذیر ہوا اُس نے سب کو یقین دلا دیا کہ یہ فقط ملکی مسائل یا لوکل ایشوز نہیں ہیں بلکہ شاید اُدھر سے کوئی تلقین یا کوئی آئیڈیالوجی آئی ہے جس نے تشیع کو اس میدان میں اتار دیا ہے۔

# تشیع کی سرکوبی کی اسٹریٹجی کاآغاز

اسلام آباد کے عظیم اجتماع کی وجہ سے وقتی طور پر ضیاء الحق تسلیم ہوگیا اور تمام مطالبات مان لئے اور اُس نے پاس شدہ آرڈیننس واپس لئے اور نیا آرڈیننس جاری ہوا کہ شیعہ کو اُس کے حقو ق دیے جائیں لیکن یہاں سے ضیاء الحق نے اپنے گروہ کے ساتھ مل کر ایک خبیث عمل شروع کیا اور اسٹریٹجی بنائی کہ تشیع کو سرکوب کیا جائے اور اس کی کمر توڑی جائے، کیوں کہ یہ طاقت خطرناک ہے۔ کیوں خطرناک ہے؟ چونکہ ایران میں اس طاقت نے شہنشاہیت کا تختہ الٹ دیا اور اُسی طاقت کے آثار یہاں بھی نظر آرہے ہیں ، اگر یہ آگے بڑھی، اگر اس میں جان آئی تو یہ ہمارے لئے بہت سنجیدہ مشکلات کھڑی کر دیگی لہٰذا یہیں پر اس طاقت کو کچل دیا جائے۔

اس منحوس انسان اور اس کے گروہ نے جو اس سے زیادہ منحوس تھا، انھوں نے اپنے اُس وقت کے وسائل کو بروئے کار لاکر جہاں افغانستان میں امریکی جہاد شروع کیا ہوا تھا اور وہاں پر اپنا ملک، ملت، قوم اور ہر چیزدائو پر لگائی ہوئی تھی، دوسرا اہم محاذ تشیع کی سرکوبی کا کھولا۔ اس نے ایجنسیوں کو کہا کہ متعصب مولویوں کو چنو، انھوں نے چن کرچند آدمی دیے کہ یہ آپ کا ہدف پوراکرنے کیلئے بہترین ہیں ، انھیں حکم دیا گیا کہ آپ تشیع کی سرکوبی کیلئے ماحول، لشکر اوراسلحہ بنائو اور ان کا قتلِ عام شروع کرو۔

# حمید گل کا میڈیا پر اعتراف:

یہ ضیاء الحق کی اسٹریٹجی تھی جو اُس نے بہت کھل کر بنائی اور آج سب مانتے ہیں۔ اُس زمانے کے حکومتی اہلکار جو آج ریٹائرڈ ہوگئے ہیں اور زندہ ہیں وہ مانتے ہیں ، ٹی وی چینلوں پر آکر قبول کیا ہے کہ یہ ہم نے اُس وقت کیا تھا چونکہ یہ اُس وقت کی ضرورت تھی۔ اُن میں سے ایک شخص جو اِن کاتھیوریسین تھا، یعنی حمید گل نے ٹی وی چینل پر آکر قبول کیا کہ یہ سارے ہمارے بنائے ہوئے لشکر ہیں ، یہ سپاہِ صحابہ، لشکر جھنگوی اور اُن سے جو دوسری شاخیں نکلی ہیں یہ ہم نے بنائے تھے، اس کے علاوہ انھوں نے ملک کے مختلف حصوں میں سیاسی پارٹیاں بنائیں جن کا کام بھی تشیع کو سرکوب کرنا ہے۔

# شیعہ کی سرکوبی کے عمل میں تیزی:

اُس وقت سے تشیع کی سرکوبی کا عمل شروع ہوا اور روز بروز اس میں شدت آئی، آغاز میں شیعہ کو یقین نہیں آرہا تھا کہ اس سطح پر یہ پلان ہوا ہے اور یہ عمل شروع ہوا ہے، اُسے فرقہ واریت سمجھا جا رہا تھا چونکہ مذہبی منافرت بڑھائی جا رہی تھی، شیعہ کافر کے نعرے اُس زمانے میں شروع ہوئے۔ وہ متعصب لوگ حکومتی سرپرستی میں قریہ قریہ اور گائوں گائوں گئے اور باقاعدہ نفرت پھیلائی اور بڑے بڑے لشکر بناکرتشیع پر حملے کرنا شروع کردیے۔

# قوم میں انتشار اور قائد کی تنہائی!

اس اثناء میں جب یہ عمل شروع ہوا تو مرحوم مفتی جعفر حسین ؒ صاحب29اگست 1983ء کو اس دنیا سے رحلت فرما گئے اور اِدھر سے یہ لشکر سازی شروع ہوچکی تھی، مفتی صاحبؒ کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک قیادت کا میدان خالی رہا، چونکہ دھڑابندی ہوچکی تھی، اختلافات پیدا ہوچکے تھے، مختلف گروپ وجود میں آچکے تھے اور مفتی صاحب کی وفات سے پہلے ہی ان پرعدمِ اعتماد کر دیا گیا، انھیں معذول نہیں کیا گیا تھا لیکن ساتھ چھوڑ دیا گیا تھا۔ مفتی صاحبؒ بالکل تنہا ہوگئے تھے، کوئی شخص اُن کے ہمراہ نہیں تھا۔ شاید کسی عالم کو اتنی تنہائی نہیں ملی جتنی مفتی صاحب ؒ کو قیادت کے آخری دنوں میں ملی، جس کے بہت سارے لوگ آج بھی گواہ ہیں اور ہم نے بھی آپؒ کی وہ تنہائی نوجوانی میں اپنی آنکھوں سے دیکھی، چند مرتبہ مفتی صاحبؒ کی ہمراہی کا شرف بھی نصیب ہوا، اُسی تنہائی کے عالم میں وہ کام کرتے تھے، بااینکہ نوجوانی خام عمر ہوتی ہے اُس میں سنجیدگی نہیں ہوتی لیکن اُس تنہائی کو دیکھ کر رونا آتا تھا، ایک مرتبہ اُسی شہر میں جس میں ہم نے مفتی صاحب کا پہلے استقبال کیا تھا اور باشکوہ و لاکھوں لوگوں نے استقبال کیا تھا، مفتی صاحب ؒ کو ایک طالب علم کے ساتھ ہم نے تانگے کے انتظار میں سڑک پر کھڑے ہوئے دیکھا، جہاں سے لوگوں نے ان کے پہلے استقبال میں اُن کی گاڑی اپنے ہاتھوں میں اٹھائی تھی!

# مفتیؒصاحب کے بعد قیادت کیلئے دوڑیں :

اِدھر یہ کام ہواکہ تشیع میں اختلاف پیدا ہوئے، مفتی صاحبؒپر عدمِ اعتماد کیا گیااور لوگوں نے عملی طور پر مختلف وجوہات کی بناء پر مفتی صاحبؒ کا ساتھ چھوڑ دیا اور دوسری طرف حکومتی سرپرستی میں لشکر سازی کا عمل شروع ہوگیا، مفتی صاحبؒ کی رحلت کے بعد کچھ عرصہ خاموشی رہی کہ کس کو جانشین بنایا جائے! بعضوں نے ضرورت ہی نہیں سمجھی اور کہتے رہے کہ قائد بنانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے اسی طرح سے معاملہ چلتا رہے گا لیکن کچھ دھڑوں نے اندرونِ خانہ اپنے طور پر تحرکات شروع کر دیے، وفود بناکر ملک کے دورے شروع کئے جب دوسروں کو یہ محسوس ہوا کہ یہ اپنی قیادت کے لئے کوششیں کررہے ہیں۔ اس طرح تین چار گروہ ایسے بنے جنھوں نے الگ الگ اپنے طور پر عوام کے اندر کوششیں شروع کیں کہ قیادت کے اس خَلاکو بھرا جائے۔

# شیعہ قیادت کیلئے شہید حسینی ؒ کا انتخاب:

اُس وقت راولپنڈی میں ایک اجلاس ہوا اور اُس میں ملکی قیادت کے خلاء کو بھرنے کیلئے راولپنڈی کے، اُس وقت کے جو قومیات کے بزرگ تھے وہ جمع ہوئے اور انھوں نے راولپنڈی کی طرف سے ایک نام پیش کیااور کہاکہ یہ ہماری طرف سے قومی قیادت کیلئے تجویز ہے، وہ تجویز سے بڑھ کر میڈیا کی مدد سے تجویز نہ رہی بلکہ تصویب اور فیصلے کے طور پر اناؤنس ہوگیا کہ وہ شخصیت قائد ہیں اور وہ ابھی بھی موجود ہیں (خدا انھیں حفظ کرے)۔ انھیں قائد کے طور پر اناؤنس کر دیا گیا جب باقی علاقوں کے شیعوں نے دوسرے دن اخباروں کی سرخیوں میں یہ خبر پڑھی تو حیرت کا مظاہرہ کیا کہ یہ کیا ہوگیا؟ اور پھر تحرک زیادہ شروع ہوا۔ راولپنڈی کے علاوہ دیگر شہروں کے لوگوں نے کہا کہ ہم اس فیصلے کو نہیں مانتے چونکہ قومی سطح پر سپریم کونسل یاتحریک کا جو ڈھانچہ تھا یہ اُس کا فیصلہ نہیں ہے یا عوام کا فیصلہ نہیں ہے لہٰذا تحرک شروع ہوا اور پھر کرتے کرتے دوبارہ بھکر میں اجتماع ہوا اور اُس میں شہید قائد سید عارف حسین الحسینی ؒ کو مفتی صاحبؒ کے جانشین کے طور پر منتخب کیا گیا۔

# شہید ؒ کوقائد چننے کے پیچھے تلخ حقائق:

شہید حسینی ؒ کو قائد چننے کے پیچھے جو تلخ حقائق تھے وہ چھپ چکے ہیں ، لہٰذا اُن کو بار بار دہرانا مناسب نہیں۔ یہ حقیقت دوسروں کو اور طرح سے تلخ لگتی ہے اور اپنے ضمیر کو اور طرح سے تلخ لگتی ہے، جب یہ تلخی ذہن میں آتی ہے تو ہفتوں تک نہیں نکلتی، بہت شدید دکھ پہنچاتی ہے۔ بہرکیف کچھ وجوہات کی بناپر شہید ؒ کا نام پیش کیا گیا کہ یہ ہمارے قائد ہیں ، اس طرح سے شہید کی قیادت اور مفتیؒ صاحب کیلئے جانشینی شروع ہوئی۔

شہیدؒ پہلے پاراچنار کے ایک مدرسے میں مدرّس تھے، قائد بننے کے بعدوہاں سے نقل مکانی کی اور پشاور آگئے۔ پشاور میں آکر دفتر بنایا اور ساتھ ہی مدرسہ بھی شروع کر دیا جو ابھی آپؒ کے نام سے ہی پشاور میں قائم ہے۔ یہاں شہیدؒ نے آکر اپنی قیادت کا آغاز کیا اور ملکی سطح پر رابطے کئے، چونکہ شہیدؒ شناختہ شدہ نہیں تھے، جس دن اُن کی قیادت کا اعلان ہوا تھا، ہر شیعہ اور ہر متحرک کارکن دوسروں سے پوچھ رہا تھا کہ یہ عارف حسین الحسینی ؒ کون ہیں ؟

# ناشناختہ شخصیت کا انتخاب:

ہمیں ایک اتفاق ہوا تھا کہ اسلام آباد کے کنونشن میں اُن کی زیارت نصیب ہوئی تھی، آپؒ اُس میں پاراچنار کے وفد کی نمائندگی کررہے تھے اور اسلام آباد کے کنونشن میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور موقع پر آپؒ سے ملاقات ہوچکی تھی، جس مدرسے میں ہم پڑھتے تھے وہاں تشریف لائے تھے اور ہمارے لئے بھی ناشناختہ اور نئی شخصیت تھی، مدرسے کے مدیر سے ہم نے پوچھا کہ یہ نورانی شخصیت کون ہے؟ اُنھوں نے شہیدؒ کا خوبصورت تعارف کروایا۔ انھوں نے فرمایا کہ پاکستان میں اگر دو مخلص عالم جن کے اندر نیتِ الٰہی کے علاوہ کوئی اور فکر نہیں ہے تو اُن میں سے ایک یہ ہیں۔ یہ خوبصورت تعارف تھا کہ انسان اس تعارف سے ہی جذب ہوجاتا ہے اورہمیں یہ ایک شناخت تھی اور ہم نے بھی لوگوں کو یہی شناخت کروائی، اُن کیلئے اپنے استاد کا جملہ نقل کرتے تھے کہ ہمارے استاد ان کے بارے میں یہ فرما رہے تھے۔ چونکہ یہ 1980ء یا 1981ء میں تعارف ہوا تھا اور شہید 1984ء میں قائد بنے تھے۔ 1984ء میں قائد بننے کے بعد 1981ء والا تعارف کروارہے تھے۔

قم مقدس کے بڑے بڑے علماء اور بزرگان پوچھتے تھے کہ یہ کون ہیں ؟ کسی کو پتہ نہیں تھا اور اسی وجہ سے انھیں بنایا گیا تھا کہ گمنام آدمی ہے، انہیں کوئی نہیں جانتا اور اسی طرح سے آخر تک گمنام رہیں گے اور گمنام قائد اچھا ہوتا ہے چونکہ دوسروں کو موقع ملتا ہے، گمنام رہبر یا غیر فعال رہبر سے دوسروں کو کام کرنے کا بہت میدان ملتا ہے لیکن اگر وہ کام کا ہو اور وہ اپنی صلاحیتیں ثابت کردے تو پھر دوسروں سے میدان چھن جاتا ہے، اسی وجہ سے پھراس کیلئے مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں۔

# شیعہ قیادت کا انقلاب اسلامی کی طرف شعوری سفر

یہ انتہائی قابلِ غور نکتہ ہے کہ فروری 1979ء میں انقلاب رونما ہوا، اپریل 1979ء میں پاکستانی تشیع کا سب سے بڑا اجتماع ہوا جس میں قیادت وجود میں آئی 1979ء سے لے کر 1983ء تک مرحوم مفتی صاحب کی قیادت میں شیعہ قوم نے تگ و دو کی اور اپنے حقوق حاصل کئے، اسی زمانے میں ضیاء الحق نے تشیع کی سرکوبی کی اسٹریٹجی بنائی اور عمل شروع کر دیا۔

جب مفتی صاحبؒ کی رحلت ہوئی اور شہیدؒ کو جانشین بنایا گیا تو پہلی دفعہ پاکستانی قوم کے اندر شعوری طور پر قیادت اور مرکزیت کی طرف سے انقلاب کی بات شروع ہوئی اور انقلاب سے کھلم کھلا اپنا تعلق ظاہر کیا گیا، اگرچہ یکطرفہ تھا اور اس بات کے بھی ہم گواہ ہیں ، چونکہ اس وقت قم میں پڑھتے تھے اور ہمیں پتہ ہے کہ اُدھر سے شہیدؒ کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں تھا لیکن اِدھر سے شہیدؒ کاوہاں شدید رابطہ تھا۔

# امام خمینیؒ کی شاگردی کا شرف:

اُس وقت ایران کے اندر شہیدؒ کیلئے کوئی اہمیت نہیں تھی، ہمیں جاکر مختلف مراجع کے دفتروں میں شہیدؒ کا تعارف کروانا ہوتا تھاکیوں کہ مراجع کرام کو کوئی پہچان نہیں تھی، بڑی شخصیات کے پاس جاتے کہ یہ سید عارف حسین الحسینیؒ شیعہ قوم کے رہبر ہیں تو وہ پوچھتے تھے کہ یہ کون ہیں ؟ کہاں سے آئے ہیں ؟ اس طرح کی باتیں وہاں تھیں ، لیکن اِدھر سے شدید رجحان اور لگائو تھا۔

شہید ؒ 1984ء میں انقلابی نہیں ہوئے تھے بلکہ شہید ؒ نجف میں پڑھتے تھے توامام خمینیؒ کی زیارت اور امام خمینیؒکے ساتھ تعلق سے انقلابی بن گئے تھے۔ پھر اس کے بعد قم میں آکر زیرِ تعلیم رہے اور جب نہضتِ انقلاب جاری تھی تو اُس وقت سے شہیدؒنے اپنے معلم سے انقلاب کا سبق پڑھ لیا تھا اور آکر پاراچنار کے ایک سرحدی گائوں میں اپنی خدمات انجام دینا شروع کردی تھیں !

# شہید حسینیؒ انقلاب اسلامی کے مخلص داعی:

الغرض مرکزی طور پر قیادت کی جانب سے پہلی دفعہ انقلاب کیلئے کھل کر بات ہونا شروع ہوئی اور شہیدؒ نے اپنا تعلق ظاہر کرنا شروع کر دیا کہ ہم امام خمینی رضوان اللہ علیہ اورنظامِ ولایتِ فقیہ کے پیروکار اور اُس کے وفادار ہیں۔ اس سے پہلے جو حدث و گمان تھا کہ پاکستانی شیعوں کا اُدھر کوئی تعلق ہے جبکہ تعلق نہیں تھا، واقعاً نہیں تھا اور اِس کو کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے اکا دکا انفرادی رابطے ہوں لیکن اجتماعی طور پر کوئی تعلق نہ اُدھر سے تھا اور نہ اِدھر سے تھا۔ شہیدؒ نے آکر یہ پہل کی اور اپنی قوم کو شعوری طور پر انقلاب سے آشنا کروایااور اپنی تبلیغات کا ایک اہم موضوع شہید ؒ نے انقلاب رکھا۔ امامؒ، انقلاب اور نظامِ ولایت شہید ؒکی گفتگو کے تین اصلی و بنیادی موضوعات تھے۔ شہید زیادہ تر اخلاقیات پر گفتگو کیا کرتے تھے اور اخلاق کا بہت خوبصورت درس دیتے تھے۔ جبکہ نظریاتی موضوعات میں سے یہ تین موضوع شہیدؒ کے منتخب اور پسندیدہ موضوع تھے۔

یہاں سے بات کھل گئی کہ ضیاء الحق اور اُس کا عملہ پہلے جو گمان رکھتے تھے اب انھیں گویا ایک قسم کا پروف مل گیا کہ یہ تو واقعاً انقلاب سے مربوط ہیں جبکہ اِدھر سے انقلاب کے ساتھ محبت و عقیدت تھی اور اُدھر سے ابھی تک شہیدؒ کے ساتھ کوئی ارتباط نہیں تھا۔ شہیدؒ کے اکا دکا اپنے ذاتی تعلقات تھے یا شہیدؒ کے ساتھی انقلابی شخصیات اور مراجع کرام کے پاس جاکر شہیدؒ کو متعارف کرواتے تھے۔

# شہیدحسینی ؒ کی راہ:

شہید عارف حسین الحسینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ وہ ہستی ہے جس نے اپنی جان کو اسلام کا سِپر بناکر اسلام اور تشیع کی عظمت و سربلندی کیلئے پیش کیا۔ آپؒ کی شہادت سے لے کر آج تک پوری دنیا میں اور بالخصوص پاکستان میں تشیع کا سفر جاری ہے۔ جو لوگ شہیدؒ کی راہ کو جاری رکھے ہوئے ہیں اُن کیلئے اس نکتے کو جاننا بہت اہم ہے کہ آپؒ کی شہادت کس راہ میں وقوع پذیر ہوئی اور جس راہ میں یہ شہادت ہوئی اور جس راہ کو اس شہیدؒ نے اپنے خون سے سیراب کیا وہ راستہ آج کہاں تک پہنچا ہے۔

شہید ؒ کی شہادت کا اصل محرّک:

یہاں سے شیعوں کی سرکوبی کی اسٹریٹجی باقاعدہ مستحکم طور پر بنی اور اُس پر کام شروع ہوا، لہٰذا وارداتیں ہونا شروع ہوگئیں اور دبائو بڑھنا شروع ہوگیا۔ کرتے کرتے نوبت یہاں تک آئی کہ خود قتلِ شہید ؒ تک بات آگئی کہ یہ وہ شخص ہے جو انقلاب سے شیعوں کا تعلق تیزی کے ساتھ جوڑ رہا ہے۔ وہ اس حقیقت تک پہنچ گئے، انھیں معلوم ہوگیا کہ انقلاب سے اس ملت کا رابطہ جوڑنے والا منبع یہی ہے، انقلاب کا سبق پڑھانے والا یہی ہے، انقلاب کے نغمے گانے والااور انقلاب کا غزل سرا یہی ہے لہٰذا اسے یہاں پر ہی روک لیا جائے!۔

ایک سازش بنی جس میں دو تین سفارتخانے بھی شامل تھے، ایک توعراق کا سفارتخانہ تھااور ضیاء الحق کی پوری ٹیم اُس میں شامل تھی اور انھوں نے جاکر پشاور کے نواح و مضافات میں سے کرایے کے قاتل لئے اور شہیدحسینی ؒ کو شہیدکروا دیا گیا۔ اس گمان کے ساتھ کہ اب انقلاب کے ساتھ پاکستانی تشیع کا رشتہ ہم نے کاٹ دیا ہے، اور اب پاکستان، انقلاب سے دور ہوگیا ہے۔

# تشیع کے قتلِ عام کا سلسلہ جاری:

اس کے بعد پھر تشیع کی سرکوبی کاتسلسل قائم ہوگیا چونکہ یہ خوش ہوئے کہ ہم نے انقلاب سے رابطہ کاٹ دیاہے، دوسرا یہ کہ تشیع، انقلاب کی وجہ سے ایک طاقت کے طور پر متعارف ہوا لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب انقلابِ اسلامی اپنی اندرونی مشکلات اور وہ مشکلات جو جنگ کی وجہ سے تھیں اور علاقائی و عالمی شیطانوں کی وجہ سے اُس کے اوپر ٹھونسی گئی تھیں ، شدید مشکلات کاشکار تھا۔

# انقلاب پر دباؤ:

ایران نے آٹھ سالہ جنگ لڑی جس نے ملک کو ویران کر دیا، قبرستان بھر دیے اور ملکی انفراسٹرکچر سارا ختم ہوگیا اوراقتصاد صفر ہوگئی، جنگیں ایسا ہی کرتی ہیں۔

اُس وقت تک انقلاب کی ساری کوشش صدام اور عالمی طاقتوں کے مقابلے میں ایران اور انقلاب بچانے میں صرف ہو رہی تھی باقی کسی طرف کوئی توجہ نہیں تھی، نہ لبنان کی طرف توجہ تھی، نہ پاکستان کی طرف اور نہ ہی کسی اور طرف متوجہ تھے، اُس وقت صرف اندر کی طرف توجہ تھی بعد میں پھر یہ توجہ باہر کی طرف کی گئی۔

# صدورِ انقلاب یا محد ودیت انقلاب

آغا رفسنجانی جیسے کچھ لوگ موجود تھے جو پہلے دن سے اس چیزکے قائل تھے کہ ایران سے باہر انقلاب کی بات نہیں ہونی چاہئے اور آج تک اسی بات پر قائم ہیں کہ ہمیں انقلاب کے بعد ایران کے اندر بھی ایک محدود وقت تک انقلاب کی بات کرنی چاہئے پھر اس کے بعد ایران میں بھی انقلاب کی بات ختم کر دینی چاہئے، یہ ایران کے قائل ہیں انقلاب کے قائل نہیں ہیں ، انقلاب اگرایران کو فائدہ دیتا ہے تو ایران کے اندر انقلاب کی بات کرو، اُس وقت تک جب تک انقلاب فائدہ دیتا ہے لیکن جب انقلاب فائدہ نہیں دیتا تواُس وقت سے انقلاب کی بات ختم کر دو کہ اب انقلاب ختم ہوگیا ابھی ایران شروع ہوگا۔ یہ ملک کے اندر بھی اس پالیسی کے قائل تھے، ابھی تک اسی کے معتقد اور پابند ہیں۔ اس طرح کے لوگ ملک سے باہر کیلئے بالکل تیارنہیں تھے لیکن امامؒ یہ کہہ رہے تھے کہ ہم اپناانقلاب پوری دنیا میں صادر کریں گے اور اسی کو یورپی، عرب اوردوسرے ممالک بہانہ قراردیتے ہیں کہ ان کی نیت یہ ہے کہ یہ اپنا انقلاب ساری دنیاکے اندر پہنچائیں گے اور ساری دنیا کی حکومتوں کو گرائیں گے اور اُن کی جگہ پر اپنا نظام قائم کریں گے۔

# شہیدؒ کی شہادت نے تشیع کو زندہ کیا:

ضیاء الحق نے پاکستان میں تشیع کی سرکوبی کی اسٹریٹجی اپنائی اور اُس کو حکومتی پالیسی بنایا، پالیسی کے ذریعے دہشت گرد لشکر بنائے گئے اوراُن کی حکومتی سرپرستی ہوتی رہی، پھر اس کے بعد اس کے ساتھ اور حوادث شامل ہوئے تھے۔ شہیدؒ کیلئے یہ سازش بنائی گئی اور آپؒ کو 1988ء میں شہید کر دیا۔ جب انھوں نے آپؒ کو شہید کیا تو آپؒ کی شہادت نے تشیع کو زندہ کیا۔ اگرچہ قیادتِ شہید مشکلوں میں تھی لیکن شہادتِ شہید ؒ قوم کی بیداری کیلئے بنیاد بن گئی!

# شہید ؒکی قیادت کا زمانہ:

شہیدؒ کی قیادت کا دورمشکل ترین دور تھا، چونکہ مفتی صاحبؒ کے مقابلے میں کوئی قائد نہیں تھا، قوم دو حصوں میں بٹی ہوئی نہیں تھی بلکہ ایک ہی قوم تھی۔ جب مفتی صاحبؒ کو مانتی تھی تو بھی ایک قوم تھی اور نہیں مانا تو بھی ایک قوم بن کر نہیں مانالیکن مقابلے میں کوئی شخص نہیں تھا لیکن شہیدؒ کے مقابلے میں ایک قیادت پہلے سے راولپنڈی میں وجود میں آئی ہوئی تھی اوراُس وجہ سے ویسے ہی ایک تقسیم ہوگئی تھی۔

دوسری تقسیم جو شہیدؒ کے زمانے میں ہوئی وہ یہ کہ وہ طبقہ جو علماء سے ہٹ کر تھا یا جنکی علماء پر حساسیت تھی، وہ طبقہ تحریک سے جدا ہوگیا جو مفتی صاحب کے زمانے میں ساتھ تھا۔ یعنی خطباء، ذاکرین، ملنگ یہ طبقہ تحریک سے الگ ہوگیا، شہیدؒ کی قیادت میں تحریک میں بہت کم افراد رہے اور شہید کی قیادت کو اندر اورباہر سے بہت مشکلات کا سامنا تھا لیکن شہیدؒ کی شہادت نے شیعہ قوم کو بیدار کیا اوردوبارہ متحدکردیا!

# پاکستان میں تشیع کا عروج وزوال:

شہیدؒ کی قیادت کے دوران بہت سارے جولا تعلق بیٹھے ہوئے تھے، اب لاتعلقی چھوڑ کر اجتماعی میدان میں آئے اور تشیع کی بقاء کیلئے انھوں نے کوششیں شروع کیں اور ایک بہت ہی مضبوط ومنظم تحریک بنی، شہید ؒ کے جانشین انتخاب ہوئے، انھیں مقبولیت ملی اور اُوج پر پہنچے۔ یعنی تشیع پاکستان میں اتنا طاقتور کبھی بھی نہیں رہا اور یہی زمانہ تھاکہ جب تشیع کی سرکوبی شروع تھی۔ باوجود اس کے کہ ضیاء الحق فی النار ہوگیا، اُس کے بعد آنے والوں نے یہ پالیسی ترک نہیں کی اور تشیع کو شدت کے ساتھ سرکوب کرتے رہے، انھوں نے اس کے کئی فیز بنائے۔ پہلے مجالس اور جلوسوں پر حملے شروع ہوئے، گرنیٹ بم مارتے تھے، کسی جگہ شیعہ ملتاتو اُس پر گولیاں برساتے تھے، آہستہ آہستہ یہ بریگیڈ منظم ہوتے گئے اور اِن کی کاروائیاں زیادہ منظم اور ماہرانہ ہوتی گئیں ، پہلے حملوں میں چار پانچ آدمی شہید کرتے تھے لیکن کرتے کرتے یہ بیسیوں آدمیوں کی شہادتوں تک پہنچ گئے!

# شیعہ سرکوبی مستقل حکومتی پالیسی

مختلف پارٹیوں کی حکومتیں آئیں لیکن شیعہ کو سرکوب کرنے کی اسٹریٹجی کسی نے ختم نہیں کی بلکہ اُس میں شدت آتی گئی اور پھر شیعوں کا محبوب لیڈر آگیا۔ یعنی پرویز مشرف جس کو پاکستان کے شیعہ امیر مختار کہتے ہیں ، جب پاکستانی شیعوں کایہ امیر مختار مشرف حاکم بناتو یہاں سے پھرخود کش حملے شروع ہوئے اور ابھی بھی شیعہ کشی و شیعہ سرکوبی کی اسٹریٹجی تبدیل نہیں ہوئی بلکہ اُس کے اندر شدت آئی ہے۔

پہلے دھماکوں اور ریمورٹ کنٹرول بموں سے مارتے تھے لیکن یہاں سے خود کش بمبار میدان میں اترے اور اُنھوں نے تباہی مچا دی۔ ظاہراً پہلا خود کش حملہ کوئٹہ میں جمعہ کی نماز سے شروع ہوا تھا، پھر اسکے بعدپاکستان کا کوئی شہراور کوئی خاندان محفوظ نہیں بچا۔ شیعہ سرکوبی کی اسٹریٹجی ابھی تک جاری ہے اور یہ ایک مستقل پالیسی کے طور پرجاری ہے اور ہزاروں خاندان لاکھوں شہید پیش کر چکے ہیں۔

# شیعہ کشی دہشتگردی نہیں !

تعجب کی بات ہے کہ شیعہ کشی کو یہ دہشت گردی میں شمار نہیں کرتے اور اس کاثبوت بھی موجود ہے، دہشت گردی کے واقعات کے بارے میں کالم نگار جو کالم لکھتے ہیں یا سرکاری طور پر بعض لوگ جب بیان دیتے ہیں کہ دہشت گردی کے واقعات اتنے ہوئے کہ پشاور سکول میں جو ہوا وہ دہشت گردی کا واقعہ ہے، صفورہ گوٹھ پر اسماعیلی بس پر حملہ دوسرا دہشت گردی کا واقعہ ہے اور فلاں سکیورٹی ادارے پر حملہ تیسرا دہشت گردی کا واقعہ ہے۔ مومنین آرٹیکل پڑھیں کہ دہشت گردی کے اوپر کسی بھی مضمون لکھنے والے نے ایک بھی ایسا واقعہ نہیں لکھا جس میں یہ پتہ چلے کہ شیعہ پر حملہ ہوا ہے، جیسے شکار پور میں حملہ ہوا، کوئٹہ میں قیامت مچی اور اسی طرح سے پشاور مسجدِ امامیہ میں واقعہ ہوا ہے، اشارتاً بھی کہیں پر کسی ایسے واقعے کا ذکر نہیں ملتا۔ پس اس کا مطلب ہے کہ شیعہ مارنا دہشت گردی نہیں بلکہ غیر شیعہ کو مارنا دہشت گردی ہے۔

# ہلالِ شیعی کا طلوع:

تشیع ابھی انقلاب کی شکل میں بیدار ہواتھا اور انقلاب نے ابھی تک ایران کی سرحدیں عبور بھی نہیں کی تھیں ، حتیٰ پاکستان میں بھی انقلاب کا کوئی عمل دخل نہیں تھا صرف انقلاب سے محبت کرنے والے تھے، اُس وقت سے ہی تشیع کی سرکوبی کا سلسلہ شروع کیا گیا لیکن آج وہ خود کہتے ہیں کہ تشیع کی طاقت کا ہلال دنیا میں طلوع ہوگیا ہے، یعنی کئی ملک ایسے ہیں جن کے اندر تشیع طاقتور ہوگیا ہے۔ ان میں پہلا ملک ایران، دوسرا لبنان، تیسرا سوریا، چوتھابحرین، پانچواں یمن اورچھٹا عراق ہے۔ ان ممالک کو اگر دنیا کے نقشے میں دیکھا جائے تو ہلال بنتا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ تشیع کی طاقت کا ہلال طلوع ہوچکاہے۔

# تشیّع کے خلاف عالمی سازش:

آج تشیع ایک طاقت ہے، ایک حقیقی طاقت ہے اور جب پتہ چل گیا کہ یہ طاقت سرکوب کی، لیکن نہیں ہوئی بلکہ بڑھ گئی ہے، اس کی سرکوبی کیلئے اب عالمی پلاننگ ہوئی، پوری فوج بنائی گئی، تکفیری لشکر بنایا گیا تاکہ اس ہلالِ شیعی کو ختم کیا جا سکے۔

تکفیری لشکر پر عرب ملکوں نے پیسہ لگایا، بندر بن سلطان کو اس کی ذمہ داری سونپی گئی اور اُس کے ساتھیوں نے مل کر یہ لشکر بنایا۔ دنیا کے نوے ممالک نے اس لشکر کو افرادی قوت دی ہے، ترکی نے اس کو راستہ بھی دیا ہے اور اس لشکر کو بنانے میں لاجسٹک سپلائی کے ساتھ ساتھ فنی مہارت بھی دی، ٹریننگ بھی ان کو دی ہے، چھائونی بناکر دی، کیمپ بناکر دیے، سعودی عرب نے جتنا اسلحہ خرید اتھا وہ آج سارا اِن کے پاس ہے۔ اسلحہ خریدنے کے لحاظ سے انڈیا پہلے نمبر پر تھا اور اب سعودی عرب پہلے نمبر پر آگیا ہے۔ یہ اسلحہ کہاں ہے؟ سعودی عرب میں اتنا اسلحہ سنبھالنے کیلئے جگہ بھی نہیں ہے، یہ سارا اسلحہ تکفیری لشکر کے پاس ہے۔

# شیعہ مقدسات کی نابودی کا منحوس خواب:

جتنا بھی اسلحہ اور جنگی مشینری عرب امارات اور قطر نے خریدا وہ اِن کے پاس ہے ترکی نے ان کو دل کھول کر مدد کی، کس لئے؟ تا کہ شیعہ کو سرکوب کیا جا سکے۔ کس طرح سے سرکوب کریں ؟ نہ اس طرح کہ ان کے افراد کو قتل کریں ، ان کی مجالس اور ان کے جلوس درہم برہم کریں ، بلکہ ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں ، عراق نامی شیٔ ہی نہ ہو، کربلا نامی کوئی شہر نہ ہو، نجف نامی کوئی شہر نہ ہو، ان کے مزار اور حرم نہ ہوں۔ مشہد ایران کے اندر ہے اور اس مدد سے اس لشکر میں اتنی خود اعتمادی آئی کہ انھوں نے اعلان کیا تھاکہ ہم مشہد کو فلاں تاریخ کو جاکر ملیامیٹ کر دیں گے۔

یہ تکفیری لشکر آج دنیا کی طاقتور ترین فورس بن گیا ہے۔ ضیاء الحق نے شیعہ کو سرکوب کرنے کی جو اسٹریٹجی بنائی تھی وہ آج عالمی شکل اختیار کر گئی اور پاکستان کے بارے میں دہشت گردوں کے سرغنوں نے پاکستان کے میڈیا میں یہ کہا ہے کہ پاکستان کے شیعہ اب اٹھنے کے قابل نہیں ہیں ، ہم نے ان کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی ہے۔

شہید حسینی ؒ اس راہ میں شہید ہوئے لیکن ضیاء الحق کا منحوس منصوبہ ختم نہیں ہوا۔ شہیدتشیع کے دفاع، محافظت، عظمت، بیداری اور سرفرازی کے جرم میں شہید ہوئے اور یہ ان کا فیصلہ ہے کہ جو بھی تشیع کو بچانے اور بیدار کرنے کی کوشش کرے گا اُسے راستے سے ہٹا دیں گے۔

# اتّحادِ امت کے بے مثال داعی:

شہید حسینی ؒ پاکستان کے پُر امن ترین انسان تھے، جس کے دل میں کسی مسلمان کیلئے نفرت نہیں تھی، آپؒ وہ ہستی تھے جنھوں نے اپنی زندگی کی خلوتوں میں بھی کبھی کسی مذہب کے مقدسات کی توہین نہیں کی، اس قدر مہذب انسان تھے۔ آپؒ نے اتحادِ مسلمین کیلئے عملی طور پر قربانیاں پیش کیں ، آپؒ ہر سطح پر ہرسطح کے لوگوں سے ملے شہید ؒ کا گناہ کیا تھا؟ گناہ یہ نہیں تھا کہ فرقہ واریت میں تھے۔ شہید کا دور دور تک فرقہ واریت سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ شہید حسینیؒ فرقہ واریت کے سخت ترین مخالف تھے۔ پاکستانی قوم کو امام خمینی ؒ کا یہ جملہ شہید حسینی ؒ نے سکھایا ہے جو آج ہر ایک کی زبان پر ہے کہ جو شیعہ اور سنی میں اختلاف ڈالتا ہے وہ نہ شیعہ ہے اورنہ سنی بلکہ وہ دشمن کا ایجنٹ ہے۔ شہید حسینی ؒ نظریۂ اتحاد کے مروّج تھے۔ آپؒ دیگر مسالک کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں پہل کرتے تھے، آج بھی وہ علماء شہید حسینیؒ اور اُن کی پاکیزگی کو یاد کرتے ہیں۔

شہید حسینی ؒ کا فرقہ واریت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ آپؒ کی حفاظتی سکوارڈمیں فقط ایک گارڈ تھا، جب آپ پر حملہ ہوا تھا تواُس وقت آپؒ نے اس گارڈ کو بھی کسی کام سے باہر بھیجا ہوا تھا، دہشت گرد بڑی آسانی سے آئے اور ایک قوم کے رہبر کو مار کر چلے گئے۔ کیا یہ بات نہیں بتاتی کہ شہید حسینی ؒ کا اسلحہ سے کوئی تعلق نہیں تھا؟ دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں تھا؟ اور شہید حسینی ؒ کا کوئی لشکر نہیں تھا۔

# دشمن انقلابی بیداری اور وحدت سے خوفزدہ !

روئے زمین پر کوئی بشرکوئی پاکستانی سرکاری یا غیر سرکاری شخص آج ثبوت کے ساتھ کوئی ایک جگہ پر بیان کرے کہ شہید حسینیؒ نے یہاں پر جو بیان دیا تھا وہ فرقہ ورانہ تھا، ہرگز ایسا ثبوت نہیں ملے گا۔ پھراس پاک دامن شخصیت کو کیوں شہید کیا؟ سب کو پتہ تھا کہ یہ دہشت گرداور فرقہ پرست نہیں ہیں ، سب کو معلوم تھا کہ یہ شیعہ ہوتے ہوئے ہر مسلمان کے لئے دلسوز ہے، ہر مسلمان کیلئے دل جلاتاہے، ہر مسلمان کی محافظت کرتا ہے، ہر مسلمان کیلئے بات اٹھاتا ہے اور ہر حادثے میں پہنچ جاتا ہے

کراچی میں جب قومی جھگڑے شروع ہوئے اور بستیوں کی بستیاں جلا دی گئیں تو شہید حسینی ؒوہ واحد شخصیت تھے جو وہاں تشریف لے گئے حالانکہ وہاں کے متأثرین میں ایک بھی شیعہ نہیں تھا۔ وہاں جاکر اُن سوگوار لوگوں کو تسلیت و تعزیت پیش کی اور اُن کے زخموں پر مرہم رکھا۔

درحقیقت شہید حسینیؒؒ جو کام کر رہے تھے وہی ان کو چبھتا تھا اور وہ انقلابی بیداری اور آگاہی تھی۔ آپ مسلمانوں کو بیدار کرتے تھے اور اصلی دشمن سے ہوشیار کرتے تھے اور پھر وحدت و اتحاد بین المسلمین پر زور دیتے تھے، اُن قاتلوں کی نظروں میں یہ شہید کے جرائم تھے، آج وہ اسٹریٹجی بارہا درجے بڑھ گئی اور موجود ہے۔

# شیعہ کشی ناقابل سزا جرم

یہ حرکت جو سرکوبی ٔ تشیع کیلئے ہے جس نے عالمی شکل اختیار کرکے تکفیری لشکر بنالیاہے یہ پاکستان میں اُسی طرح سے قائم ہے اور تعجب کی بات ہے کہ شیعہ کشی کو دہشت گردی میں شمار نہیں کیا جاتا۔ جس نے میڈیا کے سامنے شیعوں کے قتلِ عام کا اقرار کیا ہو اُسے بھی باعزت بری کیا جاتا ہے۔ وہ ملعون ملک اسحاق جو کچھ عرصہ پہلے پولیس مقابلے میں اپنے ساتھیوں سمیت مارا گیا، یہ شیعہ قتل کا مجرم تھا، شیعہ بہت خوش ہوئے کہ الحمدللہ ایک مجرم مارا گیا، آپ کس بات پر خوش ہوتے ہو؟ کوئی فرد بھی اگر شیعہ کشی کے جرم میں نہ پکڑا جاتا، نہ مارا جاتا کوئی افسوس نہیں تھا، یہ ایک قاتل جو سب سے بڑا جنایت کار ودرندہ تھا، یہ شیعہ کشی کا مجرم تھا لیکن جب مارنے کا وقت آیا تو اس کو شیعہ مجرم بناکر قتل نہیں کیا گیا! کیوں کہ اگر ہم یہ کہہ کر اس کو قتل کریں کہ اس نے شیعہ مارے ہیں تو شیعہ کشی جرم شمار ہوگا! اس کا مطلب ہے کہ شیعہ مارنا جرم ہے اور جو یہ جرم کرے گا اُسے ہم ماریں گے، اُسے شیعہ کشی کے جرم میں نہیں مارا گیا بلکہ پولیس مقابلے میں ماراگیا۔ یعنی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ پولیس مقابلہ کرنا جرم ہے لیکن شیعہ مارنا جرم نہیں ہے۔

# مجرم کے اعتراف کے سامنے عدالت کی بے بسی!

جو جج کے سامنے کہتا ہے کہ میں نے اتنے شیعہ مارے ہیں اور میں باہر جاکر پھر ماروں گا، جج اس کو باعزت بری کرتا ہے، کیوں بری کرتا ہے؟ چونکہ جج کو کہتا ہے کہ مجھے پتہ ہے کہ تیرے بچے کہاں پڑھتے ہیں ؟ اور مجھے پتہ ہے کہ تیرے بھائی کا کاروبار کہاں ہے؟ پھر جج کیسے جرأت کرے اور شیعہ کے قتلِ عام کے جرم میں اسے سزائے موت دے۔ ابھی فوجی عدالتیں بنی ہیں ، اس کوانہی میں لے کر آتے، فوجی عدالت کے حوالے کرتے اور فوجی عدالت اس پر کیس چلاتی اور ایک ایک کیس کھولتی کہ فلاں فلاں شیعوں کو تم نے مارا ہے اور تمہیں ہزار شیعوں کے قتل کے بدلے میں پھانسی دی جاتی ہے۔ یہ پاکستان کے اندر ریکارڈ ہوتا لیکن ایسا نہیں ہوا! نہ ہونے کابھی ایک معنی ہے، وہ یہ ہے کہ شیعہ کشی دہشت گردی نہیں ہے، شیعہ مارنا دہشت گردی نہیں ہے، کیوں کہ یہ تو حکومتی پالیسی ہے جبکہ تشیع کی سرکوبی کا عالمی منصوبہ بھی موجود ہے۔

# جنایت خیانت کے بغیرنا ممکن

جہاں بھی کوئی جنایت ہوتی ہے وہاں ساتھ خیانت بھی ضرور ہوتی ہے۔ جنایت کبھی خیانت کے بغیر نہیں ہو سکتی، خیانت کے بغیر جنایت کرنا نا ممکن ہے۔ جنایت یعنی وہ جو ظالم کرتا ہے اور خیانت یعنی وہ جو اپنا کرتا ہے۔

اُس زمانے کے علماء جو شہید ؒ سے آشنا تھے اُن کا اعتراف ہے کہ ہم نے ایسی پاکیزہ ہستی کبھی بھی کسی مسلک میں نہیں دیکھی، اتنے پاک اور نفیس انسان تھے۔ اس شخصیت کو اس جرم میں قتل کیاگیا کہ یہ ملت کوبیدار، آگاہ اور آشنا کرتے تھے اوراتحاد کی تلقین کرتے تھے۔ ایسے شخص کیلئے آخری راستہ موت ہے۔ علامہ اقبالؒ کے بقول کہ

اقبالؒ کے نفس سے ہے لالہ کی آگ تیز

ایسے غزل سراء کو چمن سے نکال دو

ایسا غزل سرا چمن میں نہیں چاہئے جو گلِ لالہ کی آگ کو تیز تر کر دیتا ہے، یعنی گلِ لالہ کے جذبے اورولولے بڑھا دیتا ہے۔ شہید حسینیؒکو بھی اسی جرم میں مار دیاگیا۔ شہید حسینی ؒ کے زمانے میں ایسے افراد تھے جو ضیاء الحق کے ساتھ ملے ہوئے اوراس کی شوریٰ میں تھے۔

# الٰہی نمایندے کا استقبال،و طاغوت کا انکار!

پوری پاکستانی قوم جانتی ہے کہ ضیاء الحق کی حکومت کے زمانے میں رہبرِ معظم دام ظلہ العالی جب ایران کے صدر تھے تو پاکستان کا ایک تاریخی سفر کیا اور اسلام آباد ائیر پورٹ پر رہبرِمعظم دام ظلہ العالیٰ کا بحیثیت صدر اسلامی جمہوری ایران تاریخی استقبال ہوا۔ ضیاء الحق اس کامیزبان تھا اور اُس کیلئے انھوں نے سب کو دعوت دی ہوئی تھی کہ آئیں اور صدر کا استقبال کریں۔ راولپنڈی اور اسلام آباد کے درمیان سب انسان ہی انسان تھے، استقبال کرنے والوں میں شیعہ بھی تھے، سنی بھی تھے اور ہر طبقہ تھا۔ شہید حسینی ؒبھی اپنے امام ؒ کے نمائندے کا استقبال کرنے کیلئے گئے، اُس وقت امام خمینیؒ رہبر تھے اور رہبرِ معظم، امامؒ کے نمائندے کی حیثیت سے آئے تھے۔ شہید حسینیؒاستقبال کرنے کیلئے گئے، ضیاء الحق نے چاہا کہ شہید ؒ ائیر پورٹ کے اندر وی آئی پیز کی صف میں کھڑے ہوں۔ جہاز کے تھوڑے فاصلے پر ضیاء الحق پہلی صف میں خودکھڑا تھا، اس کے پیچھے باقی ملکی اعلیٰ سطح کی فوجی اور سول شخصیات تھیں اور اُس میں شیعہ و سنی علماء بھی تھے، شہیدؒ جب پہنچے اور ضیاء الحق کو جب اطلاع دی گئی کہ شہید حسینی ؒ بھی آئے ہوئے ہیں تو اُس نے چاہا کہ وہ ائیر پورٹ کے اندر آکر ضیاء الحق کے ساتھ کھڑے ہوکر صدر کا استقبال کرے۔ ضیاء الحق اور اُس کی ٹیم نے پوری کوشش کی کہ شہیدؒ آکر صرف استقبال کیلئے کھڑے ہوجائیں لیکن شہیدؒ نے ان کے ساتھ کھڑا ہونا بھی پسند نہیں کیا۔ شہید ؒ نے کہا کہ میں الٰہی نظام کے نمائندے کا استقبال طاغوت کی صف میں کھڑا ہوکر نہیں کروں گا بلکہ میں عوام کے ساتھ کھڑا ہوں گا۔

# طاغوت کا قرب، خیانتکاروں کا شیوہ:

آپ نے ائیر پورٹ کے باہر سڑک کے کنارے پبلک کے اندر کھڑے ہوکر اُس وقت کے رہبر کے نمائندے کا استقبال کیا اور طاغوت کے ساتھ کھڑا ہونا پسند نہیں کیا، طاغوت کے ساتھ اپنی تصویر بننے نہیں دی لیکن اُسی وقت جب شہید ؒ باہر کھڑے تھے تو کچھ لوگ اندر کھڑے تھے اور کچھ لوگوں کیلئے ضیاء الحق کے ساتھ کھڑا ہونا فخر تھا، ضیاء الحق کی شوریٰ میں جانا، ضیاء الحق کے سسٹم میں جانااور ضیاء الحق کے ساتھ فوٹو بنانا فخر سمجھتے تھے، ابھی بھی اگر بعض مومنوں کے گھروں میں جائیں تو ضیاء الحق سے گفٹ لیتے ہوئے تصویر یں نظر آئیں گی۔

وہ منحوس انسان جو بندر بن سلطان سے زیادہ منحوس تھا، جو ان دہشت گردوں سے زیادہ منحوس تھا چونکہ یہ دہشت گردی کا باپ تھا، جس نے یہ شجرۂ خبیثہ گاڑھا اُس کے ساتھ اُسی وقت شہید ؒ کے ہوتے ہوئے بعض جاکر تصویری سیشن میں فوٹو بنواتے تھے اور وہ فوٹوآج بھی یادگار کے طور پر اُن کے پاس موجود ہیں۔ جبکہ شہید ؒ نے اُس کے ساتھ کھڑا ہونا بھی پسند نہیں کیا۔

# امام خمینی ؒ کا درد بھرا جملہ!

پس یہ جنایت کیوں ہوئی؟ شہیدؒ کا قتل کیوں ہوا؟ شہیدؒ کی شہادت کیوں ہوئی؟ چونکہ ایک جنایت کارموجودتھا اور اس کے ساتھ بعض خیانت کار بھی تھے، اس لئے امام خمینیؒ نے شہید حسینی ؒ کی شہادت کی مناسبت سے ملتِ پاکستان کو پیغام دیا اور اُس پیغام میں امام خمینی ؒ نے فرمایا کہ اگر یہ حقیقت مدرسے، حوزے اور علماء، لوگوں کو بتا دیتے کہ ایک دین کے اندر دو متضاد راستے نہیں ہو سکتے تو یہ شہیدؒ آج زندہ ہوتا۔

یہ امام خمینی ؒ کا جملہ ہے، یہ امام خمینی ؒکی ایف آئی آرہے جو امام ؒ نے شہیدؒ کے قاتل بتائے ہیں کہ کس طرح سے آپؒ شہیدہوئے، یعنی صرف جنایت کو نہ دیکھو بلکہ ساتھ خیانت کو بھی دیکھوکہ ایک دین کے اندر دو متضاد راستے کیسے ہو سکتے ہیں ؟ کہ یہ جانی، یہ جنایت کار اور یہ قاتل جس نے شیعہ کشی کی اسٹریٹجی بنائی ہے اور آج تک چل کر اُس میں شدت آگئی ہے، یہ طاغوت اس قابل ہے کہ کسی بھی مصلحت کی خاطر اس کو قبول کیا جائے؟ یہ خیانت تھی!

# آخر شہید ؒ کا جرم کیا تھا؟

شہید حسینی ؒ کو اس وجہ سے نہیں مارا گیا کہ نعوذباللہ وہ فرقہ پرست تھے یا وہ فرقوں کی بات کرتے تھے، وہ شخص جس نے تاریخی ریکارڈ قائم کیا ہے کہ زندگی بھر کبھی فرقہ ورانہ بات زبان سے نہیں نکالی اور جتنی ہماری شناخت ہے اُس کے مطابق نہ صرف زبان پرنہیں بلکہ اُن کے دل میں بھی یہ بات نہیں تھی، اُن کے دل و دماغ میں بھی فرقہ پرستی نہیں تھی اور وہ ہستی جس نے ہر گز کبھی مسلمانوں کے قتل کاکوئی اشارہ تک نہیں دیا، بلکہ کسی بھی بہانے سے کسی کا قتل جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ایسی شخصیت کو کیوں مار دیا؟ اس جر م میں مارا کہ طاغوت کو ایک لحظے کیلئے برداشت نہیں کرتے تھے، طاغوت کے ساتھ کھڑے ہوکر فوٹو بنانے کیلئے تیار نہیں تھے، طاغوت کے ساتھ کھڑے ہوکر اپنے عزیز ترین مہمان کا استقبال کرنے کیلئے بھی تیار نہیں تھے۔

# شہید ؒ کی رہبر معظم سے ملاقات:

اُدھر دلچسپ واقعہ یہ ہوا کہ ظاہر ہے کہ ایک پاکستان کا پریذیڈنٹ تھااور دوسراپریذیڈنٹ ایران کا تھا، ضیاء الحق نے ایک گاڑی منگوائی اور اُسی میں دونوں پریذیڈنٹ بیٹھے جو پروٹوکول گاڑی ہوتی ہے، جس کے دائیں بائیں فوج اورپولیس پروٹوکول گاڑی میں لے کر جارہے ہیں اور عوام دائیں بائیں جھنڈیاں ہلا رہے ہیں اور جب یہ گاڑی پبلک کے اُس ہجوم سے گزری جس میں شہید ؒ سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے تھے اور جوں ہی رہبرمعظم کی نگاہ شہید حسینی ؒ پر پڑی تو فوراً گاڑی رکوالی، گاڑی رکواکر دروازہ کھول کے شہید حسینی ؒسے سلام لیا اور پوچھا کہ آپ یہاں تھے؟ فرمایا کہ جی! میں یہیں پر آپ کا استقبال کر رہا تھا۔ بہرکیف چونکہ وہ پروٹوکول گاڑی تھی وہاں سے آگے نکل گئی پھر بعد میں شہید حسینی ؒ نے جاکر اُن سے الگ سے ملاقات کی جس کی تصویریں بھی موجود ہیں۔

# شہادت کی اصل وجہ طاغوت شکنی:

شہید ؒ کے اندر طاغوت شکنی تھی، شہید کو کبھی بھی طاغوت قبول نہیں تھا اس لئے یہ طاغوت بہت بگڑا ہوا تھا۔ خود شہید ؒ فرماتے ہیں کہ ضیاء الحق نے اُس وقت کے ایران کے وزیر خارجہ سے گلہ اور شکوہ کیا کہ یہ آدمی آپ کا ہے اور آپ کے گُن گاتا ہے لیکن پاکستان میں یہ ہمیں تنگ کرتا ہے، آپ ان کو سمجھائیں ! ایرانی وزیر خارجہ نے آکر شہید حسینی ؒ سے کہا کہ ضیاء الحق نے آپ کا شکوہ کیا ہے، تو شہیدؒ نے کہا کہ آپ ان کے ساتھ اپنے سیاسی تعلقات رکھیں ، آپ ایک مملکت رکھتے ہیں یہ بھی ایک مملکت رکھتاہے، ہم آپ کو یہ نہیں کہتے کہ آپ کیا کریں لیکن ہمیں پتہ ہے کہ یہ کیسا منحوس اور درندہ صفت انسان ہے! اور یہ کیا کیاظلم وستم کرتا ہے! یعنی ایک ڈپلومیٹ کی نصیحت کے باوجود شہیدؒ نے فرمایا کہ ہمیں پتہ ہے کہ یہ کیسا طاغوت ہے؟ آپ اپنی ڈپلومیسی کریں ، اپنے سفارتی تعلقات رکھیں ہمیں اُس سے کوئی سروکار نہیں ہے!

شہید ؒ کا یہ اصل جرم طاغوت کے سامنے تسلیم نہ ہونا اور طاغوت کے ساتھ کھڑا نہ ہو ناتھا اور اسی لئے طاغوت نے بھی یہ فیصلہ کیا کہ

ایسے غزل سراء کو چمن سے نکال دو

شہیدؒ کی شہادت کی یہ وجہ تھی اور پھر شہیدؒ کی شہادت نے تشیع کو بیدار کیالیکن تشیع کی سرکوبی کا عمل شدت اختیارکرتا کرتا آج یہاں آپہنچا ہے۔ شہیدؒ کے زمانے سے جوسرکوبی کی اسٹریٹجی بنی تھی وہ آج بہت طاقتور ہوگئی، جنایت بڑھ گئی اور خیانت بھی بڑھ گئی ہے۔

# تشیع کی سرکوبی کا داعشی مرحلہ:

شہیدؒ کے زمانے میں جنایت کار چھوٹے تھے اور آج بڑے جنایت کار ہیں اور شہیدؒ کے زمانے میں خیانت کار بھی چھوٹے تھے لیکن آج کی خیانت اُس سے بڑھ کر ہے۔ آج اُن کی خیانت فقط افراد تک محدود نہیں ہے بلکہ پورے مکتبِ تشیع کی جڑ کاٹنے کیلئے خیانت کر رہے ہیں ، صرف اس لئے کہ کسی طاغوت کے ساتھ فوٹو سیشن کا موقع مل جائے، کسی طاغوت کی قربت ومصاحبت انھیں نصیب ہوجائے یہ نہیں ہے بلکہ بڑی سے بڑی خیانت کرنے سے نہیں ٹلتے۔

آج کے خیانت کار اُن خیانت کاروں سے بہت آگے نکل گئے ہیں جو اُس زمانے میں موجود تھے اور آج کے جنایت کار تو بہت ہی مضبوط ہیں کہ تشیع کو عالمی سطح پر سرکوب کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ آج شیعوں کے گلے کاٹتے ہیں ، زندہ آگ لگاتے ہیں اور آبادیوں کی آبادیاں ویران کر رہے ہیں ، آج تشیع کی سرکوبی کی اسٹریٹجی داعشی مرحلے میں داخل ہوگئی ہے اور خیانت بھی اُسی سطح تک پہنچ گئی ہے۔

# شہیدؒ کی راہ کو زندہ رکھیں !

ملکی وعالمی واقعات وحالات سب کے مدنظر ہیں ، لہٰذاجذبات کے ساتھ ساتھ ذرا ہوشیاری اور آگاہی کی بھی ضرورت ہے۔ امام خمینیؒ نے فرمایا تھا کہ شہید ؒ کی راہ کو زندہ رکھو! شہیدؒ کی راہ خود امامؒ کی اپنی راہ ہے، شہیدؒ کی راہ کی بڑی خصوصیت امتِ مسلمہ کے اندر اتحاد اور وحدت قائم کرنا ہے، شہیدؒ کی راہ کی موٹی خصوصیت شیعہ و سنی کی اخوت و برادری ہے، شہیدؒ کی راہ کی خصوصیت طاغوت سے دوری اور طاغوت پرستی سے اجتناب ہے

’’…فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ…‘‘ (البقرۃ : ۲۵۶)

شہید ؒکی فکر کی خصوصیت قوم کی بیداری اور آگاہی ہے، شہید کی فکر کی خصوصیت انقلابِ اسلامی و نظامِ ولایت کی پیروی ہے، شہیدؒ کی فکر کی خصوصیت پاکستان اورپاکستانی ملت کی سا لمیت اور پاکستان سے وفاداری ہے۔ شہیدؒ کی فکر کی یہ خصوصیات ہیں جنھیں امامؒ نے کہا ہے کہ زندہ رکھو؟

# شہید ؒ کی شان میں گستاخی:

سننے میں آتا ہے کہ بعض ایسے گستاخ لوگ ہیں ، چند روز پہلے کسی نے شہیدؒ کے بارے میں یہ جملہ نقل کیا کہ میں نے کسی ایسے شخص کو شہید حسینیؒ کا تعارف کروایا جو حکومت میں کسی بڑی پوسٹ پر رہا ہے، اُسے میں نے جب شہیدؒ کا تعارف کروایا تووہ پوچھنے لگا کہ کون عارف حسین؟ وہی جو ایران کا ایجنٹ تھا؟ آج پاکستان کے اندرایک نام نہاد شیعہ کو ایک فرد شہید حسینیؒ کا تعارف کرواتاہے اور وہ آگے سے کہتا ہے کہ کون عارف حسین؟ وہی جو ایران کا ایجنٹ تھا؟ اُس نے شہید ؒ کو ایران کا ایجنٹ کہا!

# شہید ؒ کی مظلومیت:

شہید حسینیؒ بہت مظلوم شخصیت ہیں ، شہید حسینی ؒ کے وہ مظلومانہ جملے دہرائے جانے چاہئیں اور جوانوں کو وہ مظلومانہ جملے یاد ہونے چاہئیں۔ جب آپؒپاکستان کے کسی شہر میں گئے تو لوگوں نے پوچھا کہ آپ چار سال سے قوم کے قائد ہیں ! آپؒ نے قوم کیلئے کیا کیا ہے؟ آپؒ نے فرمایا کہ میں نے ان چار سالوں میں اس قوم کو ثابت کروایا ہے کہ میں بھی شیعہ ہوں ! اپنی قوم کو قائد یقین دلا رہا ہے کہ میں بھی شیعہ ہوں۔ اس جملے سے کیا سمجھا جا سکتا ہے؟ یہ کس دل اور کس زبان سے نکلا ہے؟ اس جملے کا پسِ منظر کیا ہے؟ اس قائد کے ساتھ کیا ہوا ہوگا؟ قوم اس کے بارے میں کیانظریہ رکھتی تھی؟ جو یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے چار سال میں اپنے آپ کو یہ ثابت کیا ہے کہ میں بھی شیعہ ہوں !

شہید حسینیؒ وہ مظلوم رہنماء، قائد و رہبر تھے کہ آپؒکسی مناسبت سے کراچی گئے ہوئے تھے تو ایک مسجد یا ایک امام بارگاہ میں نماز پڑھنے کیلئے گئے، جب وہاں پہنچے تو مسجد کو تالا لگا دیا گیا، شیعہ مسجدپر تالا لگا دیا گیا کہ آپؒ یہاں پر نماز نہیں پڑھ سکتے، آپؒ نے وہیں پر قریب ہی کسی مومن کے گھر میں جاکر نماز پڑھی۔ یہ حقائق جوانوں کو معلوم ہونے چاہئیں۔ یہ اُس بزرگوار کی مظلومیت تھی لیکن اُن کی شہادت نے قوم کو زندہ کیا، قوم کو متحد کیا، قوم کو بیدار کیا اور قوم کو جھنجوڑا۔ دشمن نے پھر بھی اپنا وار کیا اور کر رہا ہے!

# آج کے حالات اور فکرِ شہیدؒ کا احیاء:

آج شہید حسینی ؒ کی راہ کی ضرورت ہے اور اُس فکر کی ضرورت ہے، اُسی سے قوم نجات پائے گی۔ چونکہ تشیع کو جو چیلنجز درپیش ہیں وہ شہید حسینیؒ کا زمانہ ابتداء تھی آج وہ ہر چیز اپنے عروج پر ہے۔ اُس وقت انقلاب ابتداء میں تھا اور آج انقلاب اپنے عروج پر ہے، اُس وقت تشیع کا نظام ابتداء میں تھااور آج اپنے عروج پر ہے، اُس وقت دشمن کمزور تھا آج دشمن بھی اپنے عروج پر ہے، اُس وقت شیعہ کشی اور شیعہ سرکوبی کی منحوس تحریک ابتداء میں تھی اورآج وہ بھی اپنے عروج پر پہنچ گئی ہے، دشمن اور دشمنی اپنے اوج پر ہے اور تشیع کی عظمت بھی اپنے اوج پر ہے اور آج بیداری بھی اوج پر ہے لہٰذااُس فکر کوبھی اپنے اوج پر پہنچانے کی ضرورت ہے جو شہیدؒ نے میراث کے طور پر اپنی ملت، اپنی قوم اور اپنے جوانوں کیلئے چھوڑی تھی، کسی بھی حال میں شہیدؒ سے لاتعلقی نہیں ہونی چاہئے۔

# ملت کے اندرجدّ کی کمی:

ہم سنجیدہ ہوں ، تمام ملت اور جوانوں سے درخواست ہے کہ سنجیدہ ہوں ، اپنے اندر جِدّ پیدا کریں۔ امام علی ؑ کا فرمانا ہے کہ

علیکم بالجدّ والاجتہاد (وسائل الشیعہ ج:۱ص:۹۲)

جد اور کوشش اختیار کرو؟ ہمارے اندر سب سے بڑی کمی سنجیدگی کی ہے اور خصوصیت کے ساتھ آج تشیع کو سب سے زیادہ سنجیدگی کی ضرورت ہے۔ جِد ارادے کو کہتے ہیں ، جِد گہری نگاہ اورمقصد کے تعین کو کہتے ہیں ، جِد اُس مقصد کی طرف ایک راہ مسلسل طے کرنے کو کہتے ہیں۔ جس طرح امیرالمومنین ؑ خدا وندتعالیٰ سے یہی مانگتے ہیں کہ

ربّ ھب لی الجدّ

اے خدا! مجھے جِد عطا فرما!

جس دن ہمارے اندر جد آگئی، یعنی سنجیدگی اور پختگی آگئی، ہم سمجھیں کہ راہِ شہید حسینی ؒ کو آگے بڑھا سکتے ہیں چونکہ شہیدحسینی ؒ میں یہ صفت بہت نمایاں تھی۔ اگر پاکستانی شخصیات سے ملیں تو اُن کے اندر بہت سارے کمالات نظر آئیں گے لیکن جِد اور سنجیدگی کی کمی نظر آئے گی۔ شہید حسینی کے اندر جِد اپنے اوج پر تھی، راہِ شہید و فکرِ شہید اس صفت کے ساتھ ہی ہم طے کر سکتے ہیں۔

# پتے جھاڑنے سے دہشت گردی ختم نہیں ہوتی:

آج شیعہ کشی اور شیعہ سرکوبی جہاں جا پہنچی ہے اُس کیلئے تشیع کی آمادگی اور بیداری پہلے سے کہیں زیادہ ضروری ہے اور تشیع کی بقاء کیلئے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اتحاد و اتفاق لازمی شرط ہے، تشیع فرقہ بناکر دوسرے فرقوں سے ٹکرانے سے شیعہ نہیں بچ سکتا، یہ راہ غلط ہے، اس راہ پر نہیں چلنا، یہ شہیدؒ کی راہ نہیں ہے۔ آج رہبرِ معظم مد ظلہ العالی اسی بات کی تاکید کرتے ہیں اوریہ اِس وقت پاکستان کی بنیادی ضرورت ہے۔ جس طرح سے یہ دہشت گردی کو ختم کرنا چاہتے ہیں اس طرح سے کبھی دہشت گردی ختم نہیں ہوتی، یعنی پتے جھاڑنے سے دہشت گردی ختم نہیں ہوتی بلکہ جڑیں کاٹنے سے دہشت گردی ختم ہوتی ہے۔

دہشت گردی کی جڑیں اُس راہ سے کٹیں گی جو شہید حسینیؒ نے پیش کی یعنی امام خمینیؒ کا راستہ اس کا اصل راستہ ہے۔ شہید حسینی ؒ درحقیقت پاکستان کے اندر امام خمینیؒ کی راہ کے میسنجر تھے، راہِ شہیدیہ نہیں تھی کہ آج ہر آدمی جو کچھ کر رہا ہے اُسے راہِ شہید ؒ سے منسوب کرتا ہے، جیسے نسوار اور پان کا کھوکھا بناکراوپر اقبال پان شاپ یا اقبال نسوار شاپ لکھا جاتا ہے، اقبالؒ تو پان اور نسوار نہیں بیچتے تھے۔ یہ راہیں اقبالؒ کی راہیں نہیں اور نہ ہی یہ فکر اقبالؒ کی فکر ہے۔

# شہید حسینیؒ کی بے نظیر شخصیت:

ہم شہید حسینی ؒ کا نام ہر حرکت کے اوپر فٹ کر کے پھر کہتے ہیں کہ یہ راہِ شہید حسینی ؒ ہے۔ طاغوت سے دوستی راہِ شہید حسینیؒ نہیں ہے، شہید حسینیؒ کو صرف اس وجہ سے شہید کیا گیا کہ وہ طاغوت کے ساتھ کھڑے نہیں ہوئے ورنہ شہید حسینیؒ جیسی شخصیت ڈھونڈنے سے نہیں ملتی، اس کا اعتراف قاتل بھی کرتے ہیں۔ جن قاتلوں نے آپؒ کو شہید کیا تھا، انھوں نے یہ اعتراف کیا کہ ہم جب مار رہے تھے تو ہمیں پتہ نہیں تھا کہ یہ کون ہے؟ جب دوسرے دن اخبار میں آیا تو ہمیں پتہ چلا کہ ہم نے کتنا بڑا جرم کر دیا ہے۔ پہلے دن چونکہ کرایہ دیا گیا تھا کہ ایک مولانا ہے اُس کو مارنا ہے لیکن جب دوسرے دن اخبار میں آیا تو اُس دن ندامت ہوئی کہ ہم نے یہ کس ہستی کو مار دیا! ظاہر ہے کہ شہید حسینیؒ کوصرف اس وجہ سے مارا گیا کہ عالمی طاغوت اور ملکی طاغوت کو تحمل نہیں کر تے تھے۔ جو اتنا بھی تحمل نہیں رکھتا اُ س کیلئے یہ حکم ہے کہ ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دیا جائے۔ وہ غزل سرا چمن سے نکل تو گیا لیکن اُس کی غزل باقی ہے، اُس کی غزل کے مصرعے، مطلع، مقطع، اہنگ، دھن اورلفظ لفظ باقی ہے۔

# فکر ِ شہید ایک نسل کی منتظر!

جس طرح اقبالؒ اس دنیا سے چلے گئے لیکن اقبالؒ کی راہ، فکر اور روح باقی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ روح اقبالؒ اورروحِ شہید حسینیؒ کسی جسدیا قالب کے اندر آ جائے تاکہ اُس جسد کے اندر داخل ہو اور اُس کے اندر وہی تڑپ پیدا کرے جو شہیدؒ اور اقبالؒ کی روح میں تھی۔ شہیدؒ کی روح ہم سے فاتحہ کم مانگتی ہے بیداری و ہوشیاری زیادہ مانگتی ہے۔ شہیدؒ کی روح ہم سے یہ تذکرے کم طلب کر رہی ہے لیکن ہماری آمادگی کی زیادہ طلب گار ہے چونکہ شہید ؒ کا زمانہ اور آج کے زمانے میں دیکھیں تو ہر چیز اپنے اوج پر ہے، اس لئے آج ہر بدن، ہر جسم اور ہر جوان میں روحِ عارف حسینؒ ہونی چاہئے، شہیدؒ کا مطالبہ بھی یہ ہے۔

اقبالؒ یہی آرزو کر کے دنیا سے چلے گئے کہ

اے بسا شاعر کہ پس از مرگ زاد

اے بسا وہ شاعر جو اپنی موت کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اقبالؒ نے کہا تھا کہ میں ایک دفعہ پھرجنم لوں گا لیکن ہندوئوں والا جنم نہیں ، یعنی جسم کے ساتھ جنم نہیں لوں گا بلکہ میں ایک دفعہ پھر ایک نسل کی صورت میں پیدا ہوجائوں گا۔ میں فکر، بیداری، تڑپ اوردرد بن کر ایک پوری نسل کے اندر پیدا ہوں گا جوکہ میرا حقیقی جنم ہوگا۔ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ میں اُس نسل کا منتظر ہوں جو آئے، جس کی قلب و روح میں دوبارہ میں زندہ ہوجائوں۔

شہید حسینی ؒ شہید ہوگئے لیکن عارفِ حسینیؒ نے پھر زندہ ہونا ہے، کس طرح سے زندہ ہونا ہے؟ پاراچنار میں جسم کے ساتھ پیدا ہوکر نہیں بلکہ اپنی فکر، اپنی روح، اپنا درد اور اپنی تڑپ ایک نسل کے اندر پیدا ہوکر جنم لینا ہے جو اپنے آپ کو راہِ شہید حسینیؒ کے لئے تیار کر رہی ہو۔

انشاء اللہ خدا وندتعالیٰ اسی نسل کوتوفیق عطا کرے کہ ان کے دلوں کے اندرعلامہ اقبالؒ، شہید حسینیؒ اور امام خمینیؒ کا بھی جنم ہو۔ آمین!

71\_07\_KHUTBA-E-JUMA

خطبہ جمعة المبارک۔ ملکی و عالمی حالات

# تقوی الٰہی کی دعوت:

بندگانِ خدا آپ سب کو اور اپنے نفس کو تقویٰ الٰہی کی دعوت دیتا ہوں کہ اپنی زندگی میں تقویٰ اختیار کریں ، خدا کی پسندیدہ مخلوق بنیں و خدا کے پسندیدہ بندے و انسان بنیں اور انسان کی فخر و سعادت کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ محبوبِ خداوند تبارک و تعالیٰ بن جائے اور اس حُب کی کلید و چابی تقویٰ ہے۔

’’اِن اللہ یحِب المتقِین‘‘

# تقویٰ کے بغیر چنگیزیت:

اگر تقویٰ نہ ہو تو دنیا جہنم بن جاتی ہے جس طرح سے موجود ہے۔ اگر تقویٰ سیاست سے نکل جائے تو چنگیزیت ہے، اگر تقویٰ معیشت سے نکل جائے تو قارونیت بن جاتی ہے، اگر تقویٰ انسان کی زندگی سے نکل جائے تو فرعونیت وجود میں آجاتی ہے۔ آج اگر یہ شیطانیت، فرعونیت اور تباہی و ہلاکت دنیا میں نظام بن کر سایہ فگن ہے تو یہ اسی چیز کا نتیجہ ہے کہ بے تقویٰ انسان دنیا اور بالخصوص دنیائے اسلام پر مسلط ہیں۔ آج بے تقویٰ شیطانی طاقتیں مسلط ہیں جنہوں نے دنیائے اسلام کو فتنوں کے اندر دھکیل دیا ہے۔

# انسان نما درندے کا واصل جہنم ہونا:

شیعہ قاتلوں کا قتل مگر شیعوں کو قتل کرنے کی وجہ سے نہیں۔ آپ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ اسوقت دنیائے اسلام میں کیا مسائل اور حالات ہیں۔ اسوقت مؤمنینِ پاکستان جو ظاہراً ایسے موقعوں پر سرور و خوشی محسوس کرتے ہیں اور ہونا بھی چاہئے کہ اسی ہفتے جو گزرا ہے اسمیں سفاک ترین درندے و انسان نما بھیڑیے واصلِ جہنم ہوئے ہیں اور خداوند تعالیٰ انہیں اپنے ان بانیوں کیساتھ جہنم کے پست ترین درجات میں پہنچائے کہ جنہوں نے انکو یہ ظلم کا راستہ دکھایا و سکھایا ہے۔

# شیعہ قاتلوں کی حکومتی سرپرستی:

یہ وہ درندے ہیں جنہوں نے کھل کر درندگی کی اور پچیس تیس سال تک مسلسل ہر روز انہوں نے تشیع کا قتل عام کیا اور اسی نظام کے اندر دن دھاڑے کیا اور دندناتے رہے اور انہی اداروں کی سرپرستی میں یہ کام کرتے رہے چھپ کر نہیں کیا بلکہ کھل کر اعلان کرکے یہ کام کیا اور بعض اوقات نمائشی طور پر انکو پکڑا بھی گیا تو وہ بھی مزید انکو ہیرو بنانے کیلئے پکڑا گیا۔ انکو بند کیا اور پھر انکو عدالتوں میں لے گئے اور باعزت رہائی دے دی تاکہ مزید ہیرو بنیں ، میڈیا میں لے گئے تاکہ مزید ہیرو بنیں لیکن آخرکار خود واصلِ جہنم ہوئے لیکن پاکستان میں مومنین عموماً اس بات پر ہی قانع ہوجاتے ہیں کہ کوئی ایک درندہ وحشی ہلاک ہوجائے تو کہتے ہیں یہ ہماری بہت بڑی کامیابی و فتح ہے۔

# درندوں کا قتل باعث غفلت نہ بنے!

اسمیں کوئی شک نہیں کہ کوئی ایک درندہ کم ہو تو وہ اپنی جگہ پر ایک اکائی نظام ظلم سے کم ہوئی ہے لیکن یہ نہ ہو کہ چند بھیڑیے کم ہونے سے ہم آسودہ ہوکر اپنے در و دیوار کھلے چھوڑ دیں کہ چند بھیڑیے کم ہوگئے ہیں اب امن و امان ہے۔ یہ بے وقوفی اور سادگی ہے۔ اس توہّم میں مبتلا نہ ہوں کہ جیسا بارہا ماضی میں ہوچکا ہے۔ جب انکے جو پیش رو تھے وہ مرے اور جب بھی کوئی ظالم دنیا سے جائے اور فرعون غرق ہو اور درندہ صفت کے جانے میں احساس یہ ہی ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہئے یہ طبیعی احسا س ہے لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ احساس جو اسوقت مومنین کو حاصل ہے یہ غفلت کا باعث بن جائے توہّم کا باعث بن جائے کہ ظلم ختم ہوگیا ہے۔

# برطانوی عدالتی نظام کے اثرات:

چند درندوں کے جانے سے ہرگز ایسا نہیں ہے۔ یہ وحشی درندے جنہوں نے کھل کر قتل کیے، انہیں قبول کیا اور اعداد و شمار خود اپنے اخباروں میں میڈیا میں پریس کانفرنسوں میں دیئے اور ججوں کے سامنے انہوں نے کہا کہ ہم نے اتنے مارے ہیں تو پھر کیوں انکو سزا نہیں ہوئی ایسا کیوں ہوا! کیونکہ یہاں پاکستان کا عدالتی نظام برطانوی نظام ہے۔ مومنین جس نظام سے انصاف لیتے ہیں یہ برطانیہ کا بنا ہوا ہے اور برطانوی نظام میں یہ ہے کہ اصل جرم یا مجرم کو عدالتی نظام کی تحقیق کا مرحلہ وہ چھپا دیتا ہے۔

# طو یل المدتی عدالتی نظام

ہماری عدالتوں میں ایک عام سا کیس کہ جیسے دو پڑوسیوں میں کسی بات پر لین دین میں لڑائی ہوگئی تو تیس، پنتیس سال کیس چلنا پاکستان میں ایک معمولی سی بات ہے۔ بہت جلدی فیصلہ کرنا ہو تو پچیس سال بعد کردیتے ہیں ورنہ کئی عدالتیں و کئی نسلیں گزر جاتی ہیں اور کیس چلتا رہتا ہے۔ عدالتی عمل اتنا پیچیدہ و لمبا کیا ہوا ہے کہ جرم و مجرم تک پروسیجر پہنچنے ہی نہیں دیتا۔

یہ جتنے وکلاء ہیں شاید یہاں موجود ہوں اور سن رہے ہونگے یہ ویسے تو ہوتے ہیں کہ بعض اوقات جرائم کی دنیا میں یہ کہ مجرم کو سزا دلوانی ہے یا مظلوم کا دفاع کرنا ہے لیکن انہیں اسکا موقع ہی نہیں ملتا کیونکہ پاکستان میں کامیاب ترین وکیل وہ ہے جو عدالتی پروسیجر کا ایکسپرٹ ہو جیسے اس میں لکھا ہوا ہے کہ پیپر اتنے سائز کا ہونا چاہئے اور اس طرف سے تحریر شروع ہونی چاہئے اور اس جملے سے شروع ہونی چاہئے اور یہ آرٹیکل اس میں پورا ہونا چاہئے یہ دفعہ اس میں پوری ہونی چاہئے اور یہ تقاضہ اس میں پورا ہونا چاہئے یہ ان چیزوں کے ماہر ہوتے ہیں اور اسی میں یہ اپنا سارا وقت عدالت اور کیس کے نام پر گزارتے ہیں۔

# گواہ کامنفی کردار!

پاکستان میں جو برطانوی عدالتی نظام ہے اسی میں جرائم کو چھپانے کیلئے ایک گواہی کا عنصر استعمال کرتے ہیں جبکہ دین اور شریعت میں بھی گواہی موجود ہے لیکن جو گواہی و شواہد برطانوی نظام کا حصہ ہے جسکے ذریعے سے مجرم کو بچاتے اور تحفظ دیتے ہیں اور اسی گواہی کے نظام سے بے گناہوں کو سزائیں دلواتے ہیں ممکن ہے آپ نے بھی کہیں گواہی دی ہوگی کہ یہ اپنا بھائی ہے اسکو گواہ چاہئے۔

# بازار میں موجود کرائے کے گواہ!

بازار میں گواہ بیٹھے ہوتے ہیں ! آپکو کس قسم کی گواہی چاہئے۔ ایک گواہ کو گواہی کیلئے عدالت میں لے گئے اور اس سے کہا کہ گواہی دو؟ گواہی کیا دینی ہے! یہ کہ میری کوئی شے گم ہوگئی ہے اسکی گواہی جاکر دو۔ جج نے پوچھا کہ کیا آپ نے دیکھا کہ یہ فلاں چیز چوری کرکے لے گیا؟ گواہ نے کہا کہ ہاں میں نے باقاعدہ دیکھا ہے کہ یہ چوری کرکے لے جارہا تھا کیونکہ جج اپنے سوالات میں مونث کے صیغے استعمال کر رہا تھا تو اس نے گواہ سے پوچھا کہ وہ شئی کتنی تھی؟ اسکا قد کتنا تھا تو گواہ سمجھا کہ یہ بھینس چوری ہوئی ہے اسکا پوچھ رہا ہے تو اس نے بھینس جتنا قد بتا دیا تو جج حیران ہوکر پوچھتا ہے کہ مرغی اتنی بڑی ہوتی ہے۔ اصل میں مرغی چوری ہوئی تھی اور گواہ بھینس کی گواہی دے رہا تھا کہ میں نے آنکھوں سے دیکھا ہے کہ یہ بھینس لیکر جارہا تھا، یہ نظام عدالت ہے کہ جس میں گواہیوں کا ایسا نظام ہے۔

# عدالتیں دہشت گردوں سے خوف زدہ:

یہ دہشتگرد پکڑے گئے۔ جج کہتا ہے گواہ لاؤ؟ گواہ بھی موجود ہیں لیکن گواہ ڈرتے ہیں اور انہیں پتہ ہے کہ ایک جنازہ گرا ہے گواہی دینگے تو دس اور گر جائینگے یہ وحشی لوگ ہیں جج کو عدالت میں یہی قاتل، یہی درندہ دھمکی دیتا ہے کہ جو اسکا حشر ہوا ہے کہ جس پر تو نے مجھے پکڑا ہے تیرا بھی یہی حشر ہوگا۔ تیرے بیوی بچوں کا بھی یہی حشر ہوگا۔ یہ جج اور یہ عدالتی نظام ان میں سے بعض نے نہ چاہتے ہوئے بھی میں یہ نہیں کہتا کہ سارے اس نظام ظلم کا حصہ ہیں۔ بعض نہ چاہتے ہوئے بزدلی کی وجہ سے انہوں نے درندگی کو تحفظ دیا ہے۔ شیعوں کے قتل عام کو اور ان درندوں کو تحفظ دیا ہے۔

# موجودہ نظام کا دہشتگروں کو تحفظ دینا:

چودہ، پندرہ سال جیلوں میں رکھ کر انکو باعزت بری کردیا ہے کیونکہ گواہ نہیں تھے یا وہ آنے کیلئے تیار نہیں تھے یا گواہی ایسے نہیں تھی جیسے جج مانگ رہا ہے یا جج کو بھی پتہ ہے کہ گواہی نہیں ہونی چاہئے کیونکہ اگر گواہی ہوگئی تو میری بھی شامت آجائیگی۔ اس نظام نے انکو تحفظ دیا، پلے بڑھے اور آخر میں انہیں جس طریقے سے مارا گیا وہ طریقہ بھی شیعوں کیلئے درست ثابت نہیں ہوا اگرچہ مجرم کا کم ہوجانا، دہشتگرد کا کم ہوجانا اچھی بات ہے لیکن یہ صف ِاول کے دہشتگرد مار دیئے اور اسے پولیس مقابلہ عنوان قرار دیا گیا کہ یہ پولیس مقابلے میں مارے گئے ہیں انکو شیعوں کے قاتل سمجھ کر سزا نہیں دی گئی۔ یہاں پر بھی انکو بچا لیا گیا اور تحفظ دے دیا گیا۔ شیعوں کیلئے اسوقت یہ بہت قابل اہمیت ہے کہ انہیں کیوں مارا؟ اسلئے کہ یہ شیعوں کے قاتل ہیں اسلئے مارا! لیکن آپ دیکھیں یہ عنوان نہیں بنا بلکہ پولیس مقابلے میں مار دیا گیا۔

# دہشتگرد جو محرمِ راز ہوں !

پویس مقابلے میں مار دینا اور شیعوں کے قاتل کے طور پر مارنے میں بہت بڑا فرق ہے۔ جو جملہ میں نے پہلے بھی آپکی خدمت میں کہا ہے کہ ایسے دہشتگرد اگر مر جاتے ہیں تو وہ شیعوں کے دفاع کی وجہ سے نہیں مارے جاتے بلکہ کئی اور مشکلات کی وجہ سے انکو راستے سے ہٹایا جاتا ہے۔ کئی وجوہات ہیں ایک یہ کہ جو انکے سرپرست ہیں انکے، اداروں و محکموں کے اور افراد کے یہ محرمِ راز ہوتے ہیں جو انکی مدد کرتے ہیں ان سب کو پتہ ہوتا ہے کہ یہ یہ آدمی ہم سے کام کرواتے رہے ہیں اور ایک وقت میں یہی لوگ ان کیلئے بھی خطرناک ہوجاتے ہیں۔

# لیڈروں کو خود ساختہ قاتلوں سے خطرہ!

ابھی جس کیس میں کراچی میں کچھ لوگ پکڑے ہوئے ہیں کہ ایک لیڈر ملک سے باہر ہے اور وہاں ایک لیڈر عمران فاروق کے نام سے قتل ہوا۔ جن لوگوں نے میڈیا کے بقول اسکو قتل کیا ہے وہ دو تین نام جو میڈیا پر ہیں یہ لندن میں قتل کرکے سیدھے پاکستان آئے۔ داستان یہ تھی کہ پاکستان میں ایئرپورٹ کے اندر، جہاز پر ہی انکو گرفتار کیا گیا ہے اسلئے کہ منصوبہ یہ تھا کہ جونہی ایئرپورٹ سے قاتل باہر نکلیں گے تو باہر ایک اور قاتل کھڑا ہوا تھا جسکا کام ان قاتلوں کو مارنا تھا۔ کیوں ؟ اسلئے کہ یہ قاتل جو لندن میں قتل کرکے آئے ہیں اب یہ خطرناک ہیں۔ ان ہی کے ذریعے سے اب لیڈر پکڑے جائینگے۔

# فورسز کا موقع پر اقدام!

اگر یہ دو قاتل نہ پکڑے جاتے۔ پاکستانی فورسز تیزی نہ دکھاتیں اور ایئرپورٹ کے اندر سے انکو گرفتار نہ کرتے اور انکو باہر آنے دیتے تو ایئرپورٹ سے باہر آتے ہی انکا کام تمام ہوجاتا اور دستاویز ختم ہوجاتیں پروف ختم ہوجاتا۔ آج جو آپکے وزیر داخلہ کہتے ہیں کہ ہم نے اسکاٹ لینڈ یارڈ کو مجرم تک رسائی دے دی ہے تو وہ یہی دو ہیں ان تک انکو رسائی دے دی ہے اور یہ اعتراف کرینگے کہ ہم نے مارا ہے! فلاں کے کہنے پر مارا ہے۔ اسطرح لیڈر پھنس جائیگا بڑوں کو پھنسانے کیلئے قاتل ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

# قاتل کا قتل ، اصل مجرم کو چھپانے کی کوشش

قاتل ہٹانا بھی بعض اوقات اصل مجرم کو چھپانے کیلئے ضروری ہوتا ہے۔ یہ تازہ مثال ہے، یہ حالیہ کیس جو ابھی چل رہا ہے لہٰذا بعض اوقات قاتلوں کو ٹھکانے لگایا جاتا ہے۔ کیوں ؟ تاکہ اب یہ خطرناک ہوگئے ہیں ، اب یہ دستاویز ثبوت بنتے جارہے ہیں اور جس طرح میڈیا خبر دے رہا ہے کہ انکے اندر آپس میں شدید اختلافات ہیں۔ اس وجہ سے اس گروہ کو ٹھکانے لگایا گیا ہے۔

# ضیاء الحق کا بنایا ہوا شجرہ خبیثہ!

بہرکیف مجموعی طور پر انکا ہلاک ہونا شیعوں کیلئے بالخصوص سارے پاکستان کیلئے یہ ایک اچھی خبر ہے لیکن یہ خبر ہمیں توہّم میں مبتلا نہ کردے کہ خطرہ ختم ہوگیا ہے یا ٹل گیا ہے بلکہ آپ یوں سمجھیں کہ بوڑھے دہشتگرد مارچ دیئے گئے ہیں تاکہ جوانوں کو موقع ملے اور نئی ٹرینڈ مخلوق آگے آئے۔ ایک رائٹر کے بقول، اس نے اچھی تعبیر استعمال کی ہے میں وہی جملہ اس مطلب کی وضاحت کیلئے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس نے کہا کہ یہ دہشتگردی جیساکہ قرآن نے بھی مثال دی اور آپکی خدمت میں پہلے بھی بیان ہوچکا ہے کہ یہ دہشتگردی ایک شجرۂ خبیثہ ہے اور ضیاء الحق ان ملعون انسانوں میں سے ہے جس نے دہشتگردی کا یہ شجرۂ خبیثہ پاکستان میں گاڑا ہے۔ خدا اس پر اور اسکے ہر ساتھی پر لعنت کرے جس نے اس کام میں اسکا ساتھ دیا ہے۔

اس ملعون نے یہ حرکت شروع کی اور دوسروں نے آکر پھر اسکی آبیاری کی اور یہ اتنا پھیلایا کہ اسکے اندر ہزاروں لوگ مارے گئے اور بالخصوص شیعوں کو اگرچہ عام پاکستانیوں کو بھی ہر فرقے اور ہر مسلک کے لوگ، اسکے علاوہ فوج، پولیس اور ہر قسم کا فرد انہوں نے شکار کیا۔

# شجر کی حفاظت اور پتوں کی صفائی!

یہ ایک شجرۂ خبیثہ ہے اور خبیث دہشتگردی کا درخت ہے۔ درخت کی جڑیں ہیں درخت کاٹنا ہے جبکہ اس درخت کی شاخیں ہیں۔ اس درخت کے پتے ہیں۔ اگر خبیث درخت کے پتے جھڑ جائیں تو زیادہ اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ پتے جھڑنے سے شجرہ خبیثہ خشک نہیں ہوتا بلکہ تازہ دم سبز پتے پھر نکل آئینگے۔ پرانے پتے ویسے بھی مرجھا جاتے ہیں پیلے ہوکر خود گرجاتے ہیں تو بہتر ہے خود انہیں درخت کو جھنجھوڑ کر گرا دیا جائے۔ یہ جو عمل ہوا ہے یہ اس شجرۂ خبیثہ کے پتے جھاڑے گئے ہیں اور وہ بھی انہوں نے یہ عنوان نہیں بننے دیا کہ کسی عدالت میں کوئی کیس چلایا اگر انکو یہی سزائے موت ہوتی اور کیس بھی یہی ہوتا کہ انہوں نے شیعوں کا قتل عام کیا ہے اس وجہ سے انکو مارا جارہا ہے۔

# شجرہ خبیثہ جڑ سے کاٹنے کی ضرورت:

کوئی بھی پاکستان میں یہ نہیں چاہتا کہ ایک فرد بھی شیعوں کا مجرم بن کر پھانسی پر چڑھے یا اسکو مارا جائے یہ کوئی بھی نہیں چاہتا جبکہ یہ عمل ہونا ضروری ہے۔ انکو اگر سزا دینی ہے تو اعلان کرو کہ اس جرم میں انکو مارا جارہا ہے۔ اس جرم کی انکو سزا دی جارہی ہے جبکہ اس طرف یہ کبھی بھی انکو نہیں آنے دینگے۔ جو کام کیا ہوا ہے وہ چند پتے جھڑے ہیں لیکن اس نظام کی شاخیں اپنی جگہ قائم ہیں ، تنا اپنی جگہ قائم ہے جڑیں اپنی جگہ قائم ہیں !

اگر واقعی دہشتگردی کیخلاف اقدام ہورہا ہے اور ملک کو پُر امن بنانا ہے تو اسکی جڑیں کاٹنا پڑیں گی۔ اسکا تنا خشک کرنا پڑیگا۔ اسکی ساری شاخیں کاٹنا پڑیں گی۔ اس دن پاکستان میں امن ہوگا جب اس شجرۂ خبیثہ اور دہشتگردی کی جڑوں کو کاٹا جائیگا۔

# شجرہ خبیثہ میں آل سعود کا کردار:

جس دن سعودی عرب کا عمل دخل پاکستان سے ختم ہوگا۔ اگر جڑیں سیراب ہورہی ہیں ، وہاں سے مال آرہا ہے، وہاں انکے دہشتگردی کے مراکز قائم ہوں اور پاکستان کے اندر انکی سرپرستی کرنیوالے موجود ہوں ، اس وقت چند پتے جھڑنے سے کوئی امن قائم نہیں ہوگا۔

# میڈیا کے ذریعے عوام کی توہین!

جو کچھ میڈیا میں بتایا جاتا ہے آپ خود بارہا تجربہ کرچکے ہیں کہ میڈیا انسانی احساسات سے کھیلتا ہے اور عوام کی تحقیر و تذلیل کرتا ہے۔ جو لوگ ٹی وی دیکھ رہے ہوتے ہیں انکی تذلیل کررہا ہوتا ہے۔ انکو احمق سمجھ رہا ہوتا ہے اور انکو بیوقوف بنا رہا ہوتا ہے اور یہ سب سے بڑی تحقیر و توہین جیسے اگر کسی کو کہوں کہ اٹھو اور باہر نکل جائو تو یہ اسکی توہین ہے لیکن اس سے بڑی توہین اسکی یہ ہے کہ میں اسکے سامنے ایسی گفتگو کروں کہ جس سے یہ تاثر ملتا ہو کہ میں اسکو نعوذ باللہ بیوقوف سمجھ رہا ہوں ، جیسے بیوقوف کے سامنے باتیں کی جاتی ہوں یہ اسکی سب سے بڑی توہین ہے۔

# میڈیا کا سامعین کو بچہ سمجھنا!

اس سے بڑی توہین یہ ہے کہ جب ملت کو بیوقوف سمجھا جائے، جب انکو احمق و نافہم سمجھا جائے اور ایسی داستانیں بتائی جائیں جو نافہموں کو بتائی جاتی ہیں عموماً ایسی چیزیں بتاتے ہیں جیسے بچوں کو نادان کہتے ہیں اور نادان بچہ پوچھتا ہے میں پرانے زمانے کے بچوں کی بات کررہا ہوں کہ پرانے زمانے کے نادان بچے پوچھتے ہیں جب گھر میں کسی بچے کی ولادت ہوتی ہے تو چھوٹا بچہ پوچھتا ہے یہ کہاں سے آیا ہے؟ کیسے پیدا ہوا ہے؟ ظاہر ہے نادان ہے اسلئے پوچھتا ہے کیونکہ چھوٹا ہوتا ہے اور نہیں جانتا، تو گھر والے اسکو کیا داستان سناتے ہیں کہ اسے دکان سے لیا ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ آپکے گھر میں بھی یہ جملہ استعمال ہوا ہوگا کیونکہ بچہ نادان و چھوٹا ہے لہٰذا اسکو اور کیا جواب دیں ! جب اسکو نہیں بتایا جاسکتا تو اسکو کہتے ہیں دکان سے لائے ہیں۔

ساری قوم کو ملک و امنیت کے حالات اسی طرح سے بتائے جاتے ہیں جس طرح چھوٹے بچے کو کہتے ہیں کہ یہ دکان سے لائے ہیں اور آگے ایسے بچے بیٹھے بھی ہوئے ہیں جو کہتے ہیں ٹھیک ہے دکان سے لائے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے خود ٹی وی سے سنا ہے کہ دکان سے لائے ہیں۔ اسکو کہو کہ نہیں ! دکان سے نہیں لائے بلکہ یہ تو خلقت کا نظام ہے جو خدا نے بنایا ہوا ہے اور اس نظام کے تحت بچہ پیدا ہوا ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں ! میں نے خود ٹاک شو میں سنا ہے کہ دکان سے لائے ہیں۔ میرے سامنے فلاں آدمی نے کہا ہے کہ دکان سے لائے ہیں۔

# میڈیا کی بے خبری:

میڈیا نے آپکو نادان سمجھ کر بیوقوف بنایا ہے اس نے ایک بات کی اور آپ اسکی بات سن کر اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب توجہ کریں کہ میڈیا کے پیچھے جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں جو لوگوں کو بیوقوف اور الو بنا رہے ہیں کہ یہ انکا سرغنہ مُلا عمر دو سال پہلے واصل جہنم ہوا یہ بھی خود میڈیا کی خبر ہے جبکہ آج خود میڈیا یہ خبر دے رہا ہے، حکمران و اسٹیبلشمنٹ خبر دے رہی ہے کہ دو سال پہلے پاکستان میں کراچی کے اندر یہ مرگیا ہے۔ آج دو سال بعد عوام کو بتا رہے ہیں۔

پالتو دہشت گرد کی موت:

یہ ایسا میڈیا ہے، یہ دیگ کا ایک چاول و ایک دانہ ہے اس دیگ کا ایک دانہ آپ نے ٹیسٹ کرلیا کہ دو سال پہلے ایک خبیث آدمی اس ملک کے اندر مرگیا کیونکہ بنایا اور پالا بھی انہوں نے ہی تھا، سرپرستی بھی انہوں نے ہی کی اور اسکو علاج بھی یہ کرا رہے تھے انکے ہسپتال میں مرگیا، مرنے کے بعد اسکو دو سال چھپا کر رکھا اور دو سال بعد اب بتا رہے ہیں کہ ملا عمر دو سال پہلے مرگیا ہے۔

آپ دو سال سے ٹی وی دیکھ رہے ہیں یا نہیں دیکھ رہے؟ انہوں نے آپکو پہلے کہیں بتایا! آپ اس میڈیا پر کیا اعتماد کرینگے۔ کیا یہ آپکو واقعیات اور حقائق بتاتے ہیں ! دو سال پہلے وہ اس ملک کے اندر مرا اور اپنی عوام کو آج بتا رہے ہیں کہ وہ دو سال پہلے مرگیا تھا۔ کیا آپ یہ نہیں سمجھتے کہ باقی بھی جو یہ بتاتے ہیں وہ یہی ساری باتیں ہیں۔ وہ سارا بھی ایسا ہی ہے۔

# فاسد میڈیا پر اعتماد مت کریں

یہ بڑے بڑے تھنکر جو ٹاک شو میں آکر بیٹھتے ہیں یہ کتنے ڈھیٹ ہیں ، ان میں سے کوئی کہے گا کہ میں احمق ہوں ! ہے کوئی جو آکر اعلان کریگا کہ اے لوگو! جان لو میں سب سے بڑا بیوقوف آدمی ہوں دو سال تک مجھے بھی پتہ نہیں تھا کہ یہ مرگیا ہے۔ اسامہ کو پاکستان میں لاکر رکھا اور وہ مرگیا اب اسکی ڈیڈ باڈی سے پھر انہوں نے ایبٹ آباد میں وہ ڈرامہ کیا اور پاکستانیوں کو کچھ خبر نہیں ہے۔ آج کیا بتارہے ہیں اور پہلے ٹی وی میں کیا بتا تے رہے ہیں۔ ایک فیصد ان پر اعتماد نہ کرو! اس فاسد شیطانی میڈیا پر اعتماد مت کرو! یہ آپکو اصل حقائق نہیں بتاتے۔ کسی شعبے کے حقائق نہیں بتاتے نہ سیاسی حقائق، نہ اجتماعی حقائق، نہ ہی اقتصادی حقائق بتاتے ہیں کسی شعبے میں بھی حق و درست بات نہیں بتاتے۔

# میڈیا کی نئی گیم!

ابھی بھی جو بتایا گیا ہے وہ صرف یہ نہیں کہ ایک ٹیرورسٹ گروپ مظفر گڑھ میں مار دیا گیا ہے یا ادھر سے ایک دہشتگردی کا سر غنہ مُلا عمر وہ ہلاک ہوگیا ہے۔ یہ جو ابھی اس موقع پر یہ دو بڑے واقعات اور اس جیسے چھوٹے بڑے واقعات جو ابھی اگلے چند دنوں میں وقوع پذیر ہونگے ان سب سے ایک نئی گیم ہورہی ہے یعنی یہ خبریں بھی دے رہے ہیں اور ماحول بھی بنارہے ہیں کہ یہ سوچا جا رہا ہے یا گیم بن گئی ہے اسکو منظر عام پر لانے کیلئے یہ سارا سیناریو بنایا گیا ہے۔

# واقعات سے عبرت آموزی:

ہمارے لئے جو اِن واقعات میں عبرت کی چیز ہے وہ یہ کہ عزیزان! ہم کسی توہّم میں مبتلا نہ ہوں۔ آپ نے دیکھا کہ اتنا بڑا وحشی قاتل درندہ، شیعہ کو اتنا بھی حق نہیں دیتے کہ اسکو شیعہ قتل کے جرم میں پھانسی دے دیتے۔ اس سے دنیا میں بہت کچھ ثابت ہوتا ہے اگر یہ یہی کام کرتے لیکن انہوں نے نہیں ہونے دیا۔ کسی ضرورت کی وجہ سے اسکو راستے سے ہٹا دیا لیکن اسکو تشیع کا مجرم بننے نہیں دیا۔ پولیس مقابلہ کرکے ماردیا۔

# حکومت کے غیر قانونی اقدامات:

قوانین اسی لئے ہوتے ہیں کہ آپ اسکو قانون کے راستے سے جاکر پکڑو اور کیس کرو اور کہو کہ اس جرم کا اس نے اعتراف کیا ہے لہٰذا یہ مجرم ہے اور فیصلہ کرو کہ ہم اسکو اس کیس میں سزا دے رہے ہیں اور مار رہے ہیں لیکن انہوں نے یہ نہیں کرنا! کیوں نہیں کرنا؟ اسلئے کہ اس سے پھر بہت کچھ ثابت ہوجاتا ہے۔

# مجرم کو مجرم نہ کہنا بھی جرم ہے!

اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ تشیع کا مجرم ہے، اسکو بنانیوالا تشیع کا مجرم ہے، اسکو پناہ دینے والا تشیع کا مجرم ہے، اسکا ساتھ دینے والا تشیع کا مجرم ہے، اسکو جیل سے چھوڑ دینے والا جج تشیع کا مجرم ہے۔ پھر چھپے ہوئے بہت سارے مجرم بھی سامنے آتے ہیں جبکہ یہ انکو مجرم کہنا نہیں چاہتے اور اس سے پہلے اور دوسروں کیساتھ بھی یہی کام کیا، جن کو پولیس مقابلے میں مار دیا اور ٹھکانے لگا دیا۔

# اعتراف جرم پر گواہ کی ضرورت نہیں !

مومنین بسا اوقات ان مسائل کو بڑی سادگی سے سوچتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ تشیع کیلئے بڑی مبارک چیز ہوگئی ہے۔ نہیں ! آپکو معلوم ہونا چاہئے کہ جب تشیع کا مجرم متعارف نہیں ہونے دیا یہ کسی اور خطرناک پلاننگ کیلئے علامت ہے۔ انہوں نے تشیع کو کریڈٹ لینے نہیں دیا، اسے تشیع کا مجرم بننے نہیں دیا، کیوں نہیں بننے دیا؟ آپکے پاس تو عدالتیں بھی موجود تھیں ! آپکے پاس پورا نظام تھا۔ آپ کسی بھی دہشتگردی کو عدالت میں لائیں۔ جب وہ مجرم جج کے سامنے اعتراف کرتا ہے کہ میں نے مارا ہے اور مارونگا وہاں گواہ نہیں چاہئیں ، کسی اور گواہی کی ضرورت نہیں ہے حتیٰ برطانوی نظام میں بھی گواہ نہیں چاہئیں جہاں پر وہ خود اعتراف کرتا ہے اور اسے اسی جرم میں سزا دینی چاہئے تھی۔

# مجرم کو تحفظ دینا جرم میں شرکت ہے:

باقی ماندہ جتنے بھی مجرمین ابھی موجود ہیں جو کچھ حکومت میں ہیں اور کچھ سیاست میں اور کچھ جماعتوں و اداروں میں ہیں یہ سب کے سب تشیع کے مجرم ہیں۔ یہ سارے خدا کی بارگاہ میں مجرم ہیں ، درحقیقت ان مجرموں کو تحفظ دیا گیا ہے اور جو سند تھی وہ انہوں نے اس طرح سے ختم کردی۔ مومنین کو سادگی ختم کرنی ہے۔ آج ہمیں شعور، بیداری و آگاہی کی ضرورت ہے۔

# باشعور مؤمن کی مثال!

بڑی عید کا دن تھا جس دن صدام کو پھانسی دی گئی اور اُس سال اللہ نے توفیق دی حج پر مشرف تھے اور منیٰ میں یہ خبر ہم تک پہنچی، ایک آدمی عربی میں یہ خبر لیکر آیا اس پر سرخی لگی ہوئی تھی کہ صدام کو پھانسی دی گئی ہے ظاہر ہے مومنین خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ دو مومن وہاں پر منیٰ کے میدان میں پاکستانی تھے ایک نے دوسرے کو مبارکباد دی کہ صدام واصل ِجہنم ہوا اور یہ بڑی عید ہے عید کے دن خدا نے یہ خوشی دی تو دوسرے مومن نے کہا کہ مجھے بالکل خوشی نہیں ہوئی میں یہ عام آدمیوں کی بات کررہا ہوں دیکھیں شعور کا کتنا فرق ہوتا ہے۔

ایک عام مومن دوسرے کو کہہ رہا تھا کہ مجھے خوشی نہیں ہوئی تو پہلے نے اس سے کہا کہ تجھے صدام کی ہلاکت کی خوشی نہیں ہوئی اس نے کہا کہ نہیں ہوئی۔ کہا کہ کیوں نہیں ہوئی؟ اس نے جواب دیا کہ اسلئے نہیں ہوئی کہ یہ مومنوں کے ہاتھوں نہیں ہوا بلکہ شیطان نے یہ کام کیا۔ بڑے شیطان نے چھوٹے شیطان کو ختم کیا ہے اس میں ہماری خوشی کی کیا بات ہے! خوشی مجھے اس وقت ہوتی کہ جب یہ ہمارے ہاتھوں سے واصل ِجہنم ہوتا۔ مظلوموں کے ہاتھوں سے یہ واصل ِجہنم ہوتا یا کم از کم انکو اسی جرم میں مارا جاتا پھر اسکے بعد عدالت میں مارا جاتا۔

ایک بڑے شیطان امریکہ نے آکر اپنے چیلے کو راستے سے ہٹا دیا ہے تو اس میں میرے لئے کیا خوشی کی بات ہے۔ میں اسی وقت اٹھ کر اس مومن سے گلے ملا اسکو داد دی، لوگوں کے اندر شعور کم نظر آتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ابھی پاکستان میں اس طرح کے افراد ہیں جو اس طرح و اس سطح کا شعور رکھتے ہیں اور ایسے مسائل کو تجزیہ کرلیتے ہیں۔ ورنہ صرف اس بات پر بغلیں بجانا کہ چند پتے گرگئے جبکہ شجرۂ خبیثہ اپنی جگہ باقی ہے، جڑیں اسکی باقی ہیں ، تنا اسکا باقی ہے، سسٹم اسکا باقی ہے۔

# دہشتگرد کی سرعام نماز جنازہ!

آپ توجہ کریں کہ ایک ہی ساتھ انہوں نے اناؤنس کیا اور جس دن سے انہوں نے اناؤنس کیا کہ اس خبر کو دو سال ہوگئے، ابھی تک پاکستان میں کتنے غائبانہ نماز جنازہ مُلا عمر کیلئے اور ان دہشتگردوں کیلئے پڑھائی گئی ہیں اور جس جس نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی ہے وہ اس سسٹم کا حصہ ہے اور وہ مجرم ہیں۔ اسلئے میں کہہ رہا ہوں کہ ابھی فقط کچھ پتے جھڑے ہیں تنا نہیں ہلا۔ اگر واقعی دہشتگردی ختم کرنی ہے اور کرنی بھی چاہئے، فورسز کا یہ حق بنتا ہے اور وہ اسی چیز کا کھاتی ہیں کہ قوم کا دفاع کریں۔ حکومت کے فرائض میں سے ہے کہ ملک کا دفاع کرے، حکومت اسی بات کی ذمہ دار ہے کہ اس شجرۂ خبیثہ کو پاکستان سے نابود کرے لیکن ارادہ نہیں ہے۔

# دہشت گردی کی نرسری:

پتے جھاڑنے کا ارادہ ہے لیکن تنا کاٹنے کا ارادہ نہیں ہے۔ سسٹم ختم کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ آپ خود دیکھ لیں اگر کوئی دہشتگرد کسی بھی طور پر واصل ِجہنم ہوا ہے تو ہزاروں لوگ آکر اسکا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا شروع کردیتے ہیں۔ ایسے تو کوئی بھی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھتا جب تک اسکا حصہ نہ ہو، جب تک اسکا جز نہ ہو، جب تک اسی درخت کا یہ بھی شاخ و جڑ اور پتہ نہ ہو! یہ بڑے بڑے نام جو موجود ہیں ظاہر ہے اگر انکو تشیع کے جرم میں سزا ملتی تو یہ ایک کیس تمام مجرموں تک پہنچنے کیلئے دستاویز بن جاتا اور کم از کم شیعہ کشی پاکستان میں عدالتی سطح پر یہ کام جرم ثابت ہوجاتا لیکن انہوں نے شیعہ کشی کو ابھی بھی جرم بننے نہیں دیا۔

# شیعہ کشی دہشتگردی سے خارج:

ایک شخص نے اخبار میں عید کے موقع پر مضمون لکھا تھا کہ اس سال دہشتگردی کے کتنے واقعات ہوئے۔ اس نے دہشتگردی کے واقعات میں پشاور اسکول پر جو حملہ ہوا لکھا، چترال میں ویگن پر فوجی جیپ پر حملہ ہوا اور دو چار اس طرح کے واقعات لکھے کہ یہ دہشتگردی کے بڑے واقعات پاکستان میں ہوئے ہیں۔ اس نے صرف یہ واقعات لکھے ہیں۔ ایک واقعہ بھی دہشتگردی کے طور پر نہیں لکھا جو کراچی میں ہوا، پشاور میں ہوا، کوئٹہ میں قتل عام ہوا پورے پاکستان میں تشیع کا قتل عام ہوا اس نے حوالے کے طور پر بھی نہیں لکھا یعنی شیعہ کشی کو اس نے دہشتگردی میں شمار بھی نہیں کیا۔

یہ ان لوگوں کی ذہنیت ہے۔ تشیع کا قتل کرنا جرم نہیں بننے دینا۔ نہ عدالتیں یہ چاہتی ہیں کہ شیعہ کشی کو جرم مانیں ، نہ ادارے یہ چاہتے ہیں ، نہ میڈیا یہ چاہتا ہے، نہ اسٹیبلشمنٹ یہ چاہتی ہے جبکہ ہر اس مقام پر جاکر مکارانہ کام کرینگے جہاں سے یہ ثبوت ملتا ہو کہ شیعہ مارنا پاکستان میں جرم ہے۔ یہ کام نہیں ہونے دینگے۔

# دہشتگرد بنانے والوں کے عزائم:

آرٹیکل میں دہشتگردی کے واقعات لکھ رہا ہے حتیٰ نمونہ کے طور پر بھی ایک واقعہ اس نے شیعہ کشی کا نہیں لکھا لیکن یہ دہشتگردی جن اداروں یا جس نے یہ فصل لگائی ہے اسکو اپنی فصل عزیز ہوتی ہے یہ قانون تو آپ جانتے ہیں۔ جو کسان کوئی فصل کاشت کرتا ہے وہ اس فصل کو خود تباہ نہیں کرتا۔ وقتی طور پر ممکن ہے ایسے ہی دکھاوے کیلئے وہ کام کرے لیکن کبھی اسکو ختم نہیں کرتا۔

# سعودی عرب دہشتگردی کا باپ!

اس پر انکے بہت وسائل خرچ ہوئے ہیں ، سعودی عرب کی آدھی تیل کی دولت دنیا میں دہشتگردی نظام بنانے میں خرچ ہوئی ہے یہ کبھی بھی یہ کام نہیں ہونے دینگے اسکو ختم نہیں ہونے دینگے۔ انکا سارا ڈھانچہ باقی رکھیں گے اور ضرورت کے وقت جہاں کوئی پتہ گرانا ہوا گرا دینگے لیکن یہ سارا نظام اپنی جگہ پر قائم رکھیں گے۔

وعدہ الٰہی پر یقین:

مومنینِ عزیز! دو کام اپنے دل میں نہ آنے دیں جو قرآن کا حکم ہے وہ دو کام مومن کے شایان شان نہیں ہیں !

’’لا تہنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ن نتم ممنین‘‘

اگر تم مومن ہو تو پھر تم برتر و غالب ہو لیکن ’’لا تھنوا‘‘ ضعف و کمزوری نہ دکھائو، کمزور نہ بنو! اور دوسرا ’’ولا تحزنوا‘‘ اور گھبرائو مت، مضطرب مت ہو۔ اگر تم یہ دو کام کرو گے تو پھر ’’انتم الاعلون‘‘ پھر تم بر تر ہو۔

# شیعت کو شیعہ ہی بچائے گا!

ہم اگر یہ کہیں کہ یہ شیعہ بچائینگے! دنیا کی کوئی طاقت تشیع کو بچائیگی تو اس توہّم اور خیال کو ذہنوں سے نکالیں ، کمزوری کا احساس دل سے نکالیں۔ سیاسی طور پر مگرمچھوں کے ہاں پناہ لینے کا یہ احساس دل سے نکالیں۔

الحمد للہ آپ اتنے ہیں کہ اپنے آپکو بچا بھی سکتے ہیں اور اپنے دشمن کو ختم بھی کرسکتے ہیں۔ آپکی اتنی تعداد ہے، آپکے اندر اتنا دم ہے۔ ورنہ ان چیزوں پر اگر ہم نے نظریں رکھیں کہ فقط یہ چیزیں ہمارا سہارا ہیں کہ چند لوگ ادھر مرگئے، اب کچھ نہیں ہوگا مطمئن ہوگئے تو یہ خیال ہے اس توہّم میں مبتلا نہ ہوں۔

# خدا کی بارگاہ میں عاجزانہ التماس:

خدا کی بارگاہ میں دعا ہے کہ پروردگار تمام ظالمین کو ریشہ و جڑ سے ختم فرمائے۔ اس شجرۂ خبیثہ کو خدا جڑ سے خشک و نیست و نابود فرمائے انشا اللہ۔ خداوند متعال پاکستان کو اس شجرۂ خبیثہ سے حقیقتاً پاک پاکستان بنائے اور جنہوں نے بھی شجرۂ خبیثہ گاڑا ہے، اسکی سرپرستی کی ہے، اسکی آبیاری کی ہے، اسکی مدد کی ہے خداوند تبارک و تعالیٰ ان سب کو ظالمین کیساتھ محشور فرمائے۔ خداوند تعالیٰ ان سب کو رسوا فرمائے انشا اللہ۔

# ملت یومِ آزادی کی حقیقی خوشی سے محروم

وطنِ عزیز پاکستان و مملکتِ خداداد پاکستان کا روزِ آزادی سب کو مبارک ہو لیکن یہ یوم ہر سال پاکستانیوں سے وہ حق ادا نہیں کرواسکا یا پاکستانی ۱۴ اگست کے دن کا حق ادا نہیں کر پاتے کیونکہ یہ مملکت عرصے سے بلکہ ابتدائے قیام سے لیکر آج تک سال بہ سال ایسے تلخ واقعات اور حوادث کا شکار ہے جو اس قسم کے جشن اوران ایام کی خوشی اسے محسوس ہی نہیں ہونے دیتے اور انکا حق ادا نہیں ہوتا۔

# پاکستان کا وجود عطیہ الٰہی!

پاکستان کے حالات افسوسناک حد تک پریشان کن اور خراب ہیں لیکن ایسا نہ ہو کہ یہ پریشانیاں اور مسائل و مشکلات ہمیں حقائق سے دور کردیں اور ہم حقائق سے ہی محروم ہوجائیں۔ پاکستان کا بننا، پاکستان کا وجود میں آنا، اہلِ ایمان و اہلِ اسلام کیلئے اللہ تعالی کاایک لطفِ خاص و نعمت عظیم ہے۔ اس کیلئے بھرپور طریقے سے قربانیاں دی گئیں۔ اس کے لئے بزرگان نے اپنی خدمات انجام دیں اور عوام نے اسمیں قربانیاں دیں کہ کم و بیش ہر پاکستانی ان مسائل سے آشنا ہے۔ ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس صدی اوراس دور میں اہل ایمان کیلئے ایک مملکت آسانی سے وجود میں نہیں آتی اور وہ بھی اس بنیاد پر وجود میں آئے کہ یہ مسلمان ہیں اوریہ لا الہ الاا للہ کی گواہی وشہادت دیتے ہیں اس لئے انہیں مملکت کی ضرورت ہے۔ اگر انکے اندر قربانی و ایثار کا عزم وجذبہ نہ ہوتا تو یقینایہ مملکت وجود میں نہ آتی۔ آج کوئی اپنا ایک پلاٹ وراثتی جھگڑوں میں الگ نہیں کر سکتا۔ اگر دس مرلہ کا پلاٹ کسی کیساتھ مشترک ہو اور وہ نہ دینا چاہے تو سارا زور لگالیتے ہیں لیکن دس مرلے اپنے جدا نہیں کر سکتے، تو ایک مملکت قائم کرلینا اوربنا لینا یہ ایک قومی عزم کی علامت ہے۔

# ہرسال گزشتہ سال سے بد تر!

پاکستان بنانے میں تمام مسلمان اوراہل ایمان شامل تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے کردار ادا کئے، اگرچہ مثبت اورمنفی دونوں کردار تھے۔ البتہ ہم اس کے مثبت پہلو کو دیکھیں کہ ایک مملکت کا اسلام و ایمان کے عنوان سے بن جاناخدا وند تبارک و تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر چہ اس نعمت کی قدر دانی نہیں کی گئی۔ اس ملک ومملکت کیساتھ قدر دانی کرنے کے بجائے خیانت کی گئی اور خیانتوں نے آج پاکستان کو یہاں آ پہنچایا ہے اورہر سال ہمیں لگتا ہے کہ اس سال سے پچھلے سال کا ۱۴اگست بہتر تھا۔ آج سے پچھلا دور بہتر تھا۔ یہ دو تین نسلیں ، دادا، بیٹا اور پوتا جب آپس میں ملکر بیٹھتے ہیں تو جوانوں کوسب سے اچھا زمانہ دادا ہی بتاتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں تو یوں ہوتا تھا، ہمارے زمانے میں ایسے ہوتا تھا۔ پوتا حسرت کرتا ہے کہ اے کاش میں بھی اس زمانے میں پیدا ہوتا کہ جب دادا کا زمانہ تھا۔ چونکہ یہ قباہتیں کم تھیں یا نہیں تھیں۔ یہ نسل آج اس قدر مشکلات کا شکارہے کہ آرزو کر تے ہیں کہ ہم اسی پسماندہ دور میں زندگی بسر کرتے۔ جیسے دادا کہتے ہیں کہ اس وقت پیسے نہیں تھے، گاڑیاں نہیں تھیں۔ لیکن آپس میں محبت واحترام تھا آپس میں رشتہ داری تھی، ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شرکت اور تعادن تھا۔ آج کی نسل ان چیزوں کے بارے میں حسرت رکھتی ہے کہ جو ان سے لے لی گئیں ہیں۔

# پاکستان کی تباہی میں میڈیا کا کردار:

آج ہم اگرپاکستان میں ۱۴اگست کا حق ادا نہیں کرپاتے تواس میں میڈیا کا بہت بڑا کردار ہے۔ بالخصوص پاکستانی میڈیا جوانتہا درجے کا غیر سنجیدہ میڈیا ہے۔ خصوصا الیکٹرانک وسوشل میڈیا، ٹی و ی چینلزاور انکے بعد پرنٹنگ میڈیا یا دیگر جو میڈیاز ہیں یہ سب کے سب غیر سنجیدگی کا شکار ہیں۔ قوم کو اس میڈیانے لاچار اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ان سے لے لی ہیں اور قوم کیلئے ایسے توہمات کے سائے بنادیئے ہیں کہ جس سے۱۴ اگست آتا ہے اور گزر جاتا ہے۔ کل کے اخبار میں آجائیگا کہ پورے ملک کے اندر ۱۴اگست بہت عقیدت و احترام کیساتھ منایا گیا یہ جملہ انہوں نے پہلے سے لکھ کر رکھا ہوا ہوتا ہے کہ بہت عقیدت و احترام کیساتھ منایا گیا۔ اسوقت اہلِ پاکستان کیا کر رہے ہیں ؟ آج پاکستان کا سماں روڈوں پر، سڑکوں پر، گلی ، محلے میں ، اداروں میں ایسے نہیں ہونا چاہئے تھا جس طرح سے آپ دیکھ رہے ہیں۔ آج صورتحال کچھ اور ہونا چاہیئے تھی، آج پاکستان میں واقعاًجشن کا سماں ہونا چاہیئے تھا۔ آج پاکستان میں بہت اہم روئیداد یاد ہونی چاہئے تھی لیکن مجموعی طور پر دیکھیں کہ میڈیااور حالات بتانے والوں نے غیر سنجیدہ ماحول پیدا کردیا ہے۔

# اسلامی مملکت کیلئے علامہ اقبال ؒ کا نظریہ:

پاکستان کی تشکیل کے بعد پاکستان کی تعمیر و ترقی تھی۔ پاکستان جن مقاصد کے حصول کیلئے وجود میں آیا تھا ان مقاصد کا حصول اور وہ راہیں طے نہیں ہوئیں کیونکہ پاکستان بننے کے فوراً بعد ایسے طبقات آئے جنہوں نے قوم کا راستہ ہی بدل دیا۔ علامہ اقبالؒ جنہو ں نے ایک مملکت کا جامع تصور پیش کیا کہ مملکت کی کیوں ضرورت ہے؟ نہ ان وجوہات کیلئے جو عموما بیان کی جاتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ کی مملکت کی تصویر بالکل مختلف ہے۔ علامہ اقبالؒ یوں نہیں کہتے تھے کہ کیونکہ ہندو تنگ کرتے ہیں لہذا ہمیں سکھ چین کیلئے ایک الگ اورمحفوظ جگہ چاہئے۔ علامہ اقبال ؒ یہ نہیں کہتے تھے کہ ہمیں اس لئے مملکت چاہئے کہ یہ ہمیں یہاں مارتے ہیں اورہمارے پلاٹوں پر قبضہ کرلیتے ہیں یا یہاں ہم ووٹ میں ہار جاتے ہیں اس وجہ سے ہمیں الگ مملکت چاہئے

علامہ ؒیہ فرماتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں ، اللہ پر ایما ن رکھتے ہیں۔ ہمارے مسلمان ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ ہمارا نظام بھی اللہ کا ہو۔ جب ہمارا ایمان اللہ پر ہے تو ہمارا نظام بھی اللہ کا ہی ہو۔ اور کتاب خدا میں اللہ کا نظام موجود ہے، سنتِ رسول اللہ ﷺ وتعلیماتِ آئمہ ؑ میں یہ نظام موجود ہے، بزرگان و اولیا کے تذکروں میں یہ موجود ہے۔ تو پھرکیوں ہم اللہ کا نظام ہوتے ہوئے نظام ِ خدا سے محروم ہوں اور نظام ِ طاغوت، نظام ِشرک و نظام ِ کفر کے سائے میں زندگی بسر کریں ؟ یہ وہ ضرورت تھی کہ جس کی خاطر علامہؒ نے کہا تھا کہ ہمیں مملکت و ملک چاہئے ، ہمیں جدا سرزمین چاہئے ورنہ دوسرے جو رفاہی تحفظات ہیں یہ تو اس مملکت (ہندوستان)میں بھی ہوسکتے تھے انکے ساتھ رہ کر بھی ہوسکتے تھے۔ جیسے اگر شیعہ چاہے کہ محفوظ رہے توہوسکتا ہے کہ وہ کسی بھی ریاست میں محفوظ ہو! ہندو ملک میں چلا جائے وہ اس کو تحفظ دے سکتا ہے۔ سکھوں یا عیسائیوں میں چلا جائے وہ اسکو تحفظ دے دینگے۔ ابھی پاکستان کے علاوہ پور ی دنیا میں شیعہ محفوظ ہے، یورپی ممالک میں محفوظ ہیں ، روس، امریکہ، برطانیہ میں شیعہ ہیں اوروہ وہاں پر محفوظ ہیں ، پس وہ اس بات پر راضی ہیں کہ شیعہ وہاں چلا جائے جہاں محفوظ ہے۔ کیا آپکا فقط محفوظ رہنے کا مقصد ہے کہ کوئی آپکو نہ چھیڑے یا جہاں آپ کو راشن ز یادہ ملے! کیا آپکا یہ مقصد ہے کہ جہاں آپکو تحفط مل جائے وہ آپ سر زمین اپنالیں۔ جبکہ بعضوں کے ذہنوں میں یہ تصور ہے۔

# امام حسین ؑ کا مقصد نظام الٰہی کی حفاظت:

سید الشہدا ؑ جب مدینہ سے نکلے اور قیام شروع کیا تو بھائی محمد ابن حنفیہ نے یہ مشورہ دیا جوتاریخوں میں لکھا ہوا ہے۔ محمد ابن حنفیہ جو امام حسین ؑ کے بھائی ہیں۔ اگرچہ ان کی والدہ الگ ہیں لیکن وہ بھی امیر المومنین ؑ کے فرزند ہیں۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ آ پ مکہ چلے جائیں اور کعبہ کے اندر پناہ لے لیں اگر کعبہ میں محفوظ ہوئے تو وہیں رہنا اور اگر کعبہ میں محفوظ نہ رہے تو نکل کر یمن چلے جائیں کیونکہ یمن میں آپکے ماننے والے موجودہیں۔ اگر وہاں تحفظ ہوا تو ٹھیک اگر یمن میں بھی محفوظ نہ ہوئے توصحرائے عرب جو سعودی عرب اور یمن کے درمیان علاقہ ہے وہاں ٹیلوں کے اندر غاریں بنی ہوئی ہیں ان غاروں کے اندر چھپ جانا اور اس وقت تک غاروں میں چھپے رہنا جب تک یزید کی موت کی خبر نہیں آجاتی۔ جس دن آپ کو پتہ چلے کہ یزید مر گیا ہے اس دن غاروں سے نکل آنا چونکہ اس دن خطرہ ٹل جائیگا۔ سید الشہدا ؑ نے جب یہ جملہ بھائی سے سناتو تعجب بھی کیا اوربھائی سے کہا کہ تو نے میرے ساتھ ہمدردی دکھائی، خدا تجھے جزائے خیر دے، تو نے اپنی بات کرنی تھی کردی لیکن یہ آپ جان لیں کہ میرا مقصد تحفظ نہیں ہے کہ میں غاروں میں جا کر چھپ جائوں ، یمن میں جا کر چھپ جائوں یا کعبہ میں جا کر چھپ جائوں ! میں اس لئے امام نہیں ہوں کہ اپنے آپ اور اپنے کنبے کو کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچادوں۔ جو آج مسلمانوں نے سمجھ لیا ہے کہ تحفظ ہماری اہم ترین ضرروت ہے! امام حسین ؑ فرماتے ہیں کہ محفوظ ہونے کیلئے میرے پاس بہت سارے راستے موجودہیں کہ میں محفوظ ہوجا ئوں گالیکن نظام ِخدا، دینِ خدا، بندگان ِخدا، مخلوقِ خدا تومحفوظ نہیں ہے۔ جب نظام ِ خدا محفوظ نہیں اور میں محفوظ ہوجائوں تو اس طرح میں نے اپنا حق ادا نہیں کیا۔

# تشکیل پاکستان کا مقصد الٰہی نظام کا نفاذ

شایدبہت ساروں کی یہ فہم ہو کہ پاکستان مسلمانوں کے تحفظ کیلئے بنا کیونکہ اس مشترکہ ملک میں تحفظ نہیں تھا، مسلمان محفوظ نہیں تھے اور یہا ں محفوظ ہوگئے۔ البتہ جو محفوظ ہوئے وہ سب کے سامنے ہے لیکن وہ تحفظ کو ضرورت سمجھتے ہیں جبکہ علامہ اقبالؒ ایسے نہیں سمجھتے تھے کہ ہم یہاں پر محفوظ ہوجائینگے یہ تحفظ وہاں بھی مل سکتا تھالیکن مملکت کی ضرورت اس لئے ہے کہ خدا پر ایمان رکھنے والے اللہ کے نظام کے سائے میں زندگی بسر کریں۔ لا الہ تکرار کرنے والے لا الہ کے سائے میں زندگی بسر کریں۔

یہ ہمارا نعرہ ہے کہ

پاکستان کا مطلب کیا لاالہ الا اللہ

اوراس لا الہ الا اللہ کی تشریح علامہ اقبالؒ نے کی تھی کہ لا الہ کس کو کہتے ہیں ؟ لا الہ الا اللہ کیا ہے؟ وہ لا الہ انسان کو کہتا ہے کہ نظا م ہو، مملکت ہو، سرزمین ہو۔ اس لئے خدا نے یہ سرزمین دی ہے۔

لیکن مملکت بن گئی، امت نے قربانیاں دیں ، شہدا دیئے، در بدر ہوئے، گھر بار چھوڑے، املاک و اموال سب کچھ قربان کر کے اس سر زمین کے اندر آ پہنچے لیکن بیچ میں بہت کچھ فراموش ہوگیااور اس فراموشی نے ہمیں مشکل میں ڈال دیا۔

# اقبال ؒ کوچھوڑ کر، سر سیّد کو اپنا لینا!

ایک فراموشی یہ تھی کہ ہم علامہ اقبال ؒکو بھول گئے، علامہ اقبال ؒکی جگہ ہم نے سر سید کو پکڑ لیا۔ یہ آج سر سید کا پاکستان ہے، سر سید نے کہا کہ پاکستان یعنی مسلمانانِ برصغیر کی ترقی و تکامل و راہ نجات فقط مغربی طرز ِ زندگی میں ہے اورانگریز پرستی و یورپ پرستی میں ہے چونکہ و ہی ترقی کا نمونہ و معراج ہیں اور ہمیں وہاں پہنچنا ہے لہٰذ ا نہی کی راہ پر ہم چلیں۔ ان کی زبان بولیں ، انکا لباس پہنیں ، انکی بودوباش اختیار کریں ، انکی طرز کو اپنائیں اور ہم نے اپنا لیا۔

# سرسید ، شیعہ و سنی دونوں کے آئیڈ یل :

اتفاقا ًسر سید کی راہ چلنے میں کوئی شیعہ سنی اختلاف نہیں ہے، اس پرسب متفق ہیں۔ جب امام صادق ؑ کی بات آجائے تو پھر جھگڑ پڑتے ہیں ، جب علی ؑ کی بات آجائے تو لڑ پڑتے ہیں لیکن سر سید کی بات پر دونوں اتفاق رکھتے ہیں۔ اگرکسی کو شک ہے تو پوچھ لے۔ شیعوں سے پوچھو ان کے بچے کہاں پڑھتے ہیں ؟ سنیوں سے پوچھ لوکہ انکے بچے کہاں پڑھتے ہیں ؟ کس طرز تعلیم میں ہیں ! کیا کر رہے ہیں ! ان کے گھر کا نظام کیسا ہے! سر سید نے انہیں بتایا کہ اردو بو لو گے تو پسماندہ شمار ہوں گے پس اردو سے نفرت کرو! اور ایسے ملک میں انگلش بولو جو آپ کو ملأ توہے لیکن اس پر انگریز ی سایہ ہونا چاہئے اور وہ ہم نے مان بھی لیااور اپنابھی لیا۔ پھر ہمیں سر سید کی راہ کا پرچار کرنے والے ملے، اس کی راہ کو پھیلانے والے ملے، ادارے بنانے والے ملے، انہوں نے سر سید کی راہ پر انویسٹمنٹ کی اور آج نظام ِ سر سید نے یہ گل کھلائے ہیں۔

# سرسید سیکولر نظام کے داعی

سرسید نظام یعنی سیکولر نظام یعنی آپ دین کو چھوڑو، اللہ کو چھوڑو، قرآن کو چھوڑو وہ فقط ثواب کیلئے ہے۔ وہ آپ کا ایک انفرادی مسئلہ ہے ان کو انفرادی طور پر رکھو لیکن نظام و مملکت قرآنی نہیں ہونا چاہئے بلکہ انگریزی ہونا چاہئے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپکی عدالتیں ، نظام ِتعلیم، معیشت اورقانون ابھی تک انگریزی ہے۔ انگریز ی سے مراد نہ زبان بلکہ وہ نظام جو انگریز نے بنایا وہی یہاں موجود ہے۔ یہ نظام سیکولر لوگوں نے بنا کران کو دیا۔ یہ۶۸ سال سے سیکولر پاکستان کانقشہ آپ کے سامنے آگیا۔ اقبالؒ کو بھول گئے جس نے اس مملکت کا تصور دیا تھا اس کو فراموش ہی کر گئے۔ ملتِ پاکستان کی اقبال فراموشی سب سے بڑی غلطی ہے جو اس سے کروائی گئی ہے اور جس کے نتیجے میں آج ۶۸سال، ہر سال گزشتہ سال سے بدتر گزر رہا ہے یہ ایک فراموشی ہے۔

# ملت کا خدائی اصولوں کو بھول جانا:

ہم اللہ کے اصول بھول گئے، انہیں فراموش کردیا۔ ہم نے ایک بحث کی ہے جو جاری ہے انشا اللہ اس کو تکمیل کرینگے’’ سنن الٰہی در قرآن‘‘

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبْدِیْلاً وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحْوِیْلاً

(سورہ فاطر: ۴۳)

سنن کہتے ہیں ان قواعد، اصول، ضابطے کوجو تمام بشریت کیلئے خدا نے مقرر کیئے ہیں ، یہ سابقہ اقوام، موجودہ اقوام اورآنے والی اقوام کیلئے قانون، راستہ اورضابطہ ایک ہے۔ قرآن ان کو سنن کہتا ہے یہ دو قسم کے قاعدے، ضابطے اوراصول ہیں۔ ایک نجات اورترقی کے قائدے ہیں اور دوسرے ہلاکت وزوال کے قائدے ہیں۔ اس میں نظام ِعروج و عظمت اور نظام ِ زوال و پستی دونوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن میں بڑی خوبصورتی اوروضاحت کیساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ بعض مومنین تبصرہ کرتے ہیں جب قرآن کی آیت سنتے ہیں اورتعجب کرتے ہیں کہ اتنی وضاحت سے قرآن نے بیان کیا ہوا تھا اور ہم بے خبر بیٹھے تھے۔

سنن الٰہی در قرآن کی بحث:

چونکہ ہمارا قرآن سے سروکار نہیں ہے قرآن کریم کے کئی ضابطے ہیں یہ ساری بحث ’’سنن الٰہی در قرآن ‘‘اگر وقت ہو توآپ یہ گفتگو ضرور سنیئے گا۔ اگرچہ یہ مشرب ناب میں چھپ بھی رہی ہے۔ یہ گفتگو اسی لئے شروع کی ہے تاکہ ہم قرآنی قواعد و اصولوں اور الٰہی نظام سے آشنا ہوں اور پھر یہ دیکھیں کہ ہمارے ساتھ یہ جو کچھ رونما ہورہا ہے یہ کس بنیاد پر رونما ہورہا ہے۔ اس میں ہم نے کیا کیا؟ جس کے نتیجہ میں آج یہ پاکستان کے اندر حالات موجود ہیں۔ درحقیقت ہم نے اللہ کے اصول پائمال کیئے ہیں اورجھٹلائے ہیں۔ سب نے مل کر انکا انکار کیا ہے۔ اس میں کوئی شیعہ یا سنی نہیں کہہ سکتا کہ فلاں فرقہ نے یہ کیا ہے میں نے نہیں کیا بلکہ سب نے کیا ہے!

پاکستان میں شیعہ سنی نے ملکر اللہ کے اصولوں کو چھوڑا اورترک کیا ہے۔ اس کے بجائے ایسے ہلاکت وزوال کے اصول اپنائے ہیں کہ جس کے نتیجے میں آج زوال پذیر ہوتے جا رہے ہیں۔ روز بروز حالت بدتر ہوتی جارہی ہے۔ ان اصولوں میں سے ایک ضابطہ جس کی طرف اشارہ کرونگا کچھ سننِ الٰہی میں اشارے ہوئے بھی ہیں اور انشاء اللہ تفصیل کیساتھ بیان ہونگے۔

# قوم کی تبدیلی قوم کے ہاتھ میں :

اللہ تعالیٰ کاایک قانون یہ ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد: ۱۱)

خدا نے کسی قوم کی حالت نہیں بدلی، یہ قوم کے جو حالات ہیں انہیں خدا نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی حالت نہیں بدلتی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے اور اس ضابطے کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس آیت کے اندر قو م کیلئے حالت بدلنے کا قانون اللہ تعالی نے ذکر کیا ہے۔ خداکبھی بھی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا۔ لا یغیِر۔ یہ ذہن میں رکھ لو! کیونکہ اللہ کا فرمان ہے اور اللہ کا فرمان سچ ہے، اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتاجب تک وہ قوم خود اپنی حالت نہ بدلے۔ یہاں مقصودیہ نکتہ بیان کرنا ہے کہ اللہ کا یہ قانون ہے کہ قوم اپنی حالت بدلے!

# خدا نے کسی کو تماشائی پیدا نہیں کیا!

پاکستان بننے کے بعد سے ابھی تک ایک اور المیہ رونما ہوا یعنی فریضہ فراموش ہواپس قوم کو اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ آج قوم کے بجائے قوم کے اوپر مسلط لوگ قوم کی نیابت میں سب کچھ کر رہے ہیں۔ جبکہ اس کو قوم کانام دیتے ہیں اور قوم تماشائی بن گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو تماشائی نہیں بنایا بلکہ ہر قوم کو فریضہ دیا ہے، اسے ذمہ داری دی ہے، اس کا مقصد بنایا ہے، تماشائی نہیں بنایا۔ ہم یہ بات ذہن میں رکھ لیں کہ کسی فرد کو اللہ نے اس جہان میں تما شائی نہیں بنایا۔ تماشائی سے مراد یہ کہ کچھ لوگ ہیں جو وہ تمہارے سامنے کوئی عمل کرینگے اور تمہارا کام انکے عمل کو دیکھ کر رونا یا ان کے لئے ہنسنا ہے۔ جیسے پاکستانی کرکٹ ٹیم ہے، گیارہ آدمی کھیلیں گے اور بائیس کروڑ یاتو روئیں گے یا ہنسیں گے، اگرچہ زیادہ تر روتے ہی رہتے ہیں۔ پاکستان میں کرکٹ یہ ہے کہ گیارہ کھیلنے والے ہیں اور بائیس کروڑ رونے والے۔ اس سے تو کبھی بھی آپ کرکٹ نہیں جیت سکتے۔

# ملکی وقومی وقار کو خطرہ!

آپ کرکٹ کے حامی ہیں ، کرکٹ کیلئے آنسو بہانے والے ہیں لیکن کرکٹ کے کھلاڑی نہیں ہیں۔ کھیل میں ممکن ہے اور حرج بھی نہیں ہے کہ کرکٹ میں ہاربھی جائیں تو کوئی پاکستان کی آبرو خطرے میں نہیں پڑتی لیکن خدانخواستہ پاکستان اگرہار جائے، دین ہارجائے، اپنا قومی وقار ہار جائیں تویہ مصیبت ہے اور وہ ہوگیا ہے۔ ہم قومی وقار ہار گئے ہیں ، ملکی وقاردائو پر لگاکر ہار گئے، ہم کیوں ہارے؟ اس نکتۂ قرآن سے غفلت کی وجہ سے کہ یہاں قوم کا کردار بنتا ہے۔ قوم تماشائی نہیں ہے۔ بلکہ تغیُّر میں قوم اصل بنیاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ

# ملأ و خود ساختہ نمایندوں کا قبیح کردار:

قرآن کریم نے ایک اور اصطلاح استعمال کی ہے اور ہم نے بھی مختلف مواقع پراس کی وضاحت کی ہے۔ لفظ’’ملأ‘‘ بعض لوگ غلط تلفظ کرتے ہیں اصل لفظ ملأ ہے جس طرح خلأ ہے۔ قرآن ان لوگوں کو ملا ٔکہتا ہے جو قوموں پر مسلط ہوجاتے ہیں اور قوم کے خود ساختہ نمائندے، خود ساختہ ترجمان اورنائبِ قوم بن جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو قوم کے مساوی سمجھتے ہیں۔ اگر انہیں گرمی لگے توکہتے ہیں کہ قوم کو گرمی لگ رہی ہے، اگر انہیں سردی لگے توکہتے ہیں قوم کو سردی لگ رہی ہے۔ اگر انہیں کھانا مل جائے تو قوم کا پیٹ بھر گیا ہے اگر نہ ملے تو کہتے ہیں قوم بھوک سے مر رہی ہے۔ اگر وہ جیل چلے جائیں تو قوم خطرے میں ہے اور وہ گھر میں ہوں کہتے ہیں قوم محفوظ ہے۔ وہ ہر چیز میں اپنے آپ کو قوم کے مساوی سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس طبقہ ٔ ملا ٔکا ذکر کیا ہے۔

# قوم اہداف کو چھوڑ کر فائدوں کے پیچھے

ان قرآنی اصولوں کی طرف توجہ فرمائیں کہ جب قوم تماشائی بن جائے، قوم اسٹیڈیم نشین بن جائے، قوم گھروں میں جا بیٹھے، قوم اپنا میدان ترک کردے تو اس صورت میں ملأ اسکی جگہ پر آکر قومی رول ادا کرنا شروع کردیتے ہیں اور اس قوم کو زوال سے کوئی نہیں بچائیگا۔ اس طرح اللہ بھی انکی حالت نہیں بدلے گا۔ ملا ٔکے ذریعے خدا کبھی حالت نہیں بدلتا۔ پاکستان کا المیہ یہ ہوا کہ قربانیاں قوم نے دیں اور پھر قوم نے باقی ادھورا کام چھوڑ دیا، باقی کام ترک کردیا اورمنزل کو تکمیل تک نہیں لے گئے۔ اب اس کووہیں چھوڑ کر صلے کے پیچھے پڑگئے۔ وہاں سے کچھ لوگ اصلی یا جعلی (Claim)کلیم لیکر آگئے کہ ہم اپنی اتنی جائداد وہاں چھوڑ کر آگئے ہیں اب ہمیں اتنی جائداد ملے وہ کبھی اس صوبے میں ، کبھی اس صوبے میں ، کبھی اِ س ضلعے میں ، کبھی اس ضلعے میں جاتے تھے۔ جونہی پاکستان بنا اور وجود میں آیا کچھ لوگ یہاں سے املاک چھوڑ کر بھارت چلے گئے اور کچھ لوگ بھارت سے ہجرت کرکے یہاں آئے۔ جو املاک یہاں چھوڑ گئے جو یہاں پہلے بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے اس قبضہ شروع کردیا جو وہاں سے آئے وہ کلیم لیکر آئے کہ ہمیں کچھ اس کے بدلے میں دو اور اصل قوم ان چیزوں کے پیچھے پڑ گئی کہ کس کو کہاں پلاٹ ملے، کس کو کہاں مربع ملے، کس کو کہاں کوٹھی ملے، کس کو کہاں بنگلہ ملے اور وہ ادھورا کام وہیں رہ گیا۔ مملکت بنی اور اصل کام مملکت بننے کے بعد شروع ہونا تھا۔

# افکارِ اقبال ؒ کے احیاء کی ضرورت

مملکت بننے کے بعد قوم کو میدان میں رہنا چاہیے تھا۔ اس تغیّر کو جو ہوا تھا یہ تبدیلی تکمیل تک پہنچانی چاہیے تھی اور در حقیقت تکمیل و تغیر کے امام سے رائے لینی چاہیے تھی۔ علامہ اقبالؒ کا ان کووہ الٰہ آباد کا صرف ایک خطبہ یاد رہا۔ علامہ اقبال ؒ کے الٰہ آباد کے خطبے سے زیادہ علامہ اقبا لؒ کا نظریہ ان کے کلام ِمثنوی اورکلیاتِ اقبال فارسی و اردو میں موجود ہے کہ جہاں اقبالؒ فرماتے ہیں کہ کس طرح یہ قوم و مملکتِ مسلمان یہاں سے اپنی تعمیرِ نو کرے! اوراسطرح الٰہی نظام کو برپا کرے اور اللہ کا نظام قائم کرے، کون سا راستہ چلے، کس چیز کو چھوڑے لا کہے، الہ کہے علامہ ؒنے یہ تما م جزیات تفصیل کیساتھ بیان کی ہیں جبکہ ہم نے وہ سبق چھوڑ دیا اس کی جگہ زمینوں پرقبضے میں لگ گئے یا زمینوں کے کلیم میں لگ گئے۔ اس طرح ملا ٔکو موقع مل گیااورقوم بیچ میں سے ہٹ گئی۔

# ملا ٔ سے نجات کی ضرورت:

امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ ہمیشہ ملت کو یہ فرماتے تھے کہ کبھی بھی میدان کو ترک مت کرنا! ’’حضور در صحنہ ‘‘یہ فارسی زبان میں امام خمینیؒ کی اصطلاح ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ میدان میں رہو، کبھی میدان کو ترک مت کرو! اگر قوم میدان کو ترک کرے تو اس قوم کے ملا ٔقوم کے خود ساختہ نائب بن کر قوم کی جگہ پر آکر خیانت شروع کردیتے ہیں۔

پاکستانی قوم کا جو کردار بنتا تھا وہ اس سے ادا نہیں ہواجبکہ ملا ٔنے آکر اس قوم کو اس ڈگر پر ڈال دیا کہ جہاں پر آج ہم جا رہے ہیں اور ابھی تک قوم میں یہ احساس بیدار نہیں ہوا کہ قوم کا بھی کوئی کردار بنتا ہے۔ مملکت ملا ٔکے سپرد کردی۔ ملا ٔنے ہی اس مملکت کو نابود کیا ہے۔ ملأ نے پاکستان کا یہ حال کیا ہے جو آج عبرت کا نمونہ بناہواہے۔ ہمیں ان ملأسے نجات کی ضرورت ہے اور وہ قوم کی بیداری و آگاہی کے ذریعے سے ہی ممکن ہے۔

# سیکولر لوگوں کا پاکستان کو تباہ کرنا!

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد: ۱۱)

قوم کی حالت خدا اس وقت بدلے گاجب قوم خود اپنی حالت کو بدلے گی۔ پاکستان میں ۱۴اگست کو تکمیل تک پہنچانے کی پہلی ضرورت قوم کی بیداری ہے۔ اس وقت سیکولر پاکستان ہے جو سیکولر لوگوں نے بنایاہے۔ پہلے بھی اشارہ کیا تھا کہ پاکستان کی تباہی سیکولر لوگوں کے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔ انہوں نے مذہب اورمذہبی لوگوں کو استعمال کیا۔ جس کے نتیجے میں مذہب سے بھی لوگوں کو متنفر کیا۔ سیکولر طبقے نے مملکت کو نابودکرکے انہوں نے خیانت اوربہت بڑا جرم کیا کیونکہ پاکستان میں تحقیقی ماحول نہیں ہے نہ تعلیمی ادارے میں ہے نہ سرکاری و عوامی ادارے کے اندر ہے بلکہ تحقیق ہمارے مزاج میں شامل ہی نہیں ہے۔

# مسلمانوں کا پیر پرستی کا رجحان

علامہ اقبالؒ کی بہت خوبصورت نظم ہے وہ ضرور پڑ ھیے گا اور وہ اپنی ملت کا بہت بہترین تجزیہ ہے کہ مسلمان کی طبیعت میں یہ ہے کہ یہ فورا ً پیر کے جھانسے میں آجاتا ہے اور تقلید کی وادی میں فورا ًاتر جاتا ہے۔ دام اور پھندے میں فوراً گھر جاتا ہے لیکن تحقیق کے میدان میں قدم نہیں رکھتا۔ تحقیق اس کے مزاج کے ساتھ سازگارہی نہیں ہے، اس سے اسکی طبیعت خراب ہوجاتی ہے۔

ہمارے بزرگان بتاتے ہیں کہ ایک محترمہ تھیں وہ نماز نہیں پڑھتی تھیں لہٰذا باقی سارے گھر والے ان کوکہتے تھے کہ نماز پڑھا کریں تو وہ کہتی تھیں کہ نماز مجھے راس نہیں آتی۔ ایک دن ماہِ رمضان میں ان سے اسرار کیا اور نماز پڑھوالی! نماز پڑھتے ہوئے انکو بِھڑ نے کاٹ لیا تو انکا چہرہ سوجھ گیا تو وہ کہنے لگیں کہ میں تمہیں بتاتی تھی کہ نماز مجھے راس نہیں آتی آپ نے زبردستی پڑھوائی ہے اب دیکھو میرا کیا حشر ہوگیا ہے۔

# میڈیا کے لئے ڈوبنے کا مقام!

اسی طرح پاکستان میں پاکستانیوں کو تحقیق راس نہیں آتی۔ پاکستان میں جعلی سندیں بنتی ہیں واشنگٹن پوسٹ تحقیق کرتا ہے۔ پاکستان میں دو سال پہلے ملا عمر مر گیا یہ کس نے تحقیق کی؟ واشنگٹن پوسٹ نے! میڈیا کیوں اودھم مچائے ہوئے ہے؟ کیا انکو اسی دن سارے چینل شرمندگی کیساتھ بند نہیں کر دینے چاہیے تھے! کہ دو سال پہلے یہ تمہارابڑا مجاہد جسکو میڈیا نے امیر المومنین بنایا تھا، یہ میڈیا کا امیرلمومنین مر گیا، میڈیا یتیم ہوگیا اور ان یتیموں کو یہ نہیں پتہ چلا کہ ان کا باپ کب مرگیا؟ میڈیابند کردینا چاہئے تھا۔ واشنگٹن پوسٹ تحقیق کر کے تمہیں بتائے کہ دو سال پہلے وہ بھی کراچی میں مر گیا!

# تحقیقات سے دُوری، ہمارا قومی مزاج

اب کیا ہونے والا ہے؟ تحقیق نہیں کرتے! نہ تحقیقی صحافت ہے نہ تحقیقی یونیورسٹیاں ہیں اورنہ ہی تحقیقی ادارے ہیں بلکہ سارا کام مافیائی طریقے سے کرتے ہیں۔ سب کامافیائی سٹائل ہے۔ مذہب میں بھی تحقیق نہیں ہے۔ شیعہ سنی کے اندر کسی کے ہاں بھی تحقیق کا رجحان نہیں ہے۔ اصلاًتحقیق کو پسندہی نہیں کرتے ہمیں محقق اچھے نہیں لگتے جبکہ ہمیں مداری اچھے لگتے ہیں اوردوسرے بازی گر اچھے لگتے ہیں۔ آپ تحقیق کریں کہ پاکستان کے اندر سیکولر طبقے نے کیا کیا ہے؟ واشنگٹن پوسٹ سے کہیں کہ وہ تحقیق کر کے انکو بتائے کہ پاکستان کے اندر سیکولر طبقے نے کیا کیا؟ جتنے دہشت گرد بنائے ہیں یہ انہوں نے اس ملک کے اندربنائے ہیں۔

# سیکولر زکا مذہبی طبقے سے استفادہ:

اس سیکولر طبقے نے مذہبی لوگوں کو استعمال کیاتھا۔ ان کے پیچھے تھنک ٹینک مذہبی نہیں تھے۔ ان سیکولرنے بنا کر اپنی ضرورتوں کے تحت دو ہدف حاصل کیے۔ ایک اپنے دنیاوی مقاصد، اپنا اقتدار حاصل کیا اوردوسرا مذہب کو بدنام کر کے مذہب سے لوگو ں کو دور کیا، مذہب کی صورت مسخ کر کے پیش کی۔

آپ توجہ کریں داعشی عمل میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا لوگو بنایاہوا ہے اور اس کو پرچم کے اوپر لکھ کرنیچے گلا کاٹا جاتا ہے۔ لا الہ لکھ کر آگ لگائی جاتی ہے، لا الہ لکھ کر بم باندھا جاتا ہے، لا الہ کیساتھ جوڑ کر سارے کام ہور ہے ہیں ، یہ کون کرا رہا ہے؟ ترکی! داعش اورتکفیری لشکر کا سب سے بڑا سپورٹر تر کی ہے جو کہ سیکولر ہے۔ ایک سیکولر ملک کو کیا پڑی ہے کہ تکفیری لشکرو ایک مذہبی گروہ کے اوپر اتنا خرچہ کر رہا ہے۔ پاکستان کے اندریہی حال سیکولرز نے پاکستان کا کیا ہواہے! سیکولر ملا ٔنے یہ سارا کھیل کھیلا ہے۔

# قوم کو ضروریات زندگی میں الجھانے کی سازش

قرآن کا اصول و ضابطہ یہ ہے کہ قوم کی حالت بدلنے کا آغاز قوم سے ہونا چاہئے ملأسے نہیں ہونا چاہیے! ملا ٔکی نیابت کو کالعدم قرار دو اور اسے ختم کرو! یہ ملأ کبھی ہمارے نائب نہیں ہیں۔ قوم میدان میں آئے۔ قوم کو مشکلات میں ڈال دیا گیاہے، کبھی گیس نہیں ہوتی تو کبھی بجلی نہیں ہے، کبھی پانی نہیں ہوتاتو کبھی سیلاب آجاتا ہے قوم کو ان ضروریات زندگی میں الجھا دیا گیا ہے! اور قوم کے بجائے ملأ فیصلے کرنے لگے ہیں اور یہی سب سے بڑا انحراف ہے! آج قوم کا کردار و رول ختم ہوگیا ہے جبکہ قوم کا کام فقط ان لوگوں کو سواری دینا ہے اور انکی خواہشات کی تکمیل کرنا اور تماشہ دیکھنا ہے کہ اب کیا ہوتا ہے؟ قوم فقط یہ دیکھ رہی ہے کہ اب کیا ہوتا ہے؟ اس سے کبھی حالت نہیں بدلے گی۔

# علامہ اقبال ؒ کا اعلان خطر!

آپ کے پاس رہنما موجود ہے۔ وہی علامہ اقبال ؒکی راہ و فکر موجود ہے، مصوّر ِپاکستان کا پاکستان بنائیں ! آپ نے ابھی تک سرسیداورٔٔکا پاکستان دیکھا ہے۔ اب علامہ اقبالؒ کا پاکستان، وہ مملکت جس کا تصوّر علامہ اقبالؒ نے دیا اوراس کی تشریح کی۔ علامہؒ نے فرمایا کہ یہاں نظام کون سا ہوگا؟ اور ہمیں کونسا نظام نہیں چاہئے۔

علامہ اقبال ؒکی شدید تا کید تھی کہ ملوکیت نہیں ہونا چاہیے، بادشاہت نہیں ہوناچاہیے، جاگیرداری نہیں ہوناچاہیے اور جمہوریت بھی نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ جمہوریت وہ دام ہے جس میں جمہور کی جگہ آ بیٹھتا ہے۔ جمہوریت کے ذریعے سے جمہور کا نائب اورقائم مقام بن کر بیٹھ جاتا ہے جبکہ جمہور کو تماشائی بنا دیتا ہے۔ اس لئے علامہ کا وہ شعرجو پہلے بھی پڑھا تھا حرج نہیں ہے کہ یہاں بھی آپ کو سنادوں کہ

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کاری شو

کہ از دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید

طرز جمہوری کو چھوڑ! کسی پختہ کار امام، رہبر کا دامن تھام یہ اقبال ؒ کا نظریہ ہے، یہ نظام ِ اقبال ہے کہ اس مملکت کے اندر تو نے کیا کرنا ہے؟ طرزِ جمہوری سے بھاگ اور کسی پختہ کار رہبر کا دامن تھام لے اور تو اسکا غلام بن۔ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ دو سو گدھے ملکر ایک انسان کی طرح نہیں سوچ سکتے۔ دو سو گدھے اگر جمع ہوکر اسمبلی بنالیں تو اس سے تجھے کبھی انسانی راستہ نہیں ملے گا۔

# کھلاڑی ملک نہیں چلا سکتے!

انسانیت کیلئے اللہ نے امام بنایا ہے اور ذکر کیا ہے کہ قوموں کی راہ میں راھزن ملأہے جو آئمہ سے ان کو دور کردیتے ہیں۔ جو نبیوں سے انکو دور کردیتے ہیں۔ جو اللہ کے نظام سے انکو دور کردیتے ہیں۔

پاکستان کا قرآن سے اور قرآنی اصولوں سے دوری کا المیہ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ابھی یہ پارٹی آئیگی، ابھی یہ تحریک آئیگی، ابھی وہ جیتے گا۔ یہ ملت پاکستان کی سب سے بڑی کمزوری ہے کہ یہ تماشائی ہے جس طرح کرکٹ میں کہتے ہیں وہ بلے باز آئیگا میچ کا پانسہ پلٹ دیگا، وہ چھکے مارے گااور یہ کردیگا وہ کر دے گا۔ آپ نے قومیات اور مملکت کو بھی کر کٹ کی گیم بنالی ہے کہ فلاں چھکے مارنے والا آئیگا فلاں کرکٹر آئیگا! آخر کار بلے باز ہی میدان میں لے آئے کہ مملکت بنانے کیلئے آکر چھکے مارو۔ قوموں کا کام قوموں نے کرنا ہے قوموں کا کام ٔ نے نہیں کرنا۔ قوم نے کیوں میدا ن ٔ ٔ کو دے دیا؟ یہ سب سے بڑی غلطی ہے! اس کی تلافی کی ضرورت ہے۔ ۱۴ اگست درحقیقت توبہ کا بھی دن ہے کہ ہم نے اپنی مملکت کی تقدیر اور سر نوشت سے غفلت برتی اوراس سے لا تعلقی اختیار کی۔ ہم تماشائی بن گئے اور ٔ ٔ مملکت کو لے گئے اور انہوں نے یہ حال بنا دیا ہے۔

# علامہ اقبال ؒ کاراستہ

اس کا راہِ حل کیا ہے؟ پاکستانی قوم پاکستان کی خاطر میدان میں آئے اور اپنی ذمہ داریاں ادا کرے اور علامہ اقبالؒ کا راستہ طے کرے۔ اس عظیم انسان نے جوکچھ آپ کیلئے ذکر کیا وہ خودسے ذکر نہیں کیا۔ آپ اس بات پر یقین کرلیں کہ اقبال ؒنے خود اپنی فکر سے یہ سب کچھ پیش نہیں کیا کیونکہ بعض اوقات انسان سوچتا ہے کہ ایک انسان اتنے نورانی راستے طے نہیں کرسکتا وہ بھی ایک شخص جس نے یورپ میں جاکر پڑھا ہولیکن آکریہاں لکھا ہو اوروہ جوان لوگوں میں رہا ہو۔ ان کے ساتھی معلوم ہے کہ سارے کس طرح کے تھے، اٹھنے بیٹھنے والے، سیاسی ساتھی، علمی ساتھی، علامہ اقبالؒ کے اساتذہ میں معلوم ہے کیسے تھے لیکن اسکے بعد یہ بھی وہ خودکہتے ہیں کہ یہ سب کچھ مجھے عطا ہوا ہے! کس سے عطا ہوا ہے؟ علامہؒ فرماتے ہیں راتوں کو رونے سے عطا ہوا ہے! گریہ ہائے شب سے عطا ہوا ہے! سحر خیزی سے عطا ہوا ہے! وہ نالہ و فریاد سے عطا ہوا ہے! وہ درد جو خدا نے مجھے دیا تھا یہ اس سے عطا ہوا ہے! آپ وہ عطیہ دریافت کریں۔

# آزاد پاکستان کا جشن!

پاکستانی قوم کیلئے یہ راہِ حل موجود ہے کہ ہم سب اس کوپڑھیں اور اسکو اپنائیں انشاء اللہ تعالیٰ۔ خدا کرے کہ ایک ۱۴اگست ایسا آئے کہ حقیقتاً آزاد پاکستان اور پاک پاکستان قائم ہوجائے اور پھرہمارا جشن منانے کا حق بنتا ہے کہ ایسا پاکستان جو کسی کی بھی غلامی میں نہ ہو اور ایسا پاکستان جو کسی بھی آلودگی میں آلود ہ نہ ہو، پاک و پاکیزہ پاکستان اور وہ پاکستان جو غیر اللہ کی غلامی سے آزاد ہو وہ پاکستان انشا ء اللہ بنائیں۔ ابھی راستہ جاری ہے ختم نہیں ہوا۔ ملأ نے یہ پاکستان بنادیا۔ قوم کا کام ابھی باقی ہے قوم کو میدان میں آکر وہ کام ابھی کرنا ہے۔ ا نشاء اللہ

جیسے کچھ لوگ موجود تھے جو پہلے دن سے اس چیزکے قا

71\_08\_SAWALAAT

# سوال: خدا نے کیوں انسان میں طبیعت اور غریزہ رکھاہے؟ کہ جس نے ہمارے لئے مشکلات کھڑی کی ہیں ! کیوں فقط فطرت نہیں بنائی!

جواب: اگر فقط فطرت ہوتی و غریزہ نہ ہوتا تو ہم فر شتے ہوتے انسان نہ ہوتے! خدا نے فرشتوں کے ہوتے ہوئے انسان بنایا۔ کیونکہ فر شتے وہ ضرورت پوری نہیں کر پا رہے تھے جو انسا ن سے پوری ہو نا ہیں فطرت کی جنم گاہ و ولا دت گا ہ طبیعت ہے لہٰذافطرت کو طبیعت کے ساتھ پیدا ہونا ہے۔ طبیعت کھیتی ہے، فطرت پھل اور غریزہ ذریعہ۔ فطرت اس ذریعے کو استعمال کرنے والی قوت ہے۔ فطرت، طبیعت و غریزے کے بغیر ادھوری و بے کا ر ہے کچھ نہیں کر سکتی! جبکہ فطرت کو پنپنا ہے، فطرت کو پر ورش ورشد کرنی ہے اس رشد کے لئے اسے طبیعت اور غریزہ کی ضرورت ہے اور ان غرائز میں سے ایک بھو ک ہے، ایک پیاس ہے چونکہ فطرت کو طبیعت چا ہئے و طبیعت کی بر قرا ری کے لئے غریزہ ضروری ہے چونکہ طبیعت کے اندر جو شعو ر ہے وہ غریزی شعور ہے۔ خدا وند تبا رک تعا لی نے ایک عجیب حکمت کے تحت انسان کی بقاء کا ساما ن، انسان کے اندر رکھا ہے۔ اگر غور کریں تو اسمیں حیر ت کی دنیا ہے، جیسے انسان کے کھانے میں بھی لذت ہے اب با قی لذتیں بھی ہیں۔ کھانے کے اندر خدانے لذت رکھی ہے لذت کیوں رکھی تا کہ یہ بشر ضروری نہیں یہ فطرت شناس بھی ہو ممکن ہے یہ مغلوب بشر ہو! اس کی فطرت مغلو ب ہو چکی ہو اگرچہ اس میں عقل ہے لیکن ممکن ہے ابھی تک نا بالغ ہو اگر کھانا نما ز کی طرح واجب قرار دیا جاتا تواس میں لذت نہ ہوتی۔ اس وقت صرف چند مو لو ی بیٹھ کر کھانا کھا رہے ہو تے با قی سا ری دنیا، گھو م رہی ہو تی ان کو کہتے آئو بھا ئی کھا نا کھا ئو؟ وہ کہتے کھاناآپ کو نصیب ہو۔

خدا وند تبا رک و تعا لیٰ نے بشر کی جو ابتدا ئی ضرورت ہے جسکے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اس کھانے کے اندر لذت رکھ دی اور لذت کو کھا نے کے لیے انسان میں غریزہ رکھ دیا۔ اب کھانا انسان کے وجو د کی ضرورت ہے جبکہ غریزہ ڈیمانڈ لذت ہے، انسان کے اندر کھانے کی ایک حس رکھ دی جبکہ کھانے کو انسا ن لذت کی خا طر کھاتا ہے لہٰذا اگر لذیذ کھانا نہ ہو تو انسان کھاناچھوڑ دیتے ہیں چونکہ اسکے اندر لذت نہیں ہے، لذت خدا کا خود کا ر و آٹو میٹک نظا م ہے جوانسان کے انفرادی وجو د کی بقا ء کاسبب ہے۔ یہ بشر جوممکن ہے نابالغ ہی رہے اوریہ اپنے وجو د کی بقاء کے لئے کھا تا رہے، اگرچہ شعو رکے تحت نہ کھائے لذت کے تحت ہی کھاتا رہے لیکن اسکی ضرورت اسکے اندر منتقل ہو تی رہے، اس لئے خدا نے کھانوں میں لذت رکھی ہے لہٰذا با لغ انسان کھانا لذت کے لئے نہیں کھاتابلکہ ضرورت کے لئے کھاتا ہے لیکن نا با لغ انسان لذت کے لئے کھا تا ہے۔

انسان کی ایک ضرور ت نسل کی بقا ء ہے، اگر نسل کی بقا ء کے لئے خدا نے لذت نہ رکھی ہوتی توکوئی بھی بقا ئے نسل کے لئے ازدواج وشادی نہ کرتا۔ اگر صرف فریضہ ہوتاتو صرف چند مولوی شا دی کرتے باقی اسی طرح سے کنوارے پھرتے اب جبکہ لذت بھی ہے اگرچہ بعض کہیں اور چیزسے لذت پوری کر آتے ہیں ، شا دی نہیں کرتے جبکہ لذتِ نکا ح انسا ن کی نسل کی بقا ء کی ضمانت ہے جو خدا نے رکھی ہے تا کہ نسل انسا ن چلتی رہے۔ اب لذت ضما نت ہے تا کہ یہ کا م ہوتا رہے اوردو سری طرف سے اسکو عقل دی ہے، ہدایت دی ہے کہ یہ لذت حدو د کے اندرہو۔ پس کھانے کی لذت اور نکا ح کی لذت حدود کے اندرہو تا کہ دونو ں مقصد حاصل ہوں ، یعنی انسا ن کا وجو د بھی با قی رہے اور انسان کی نسل بھی باقی رہے۔ اگر اس عمل میں لذت نہ ہوتی تونسل انسانی کب کی زمین سے ختم ہو چکی ہوتی۔ جب تک لذت ہے تب تک فلسفہ لذت کو نہیں سمجھ سکتے لہٰذا لذت جا کر غلط جگہوں سے پوری کر لیتے ہیں۔

ہم جواصل کا م تھا وہ انجا م نہیں دیتے، تیس سال، پینتیس سا ل کا جوان ہو جاتا ہے شا دی نہیں کرتا، لڑکی بو ڑھی ہو جاتی ہے گھر والے شادی نہیں کرتے! کیوں نہیں کرتے؟ ابھی گاڑی نہیں ہے، ابھی بنگلہ نہیں ہے، ابھی ویزہ نہیں آیا، ابھی فلا ں نہیں ہو ا! یہ کس نے کہا ہے کہ شا دی کے لئے یہ ساری چیزیں چا ہئیں ؟ یہ بشر کی ابتدا ئی ضرورت ہے۔ جب آپ کو بھو ک لگتی ہے آپ کھانا مانگتے ہو! کیاماں یہ کہتی ہے کہ ابھی بچہ روزگا ر پر نہیں گیا، اس نے تعلیم مکمل نہیں کی! جب بھوک لگتی ہے تو اسے کہو کہ ابھی تم نے ایم بی اے نہیں کیا، آج کھا نا نہیں ہے! پہلے ایم بی اے کرو پھر کھانا ملے گا! آپ پہلے ما سٹر کر لو پھر کھا نا ملے گا، پہلے کوٹھی لے لو پھر تمہیں کھا نا دوں گی، پانی ما نگو گے نہیں ملے گا؟ پانی کیوں نہیں ملے گا! اسلئے کہ ابھی آپ نے ڈگری نہیں لی، ڈگر ی ضرور لو، تعلیم ضرور حاصل کرو وہ آپ کی ضرورت ہے لیکن کھانے کو تعلیم کے اوپر انحصا ر نہ کرو! کیونکہ اگرکھانا نہیں کھائو گے توآپ کاوجو د ضعیف ہو جائے گا پھرڈگری تک نو بت ہی نہیں آئے گی۔ جب بھو ک لگتی ہے تو کھانا کھائو! کھانے کو دلا ئل نہ دو کیونکہ ابھی پیسے کم ہیں ، کھانے کو یہ دلیلیں نہ دو کہ ابھی گا ڑی کا ماڈل پرانا ہے، ابھی ڈگری نہیں لی! کھانے کا وقت آگیا ہے کھانا کھاؤ!

اسی طرح انسان کی ازدواجی ضرورت ہے، جب جوان با لغ ہو تا ہے، لڑکا ہویا لڑکی اسکے والدین کو احسا س کرنا چاہئے کیو نکہ اگر آپ نے احسا س نہیں کیا تو یقین جان لو یہ غریزہ اسکو زیا دہ دیر تمہا ر ے کنٹرول میں نہیں رکھے گا۔ یہ غریزہ اسے والدین کا بھی گستا خ ونا فرما ن بنا دے گا اور شریعت کا بھی۔ اگر تم نے کھا نا نہیں دیا یہ تمہار ا چوری کا کھانا یا یہ کسی اور کا کھانا کھا لے گا، کھا نا ضرورکھائے گا! کیوں کہ کھانا اسکی طبیعت کی ڈیما نڈ ہے اسکے اندر غریز ی طو ر پر یہ ڈیما نڈ ہے یہ جاکر کھائے گا لہٰذا جا کر اسے کھانا دے دو تا کہ کسی اورجگہ نہ کھائے!

والدین سمجھتے ہیں کہ ہما را بیٹا 35 سا ل کا ہو گیا ہے ابھی تک شادی کا نام ہی نہیں لیتا! یہ جو شادی کا نا م نہیں لیتا تمہاری غفلت کی وجہ سے نہیں لیتا جبکہ یہ کہیں سے جاکر اپنی لذت پور ی کر کے آتا ہے ممکن ہے وہ لذت آنکھوں کے ذریعے یا تخیّل کے ذریعے ہی پوری کر لیتا ہویا مطا لعے کے ذریعے سے ہی پوری کر لیتا ہو۔

آج مغربی تہذیب نے یہ دو کا م کئے ہیں ، اس نے آدھی انڈسٹر ی لگا ئی ہے تا کہ انسا نی خو اہشا ت و غرا ئض کو ابھا رے اوراسکی نصف انڈسٹری لگی ہوئی ہے تا کہ ابھری ہو ئی خوا ہشات کو تسکین دے لہٰذااتنے ٹی وی چینل و اتنی انٹر نیٹ پر ویب سایئٹس بنی ہوئی ہیں کہ جس میں فسا د ہی فساد ہے جو آج گھروں کے ڈرا ئنگ روموں اور بیڈ رومز میں پہنچا ہو ا ہے۔

آپ چھو ٹے سے بچے کو جو آپ سے دودھ ما نگ رہا ہے، چھو ٹا سا شیر خوا ر ہے جسے ماں دودھ نہیں دیتی، آپ دودھ نہ دو تووہ رو رو کر زمین آسما ن ایک کر دیتا ہے جب تک اسکے منہ میں دودھ نہ ڈالو وہ خاموش نہیں ہوتا!

ایک صا حب کہہ رہے تھے کہ انکے ہاں ڈیڑھ سا ل کا بچہ تھا، ظا ہر ہے گھروں کا ماحول ہو تا ہے انکے ہا ں ٹی وی لگا ہو ا تھا فلم لگی ہوئی تھی اور ساتھ جو چینل چل رہے تھے تو وہ مجھے بتا رہے تھے کہ ہما را بچہ کتنا شرم و حیا والا بچہ ہے، ڈیڑھ دو سا ل کا بچہ تھا ماں با پ دیکھتے رہتے ہیں لیکن یہ چھو ٹا سا بچہ منہ ادھر مو ڑ لیتا ہے یہ بڑی تعریف کر کے بتا رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ کوئی خو شی کی با ت نہیں ہے، اسکی عمر ہونے دو، اس کواس درجے تک پہنچنے دو! پھر میں نے کہا کہ بتا ئو یہ ابھی دودھ پیتا ہے وہ کہنے لگے ہا ں دودھ پیتا ہے۔ جب بچہ چھ ماہ کا ہو تا ہے تواس کو چا کلیٹ اچھا نہیں لگتا۔ اگر چاکلیٹ اسکے نا ک کے سا تھ لگا ئو تو وہ منہ ادھر کر لیتا ہے، منہ کے سا تھ لگائو منہ ادھر کر لیتا ہے لیکن آپ اسکی چا کلیٹ کھانے کی عمر آنے دو! جب چا کلیٹ کی عمرکو پہنچ جا ئے تو پھر آپ بتانا کہ اس کو پسند ہے یا نہیں !

ابھی تو اسکی دو سا ل کی عمر ہے، اسے تو ابھی تمیز ہی نہیں ہے، آپ نے تلقین کی ہوئی ہے کہ یہ غلط منظر ہے لہٰذا وہ آپ کی رضا کی خا طر منہ مو ڑ لیتا ہے لیکن اسکی عمر پہنچنے دو یہ با ت تمام والدین ذہن سے نکال دیں۔ ہم سب صا حب اولا د ہیں خدا سب کی اولا د کو ہر شر وبلیہ سے محفوظ کرے!

کل مو لو د یُو لد علی الفطرہ

رسول اللہ ﷺفرما تے ہیں کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہو تا ہے

فأبواہ یھوّدانہ اوینصّرانہ

پس وہ ما ں باپ ہیں جو اسکو یہودی و نصرانی بنا دیتے ہیں

یہ نمونے کے طو ر پر یہو دی اور نصرانی بتا ئے گئے ہیں در حقیقت ما ں با پ سب کچھ بنا دیتے ہیں ، ماں با پ آوا رہ بھی بنا دیتے ہیں ، ماں با پ لا پرواہ بھی بنا دیتے ہیں ، ماں با پ اسکو نا فرما ن و گستا خ بھی بنا دیتے ہیں ، ماں باپ اسے سب کچھ بنادیتے ہیں۔

ماں باپ کا فریضہ انکو کھانا کھلا نا بھی ہے، کھا نا کھلا نے کے سا تھ سا تھ انکے سارے پہلو ئوں کا خیا ل رکھنابھی ہے لہٰذا اجا زت نہ دو کہ پڑو سی کا کھا نا کھا کر آجائے اور اکثر بچے اسی طرح ہوتے ہیں۔ ماں بے چار ی پر یشا ن ہو تی ہے کہ اس نے کھا نا ہی چھو ڑ دیا، جہا ں بیٹھتی ہے میر ا بچہ مظلو م کھانا ہی نہیں کھاتا۔ آج کل اسکو کیا پتہ کہ یہ کیا کیا کھا کر آتا ہے، بعض ایسی ما ئیں ہیں جوبڑے فخر سے کہتی ہیں مو لا نا ہمارا بیٹاشادی کا نا م ہی نہیں لیتا، جسکا پیٹ بھرا ہو ا ہو وہ کیوں شا دی کا نا م لے گا، لڑکیوں کو بٹھا کر رکھتے ہیں کو ئی شہزا دہ آئے گا، خوا بوں کا راجہ آئے گا پھر اسکا بیا ہ کریں گے۔

معیا ری شا دیا ں کرو جو دین نے معیا ر بتایا ہے۔ واقعاً یہ ایک افسوسنا ک با ت ہے کہ دینی گھرا نے بھی ترجیح دیتے ہیں کہ غیر دینی گھرا نوں میں شادیا ں کریں۔ دینی گھرانوں کی پرورش شدہ پا کیز ہ بچیاں بیٹھی رہتی ہیں جبکہ متدین لڑکا کہیں اور جا کر شادی کر لیتا ہے پھر کہتا ہے کہ آپس میں سمجھو تا نہیں ہو رہا

ایک شادی ہما رے جاننے والے بزر گوا ر نے کی اور کچھ عر صہ بعد اختلا فات شروع ہو گئے، مجھے پتہ چلا میں نے پو چھا بھئی کیا ہوا! اختلا فا ت کیوں ہوئے ہیں جبکہ شادی کو ابھی ڈیڑھ سال گزر گیا۔ کہا کہ ڈیڑ ھ سا ل سے ہی ہما رے گھر میں یہ جھگڑا چل رہا ہے کہ شوہر کو ن ہے! میں شو ہر ہو ں یا بیو ی شو ہر ہے۔

ہمارے گھر میں ایسا کیوں ہو تا ہے کہ لڑکا کسی اور ذہن کا ہوتا ہے جبکہ لڑکی کسی اور ذہن کی ہوتی ہے۔ ہر ایک کی پسند جدا جدا ہے۔ یہ دیکھو کہ جہاں لڑکی ہے وہ کس طر ح کی پروردہ ہے اسکی سیرت کیا ہے! دین نے معیا ر بتا ئے ہیں ان معیا رو ں پر شا دیا ں کرو؟ خدا ان میں برکت عطا کرے گا۔ خدا وند تعا لیٰ نے رزق شادی کے اند ر رکھا ہو ا ہے، یہ رزق کی کنجیاں ہیں اسے استعمال کرو!

ہم یہ کہتے ہیں کہ جب تک تنخو ا ہ نہیں ہو گی شادی نہیں کرینگے، حضرت امام صادقؑ کے پا س ایک شخص آیا اور آکر فقر و فاقے کا گلہ کرنے لگا کہ امام کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ حضر ت نے فرما یا شادی کر لو؟ اسکا منہ حیرت سے کھل گیا کہ میں کہہ رہا ہوں کہ میرے اکیلے کے کھا نے کے لئے کچھ نہیں ہے آپ کہتے ہو کہ ایک اور بھی ساتھ لے آئو! اس نے سمجھا امام مذاق کر رہے ہیں جبکہ امام کبھی مذا ق نہیں کرتا وہ مقام ِہدایت ہے، خدا نے اما م کو کبھی مذا ق کرنے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ وہ ہدایت کے لئے بھیجا ہو ا ہوتا ہے۔ اس شخص کو آگا ہ کیا کہ اے نا دان! میں تجھے رزق کا خزا نہ بتا رہا ہوں کیو نکہ خدا نے رزق خزانوں میں رکھا ہو ا ہے اور ان خزانوں میں ایک ازدواج ہے تو جا کر شا دی کر تا کہ تیرا رزق کھلے۔

البتہ شادی بھی یہ نہیں کہ گھر سے نکلے جو نظر آئے اسی سے شا دی کر لے! معیا ر کے تحت، پرکھ کے دیکھ کر، دھونڈ کر شادی کرو! خد ا نے غریزے رکھے ہیں اور ان کے اندر لذت محسو س ہوتی ہے اور ان چیزوں کے اندر لذت رکھی ہے، کھانے کی لذت تا کہ ہما را وجو د باقی رہے اور نکا ح کی لذت تا کہ ہما ری نسل با قی رہے لیکن جب غریزہ ہی غا لب آجائے اور عقل و فطرت دب جاتی ہے تو پھرشادی اور کھانے کا مقصد انسان بھول جاتے ہیں صرف لذت مدنظر رہ جا تی ہے

# سوال: یہ جو روایت میں ہے کہ ماں کہ قدموں تلے جنت ہے اسکا مطلب واضح کریں ؟

جواب: ہم اس روایت سے فقط یہ سمجھتے ہیں کہ ما ں کے قدم چو مو، اس کی اطا عت و فرمانبرداری کرو اگرچہ یہ بھی صحیح معنی ہے، درست ہے کہ ما ں با پ کی اطا عت ضروری ہے، اس ڈیجیٹل زمانے میں بھی ما ں باپ کی اطاعت واجب ہے بلکہ بہت ضروری ہے، بے شک بچہ ز یا دہ پڑھا لکھا ہو اورما ں اتنی پڑھی لکھی نہ ہو، بچہ ماسٹر کر گیا، ڈا کٹر بن گیا اورما ں سا دہ سی ہے لیکن اسی سا دہ کا احترام کرو؟ اسی سادہ کی عزت کر و، اسکے پائو ں کا بو سہ دو، اسکے ہا تھ کا بو سہ دو، اس لئے کہ یہ مظہر ربوبیت خدا ہے، ربو بیت خدا کو اسکے چہرے میں دیکھو، تمھیں اللہ کی ربو بیت نظر آئے گی۔ ما ں با پ کو دیکھنا بھی عبا دت ہے یہ مستند عبا دت ہے۔

اس حدیث کا ایک اور معنی بھی ہے کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے یہ محا ورہ ہے۔ بعض اوقا ت کسی کو کوئی کا م چا ہئے ہو تا ہے کوئی ضرورت ہو تی ہے اور اس کی وہ ضرورت آپ کے اختیار میں ہے جوآپ ہی پو ری کر سکتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ فلاں میری مٹھی میں ہے، وہ جا ب ڈھونڈ رہا ہے جبکہ اس کی جاب میری مٹھی میں ہے، وہ سفر کر نا چا ہتا ہے اس کا ویزہ میری مٹھی میں ہے، میرے اختیا ر میں ہے، اگرمیں نے مٹھی کھول دی تو اس کا مسئلہ حل جائے گی!

عربی زبا ن میں بھی یہ محا ور ہ استعمال ہوتا ہے کہ فلا ں چیز تو میرے پائوں کے نیچے ہے پا ئو ں اٹھا یا تو مل جائے گی، نہیں اٹھا یا تو نہیں ملے گی! فقط یہ نہیں کہ جنت ما ں کے پا ئو ں کے نیچے ہے بلکہ جہنم بھی ماں کے پا ئوں کے نیچے ہے یعنی ماں کے اختیا ر میں ہے کہ بچے کو جہنمی بنائے یا جنتی بنائے! جو بنا نا چاہے وہ بنا سکتی ہے، ماں سب کچھ بنا سکتی ہے۔ اسلئے ما ں کا مرتبہ خدا نے بہت عظیم قرا ر دیا ہے لہٰذاماں کی ذمہ داری بھی بہت عظیم ہے۔ جو نہی بچہ جوان ہو تا ہے اسکی تعلیم کے لئے ضرور اہتمام کر و! آپ کے زما نے کے لئے تعلیم اشد ضروری ہے اور تعلیم بھی جاب کے لئے نہ پڑھا ئو کہ یہ تعلیم کی توہین ہے، یہ تعلیم اس کو انسا نیت کے لئے پڑھا ئو! علم کے لئے پڑھا ئوتا کہ صا حب دا نش و فضل بن جا ئے اب جا ب کو ئی بھی کر ے، یہ علم کی توہین ہے کہ ہم جاب کے لئے پڑھتے ہیں۔

# سوال: امامِ معصو م ؑ کا قول حجت ہے یا عمل؟

جواب: امامِ معصوم کا قول بھی حجت ہے، فعل بھی حجت ہے اور تائید بھی حجت ہے۔ تین چیزیں علماء بیان کرتے ہیں یعنی معصوم جوکررہے ہیں وہ بھی ہمارے لئے حجت ہے، معصوم جو فرمارہے ہیں وہ بھی ہمارے لئے حجت ہے اور معصوم نے اگر کسی کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھا اوراس کی تائید کی یہ بھی ہمارے لئے حجت ہے۔ جیسے ایک شخص امام کے سامنے نماز پڑھ رہا ہے اورمعصوم نے اس کونہیں ٹوکا، روکا نہیں تو اس کی تائید کردی اس کا مطلب ہے یہ امام کا اس کوتائید کرنایہ بھی ہمارے لئے حجت ہے۔

نوٹ: دین علماء سے سیکھیں ! دین شناسی کے لئے باقاعدہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے جیسے مکتب بنایا ہے تو مکتب سمجھنا نے والا بھی ساتھ بنایا ہے۔ ڈکشنری کی مدد سے آپ دین نہیں سمجھ سکتے، آپ ڈکشنری کی مدد سے حتی میتھ بھی نہیں سمجھ سکتے، فزکس نہیں سمجھ سکتے، کمپیوٹر نہیں سمجھ سکتے، کوئی علم کبھی بھی ڈکشنری کی مدد سے نہیں سمجھ سکتے تو دین کیسے ڈکشنر ی کی مدد سے سمجھ سکتے ہیں ! اگرہم ادھر سے قرآن اُٹھائیں اور ادھر سے ڈکشنری، لغت اُٹھائیں اور معنی دیکھتے جائیں۔ آخر کار یا مجاہدین ِخلق بن جائیں گے یا گروہ فرقان یا پرویزی فرقہ بن جائیں گے یا یہ جو آج نئے نئے تفکرات وجود میں آرہے ہیں وہ بن جائیں گے۔ گمراہوں کی کوئی شکل اختیار کرلیں گے لہٰذا یہ افکار جو پھیلائے جاتے ہیں یہ وہ لوگ پھیلاتے ہیں جنہوں نے دین کو ڈکشنری سے سمجھا ہے یعنی کوئی حدیث کی کتاب اُٹھائی اور ڈکشنری کی مدد سے اسے ترجمہ کرلیا یا کسی ترجمے کا مطالعہ کرلیا اور پھر راہیں اپنی بنالیں کہ دین یہ کہتا ہے۔